تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

تفسیرِ قرآن

تفسیر ماجدی

جلد ششم

سورۃ الصّٰفّٰت - سورۃ الحجرٰت

از

مولانا عبد الماجد دریابادی
رحمۃ اللہ علیہ

مجلسِ نشریاتِ قرآن
۱ کے ۳، ناظم آباد مینشن، ناظم آباد ۲ کراچی ۷۴۶۰۰

تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر قرآن

تَفْسِیْرُ مَاجِدِی

جلد ششم

سورۃ الصّٰفّٰت - سورۃ الحجرٰت

از:

مولانا عبدالماجد دریابادی

رحمۃ اللہ علیہ

مجلسِ نشریاتِ قرآن

اے کے-۳- ناظم آباد مینشن - ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

باجازت مفکر اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ
اور مخدومی حضرت مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی (ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

طبع اوّل۔ نظر ثانی شدہ

اضافہ وترمیم شدہ خود مترجم مرحوم

جدید ایڈیشن: از مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، انڈیا

نام کتاب	:	تفسیر قرآن (تفسیر ماجدی) جلد ششم
تصنیف	:	مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ
طباعت	:	احمد پرنٹنگ پریس
اشاعت	:	۲۰۱۳ء
ضخامت	:	۴۷۵ صفحات
فون	:	۳۶۶۰۱۸۱۷ - ۳۶۶۰۰۸۹۶

ناشر

فضل ربی ندوی

مجلسِ نشریاتِ قرآن

۱-کے-۳- ناظم آباد مینشن- ناظم آباد نمبر ۱- کراچی ۷۴۶۰۰

اسٹاکسٹ: مکتبہ ندوہ قاسم سینٹر اُردو بازار کراچی- فون نمبر: ۳۲۶۳۸۹۱۷

فہرست

(تفسیر ماجدی جلد ششم)

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على سيد المرسلين، محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد!

اس کو اللہ تعالیٰ کا خاص انعام واحسان اور توفیق سے تعبیر کر سکتے ہیں کہ حسب وعدہ سال کے اندر تفسیر ماجدی کی چھٹی جلد کا نیا ایڈیشن بیش قیمت اضافوں، اشاریہ اور مصادر ومراجع کے اقتباسات کا موازنہ مع صفحات وجلد کی تعیین کے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، فالحمد لله على ذلك حمداً كثيراً.

مفسر رحمۃ اللہ علیہ کی بنیادی خوبی یہ تھی کہ وہ ہر وقت قرآنی آیات پر غور وفکر کرتے رہتے تھے، وہ جدید ترین معلومات، نئے انکشافات اور تحقیقات سے فائدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش کرتے تھے، تفسیری نکات کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کر کے دوسروں تک انھیں منتقل کرنے کے لیے سرگرم عمل رہا کرتے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے آخری سانس تک جو بھی نئے اضافے کیے مجلس نے یہ فرض سمجھا کہ وہ اس امانت کو ان ہی کے الفاظ وتعبیرات کے ساتھ قارئین تک منتقل کر دے۔ مجلس کے رفیق عزیزی مولوی محمد مستقیم محتشم ندوی بھٹکلی نے بڑی دیدہ ریزی اور محنت ومشقت بلکہ اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے استقامت کا ثبوت دیا۔ عزیزی حشمت نے بھی کمپیوٹر کے ذریعہ اس امانت کو حقداروں کی خدمت میں پیش کرنے میں ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ جزاهم الله خير الجزاء.

مجلس کے صدر عالی قدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے ایک قیمتی مقدمہ سے اس ایڈیشن کو مزین فرمایا ہے، ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے امید ہے کہ تفسیر ماجدی کی

ساتویں (آخری جلد) اسی سال کے اندر پیش کرسکیں گے، اور انھیں خصوصیات کے ساتھ جو پانچویں اور اس جلد کی ہیں۔ اس طرح مولانا دریابادی مرحوم کی اس خواہش کی تکمیل ہوجائے گی کہ پورے مصحف کو منزل کے لحاظ سے شائع کیا جائے۔

وماتوفیقی إلا باللہ

ناشر

۲۶/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

مطابق ۲۲/دسمبر ۲۰۱۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین، و الصلاۃ و السلام علیٰ سید المرسلین خاتم النبیین سیدنا محمد، و علیٰ آلہ و صحبہ الغر المیامین، و من تبعھم بإحسان إلی یوم الدین، و دعا بدعوتھم أجمعین، أما بعد:

قرآن مجید کو صحف سماویہ کے درمیان ایک بڑی خصوصیت یہ حاصل ہے کہ وہ زمان ومکان کے کسی مخصوص دائرے تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کو زمان ومکان کے محدود دائروں سے بلند اور وسیع تر مقام حاصل ہے، وہ نہ تو کسی قوم وملت کے دائرے میں محدود ہے، اور نہ کسی خاص دور کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ وہ پورے عالم انسانیت کے لیے اور تا قیامت رہنمائی کرنے والی کتاب کی حیثیت سے نازل کیا گیا ہے، اور اسی کے لحاظ سے اس کی حفاظت کا رب العالمین نے خود بطور خصوصی انتظام فرمایا ہے، چنانچہ وہ ہر طرح کے ردوبدل اور کمی وبیشی سے محفوظ ہے، اس میں ہر عہد کی انسانی ضرورتوں اور تقاضوں کے تحت رہنمائی کی رعایت رکھی گئی ہے، انسانوں کے لیے ہر زمانے میں پیش آنے والے معاملات اور ضرورت کے لیے رہنمائی کا سامان بھی اس میں پایا جاتا ہے، جو حسب ضرورت ظاہر ہوتا رہتا ہے، چنانچہ وہ بدلتے ہوئے حالات اور نئے پیش آمدہ واقعات وحوادث کے لحاظ سے رہنمائی کرتا ہے، اور یہ قرآن مجید کا وہ بہت بڑا اعجاز ہے، جو کسی اور کتاب کو حاصل نہیں۔

قرآن مجید کے جز جز میں اعجاز ملتا ہے، وہ اپنی خصوصیات میں منفرد ہے، اور انسان کی استطاعت سے بلند ہے، اس کا اصل موضوع انسان کو انسانی خوبی اور اپنے خالق کے مقرر کردہ طریقۂ زندگی پر چلانے کی رہنمائی کرتا ہے، انسان کو جیسے حالات پیش آئے اور پیش آتے ہیں، اس میں

قرآن مجید سے رہنمائی ملتی ہے، اس بات کی قرآن مجید کی ترجمہ وتفسیر کی کتابوں میں علماء نے اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق نشاندہی کی ہے اور کرتے رہتے ہیں، جو مختلف تفسیری کتابوں میں اپنی اپنی جگہ پائی جاتی ہیں، ان علماء میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کا نام بھی نمایاں حیثیت رکھتا ہے، ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے جدید تعلیم حاصل کر کے مغربی دانشوروں کی تحقیقات اور علمی کاوشوں سے فائدہ اٹھایا، پھر دینی علوم کی طرف توجہ کی اور اس میں بھی بڑا اچھا مقام پیدا کیا، اس کے بعد اپنے کو دین کے دفاع میں اور خاص طور پر قرآن مجید کے علم میں اختصاص حاصل کرنے کے لیے لگا دیا، علماء سلف کی کوششوں اور تشریحات کو سامنے رکھتے ہوئے علم کے سلسلے میں عصر جدید میں ہونے والی پیش رفت اور نئی تحقیقات سے بھی فائدہ اٹھایا، اور ایسی تفسیر تیار کی کہ وہ علماء اور دانشوروں دونوں طبقوں میں مستند و بلند مقام کی حامل ہوئی، اور مقبول عام وخاص ہوئی۔

انھوں نے اپنی آخری عمر میں اس کو اور بہتر بنانے اور جدید تحقیقات کو شامل کر کے مفید بنانے کی کوشش کی، یہ ان کی عمر کے آخری حصہ کا کام تھا، اور ان کی یہ نئی کاوشیں مسودے کی شکل میں تھیں، ہماری مجلس تحقیقات نے ان کے اس مسودے کو جو کہ تفسیر ماجدی کا نیا ایڈیشن بن رہا ہے قابل اشاعت بنانے کی ذمہ داری لی، اس کی اشاعت قرآن مجید کی منزلوں کے اعتبار سے سات (۷) جلدوں پر مشتمل رکھی گئی ہے، اس میں پانچ منزلیں پانچ جلدوں کی شکل میں شائع ہو چکی ہیں، اور یہ چھٹی جلد تیار ہو کر پریس میں جارہی ہے، جو سورۃ الصافات سے لے کر سورۃ الحجرات تک مشتمل ہے، اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے کام کو اس منزل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی، اس جلد کی تیاری میں مجلس کے ذمہ داروں میں مولانا نذر الحفیظ صاحب جو کہ مجلس کے نائب سکریٹری ہیں، ان کی توجہ اور سرپرستی کو بڑا دخل رہا ہے، ان کے ساتھ ان کے معاونین کی محنتیں شامل ہیں، جن میں خاص طور پر مولوی محمد مستقیم محتشم بھٹکلی ندوی کی محنت وتوجہ کا بڑا حصہ رہا ہے، انھوں نے اس مفید دینی وعلمی کام کو بہتر طریقہ سے انجام دیا، اور قابل اشاعت بنایا، اس کے بعد ایک جلد جو آخری منزل پر مشتمل ہوگی، تیاری کی جارہی ہے، امید ہے کہ وہ بھی جلد تیار ہو جائے گی، جو کہ سورۂ ق سے سورۂ ناس تک کی سورتوں پر مشتمل ہوگی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور مفسر رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے دینی شوق اور اس

کے لیے اپنی بھر پور صلاحیتوں کو استعمال کرنے اور قرآن مجید سے استفادہ کرنے والوں کو یہ تحفہ عطا کرنے پر بہترین بدلہ عطا فرمائے، اور ان کی روح کو نعمتوں سے نوازے۔ آمین۔

محمد رابع حسنی ندوی

ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۶/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ - ۲۲/دسمبر ۲۰۱۱ء

(۳۷)

سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ

اٰيَاتُهَا ۱۸۲ — ۱۸۲ آیتیں

رُكُوْعَاتُهَا ۵ — ۵ رکوع

سورۃ صافات مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾

قسم ہے صف باندھ کھڑے ہونے والے (فرشتوں) کی، پھر زبان سے روکنے والے (فرشتوں) کی، پھر ذکر کی تلاوت کرنے والے (فرشتوں) کی

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۗ﴿۴﴾

کہ تمہارا خدا تو ایک ہی ہے ۱

۱ یعنی نہ تین، نہ اس سے زائد۔ نہ تین میں سے ایک، نہ ایک تین اقنوموں میں تقسیم، بلکہ محض ایک۔ بیان توحید کا ہو رہا ہے۔ ہر قسم کے شرک اور توحید فی التثلیث کی تردید ہو رہی ہے، اور زور توحید عددی ہی پر دیا جا رہا ہے۔

والصّٰفّٰت صفاً۔ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو آسمان میں اللہ کی حمد و تسبیح میں یا اس کی تعمیل احکام میں صف بستہ کھڑے رہتے ہیں۔

فالزّٰجرٰت زجراً۔ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو آسمانی خبر رسانیوں سے شیطانوں کو ڈانٹ پھٹکار کر بھگاتے رہتے، یا ابر و بارش کو حکم دیتے رہتے ہیں یا خلائق کو اللہ کی نافرمانیوں سے روکتے رہتے ہیں۔

أی الملائكة التی تزجر السحاب. (راغب، ص: ۲۳۷)

الزجرات كل ما من زجر عن معاصی الله. (كشاف، ج ٤/ص: ۳۲)

لعل الملائكة أيضاً يزجرون الشياطين عن التعرض لبنی آدم بالشر والإيذاء. (كبير، ج ٤/ص: ۱۰۱)

فالتّٰلیٰت ذکراً۔ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو ذکر الٰہی کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝۵ اِنَّا زَيَّنَّا

(وہ) پروردگار (ہے) آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا، اور پروردگار مشرقوں کا ۲ بے شک ہم ہی نے آراستہ کیا ہے

السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۝۶ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝۷

قریبی آسمان کو چراغوں کی آرائش کے ساتھ اور ہر شریر شیطان سے حفاظت کی غرض سے (بھی)

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝۸

وہ عالم بالا کی (باتوں کی) طرف کان بھی نہیں لگا سکتے ۳ اور ہر طرف سے مار کر دھکے دے دیئے جاتے ہیں

قسم بمعنی شہادت پر مفصل حاشیے پہلے گزر چکے۔ مراد یہ ہے کہ یہ ساری مخلوقات عالیہ زبان حال سے خدائے یکتا و قادر کی گواہ ہے۔

۲ یعنی زمین و آسمان نہ خود دیوتا ہیں، نہ ان کے الگ الگ کوئی اور دیوتا ہیں۔ نہ کوئی اگنی دیوتا، نہ کوئی سرسوتی دیوی، نہ کوئی اندر دیوتا، معبود و خالق بس ایک ہی۔

مشارق سے آفتاب کے طلوع کرنے کے مواقع مراد ہیں، صیغۂ جمع اختلاف مطالع کے اعتبار سے ہے۔ ہر روز طلوع آفتاب کا زاویہ دوسرے دن سے کچھ نہ کچھ مختلف ہوتا ہے، اور اس طرح سال کے ۳۶۵ مشرق ہوتے ہیں۔

أى مطالع الشمس وهى ثلث مائة وستون مشرقاً. (مدارك، ص: ۹۹۷)

رب السمٰوٰت والأرض ومابينهما۔ یعنی ساری کائنات کا پروردگار ــــــ آسمان اور زمین دونوں دنیا میں بہت پوجے گئے ہیں، اور اسی طرح ان کا درمیانی حصہ بھی۔ یہاں بیان ان سب کی مخلوقیت، مربوبیت اور محکومیت کا ہے۔

رب المشارق۔ سمت ''مشرق'' کے تقدس و معبودیت پر حاشیے سورۃ البقرۃ (آیت ۱۱۵) اور (۱۴۲) میں گزر چکے ہیں۔

۳ یعنی اکثر اور بالعموم تو یہی حالت رہتی ہے کہ رجم کے ڈر سے دور ہی دور رہتے ہیں۔ آیت میں بتایا ہے کہ اس نظام کواکب سے دو کام لیے جاتے ہیں: ایک تو زیب و زینت۔ دوسرے شیطانوں کا دفاع۔

دُحُوۡرًا وَّلَهُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾ اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ

اوران کے لیے عذاب چمٹ جانے والا ہوگا ۴ مگرہاں جو(شیطان) کچھ خبرلے ہی بھاگا

فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾ فَاسۡتَفۡتِهِمۡ اَهُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمۡ مَّنۡ خَلَقۡنَا ؕ

تو ایک دہکتاہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے ۵ تو آپ ان سے پوچھیے کہ خلقت میں یہ لوگ زیادہ سخت ہیں یاوہ جنھیں ہم نے پیدا کیا ہے

السمآء الدنیا۔ یعنی قریب ترین آسمان۔ مراد وہی آسمان ہے جو ہماری زمین سے قریب ترین نظر آرہا ہے، اپنی ساخت وترکیب کے لحاظ سے وہ خواہ کچھ بھی ہو۔

سمآء کے لفظی معنی میں شمول کسی محسوس شے کا ہرگز لازمی نہیں، جو بھی ہوائی چادر اس کرّہ کو ہرطرف سے گھیرے ہوئے ہے بس وہی سمآء ہے۔ اوراس کے معنی ضبابہ (Nebula) کہہ کے آسانی سے لیے جاسکتے ہیں۔

بزینة ن الکواکب۔ یہ ستارے آسمان میں جڑے ہیں یا نہیں، قرآن مجید کو ان بحثوں سے نفیاً واثباتاً کوئی تعلق نہیں، وہ صرف یہ کہتا ہے کہ ستارے اس فضائے آسمانی کے لیے ذریعۂ زینت وسامانِ آرائش ہیں، اور یہ مسئلہ کا ایک حسی بلکہ بالکل بدیہی پہلو ہے۔

حفظاً من کل شیطٰن مارد۔ یہ شیطانوں کے لیے روک کس چیز سے کردی گئی ہے؟ عالم بالا کی باتوں اور فرشتوں کی باہمی گفتگو سے۔

شیطان کے رجم واستراق پر حاشیہ سورۃ الحجر (آیت: ۱۷-۱۸) میں گزر چکا۔ عالم غیب کی اِن تفصیلات وجزئیات کا علم انسان کو اس کے موجودہ منزل معلومات میں ممکن نہیں۔

۴ (آخرت میں)

یعنی رجم واستراق تو اسی دنیا کی سزائیں ہیں، باقی آخرت کی دائمی سزا اس کے علاوہ ہے۔ اور یہ عذاب دائمی شیطانوں پر ان کے کفر کی بنا پر مرتب ہوگا۔

یقذفون......دُحوراً۔ یعنی جو شیطان جدھر سے بھی جانے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرف سے مرجوم ہوتا ہے۔

۵ (اوراُسے جلا پھونک کر رکھ دیتا ہے)

اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ لَّازِبٍ ⑪ بَلۡ عَجِبۡتَ

ہم نے ان لوگوں کو تو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے ۲؎ اور آپ تو تعجب ہی کرتے ہیں

گویا اگر کوئی شیطان آسمانی خبر کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو اس خبر کے پہنچانے اور پھیلانے میں تو بہر حال ناکام رہتا ہے۔ بظاہر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ستارے جس مادے سے بنے ہیں اس میں کوئی خاص صلاحیت وقوت آگ سے بنے ہوئے شیطانوں کے مارنے اور بھگانے کی ہے۔

لیکن اس عام خیال پر یقیناً کوئی دلیل قرآن سے موجود نہیں کہ جو ستارے ٹوٹتے ہوئے انسانی آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں (اور برسات کے موسم میں اُن کی تعداد اور زیادہ ہوتی ہے) وہ بھی شیطانوں کو سزا دینے والے شہاب ثاقب ہیں! یہ خبر تو عالم بالا سے متعلق ہے، جس کا ہماری حسی بصارت سے کوئی تعلق ہی نہیں، ہم جس طرح اپنی ظاہری آنکھوں سے نہ شیطانوں کو آسمان پر جاتے دیکھ سکتے ہیں، اور نہ ان کو وہاں سے بھاگتے ہوئے، اُسی طرح یہ بھی نہیں دیکھ سکتے کہ ان کے لیے آکہ رجم کیا ہوتا ہے۔ اور جن روشن ٹکڑوں کے لیے ٹوٹے ہوئے تاروں کا لفظ بول چال میں چل گیا ہے، اہل سائنس کا بیان ہے کہ یہ تارے سرے سے ہوتے ہی نہیں جو آسمان سے گریں، بلکہ ہر ٹھوس تارے کے ٹکڑے ہوتے ہیں جو فضا میں آوارہ گھومتے رہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو، سورۃ الحجر کا حاشیہ نمبر ۱۴ و نمبر ۱۵)

۲؎ (جو نہ قوت میں کوئی امتیاز رکھتی ہے نہ صلابت میں)

اَمۡ مَّنۡ خَلَقۡنَا۔ اللہ کی مخلوق تو انسان بھی ہے، یہاں اشارہ ان مخلوقات کی جانب ہے، جن کا ذکر ابھی گزر چکا ہے، ستارے، آسمان، شیطان، فرشتے وغیرہ۔ اور تقابل ان کا انسان سے کیا گیا ہے، جس کو طین لازب جیسی معمولی اور کمزور چیز سے بنایا گیا ہے۔

یرید ما ذکر من خلائقه من الملئکة والسمٰوٰت والأرض وما بینهما. (مدارك، ص:۹۹۹)

فسل هؤلاء المنكرين للبعث أيما أشد خلقا هم أم السمٰوٰت والأرض وما بينهما من الملئكة والشياطين والمخلوقات العظيمة. (ابن كثير، ج٤، ص:٤)

مَن۔ من ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ یہاں بقاعدۂ تغلیب لایا گیا ہے۔

جیئ بمن تغليباً للعقلاء على غيرهم. (مدارك، ص:۹۹۹)

وَيَسْخَرُوْنَ ۝١٢ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۝١٣ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۝١٤

اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں ؎ے اور جب انھیں سمجھایا جاتا ہے تو یہ سمجھتے نہیں، اور جب کوئی نشان دیکھ لیتے ہیں تو اس کی ہنسی اڑاتے ہیں

وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝١٥ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا

اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے ؎۸ بھلا جب ہم مرگئے اور مٹی اور ہڈیاں ہوگئے

وغلب أولي العقل علیٰ غیرھم. (کشاف، ج ٤، ص:٣٦)

هِم، هُم، هُم۔ ان تمام ضمیروں سے مراد کافر انسان بلکہ خود نوع انسان ہے۔

الضمیر لمشرکی مکة. (کشاف، ج ٤، ص:٣٦)

الضمیر لمشرکی مکة أو لبني آدم. (بیضاوی، ج ٥/ص:٣)

؎ے (عقیدۂ حشر و جزا و سزا پر)

یعنی یہ لوگ انکار ہی پر بس نہیں کرتے، بلکہ تمسخر کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔

عجبت۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر حیرت ہو رہی ہے کہ یہ لوگ انکار بعث میں، انکار قدرتِ خداوندی میں کتنے دلیر ہیں!

؎۸ مطلب یہ ہوا کہ امکان بعث پر جب ان کے سامنے تقریر کی جاتی ہے، اور دلائل عقلی قائم کیے جاتے ہیں، تو یہ لوگ تکذیب اور کٹ حجتی پر تل جاتے ہیں، اور جب اثبات نبوت کے لیے کوئی معجزہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، تو اس پر مشق تمسخر کرنے لگتے ہیں ـــــ اُس شانِ الٰہی کی قوت موثرہ سے انکار ان سے بھی ممکن نہیں، لیکن بجائے اس کی حقانیت کے قائل ہونے کے یہ اسے محمول سحر پر کرنے لگتے ہیں۔

آیۃ۔ ہر ایسا خاص واقعہ جس سے اثباتِ رسالت ہوتا ہو ـــــ اور ایسے تائیدی غیبی واقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں نہیں، اب تک برابر واقع ہوتے رہتے ہیں۔

لایذکرون۔ یستسخرون۔ یہ سارے اوصاف جو مشرکین مکہ کے بیان ہوئے ہیں، آج بھی منکرین، مستہزئین پر پوری طرح صادق آتے ہیں۔

ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۱۷﴾ قُلۡ نَعَمۡ وَاَنۡتُمۡ دَاخِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾

تو کیا پھر سے اٹھائے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں (ضرور) اور تم ذلیل بھی ہو گے ۹

فَاِنَّمَا هِیَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوۡا یٰوَیۡلَنَا هٰذَا

قیامت تو بس ایک ہی للکار ہوگی، سو یہ سب دیکھنے بھالنے لگیں گے، اور کہیں گے، ہائے ہماری کمبختی یہ تو وہی

یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ الَّذِیۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۱﴾ اُحۡشُرُوا

روزِ جزا ہے (بے شک) یہ (اسی) فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ۱۰ جمع کرلو

الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا وَاَزۡوَاجَهُمۡ وَمَا كَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲۲﴾ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

مشرکوں اور ان کے ہم مشربوں کو اور ان کو جن کی وہ عبادت اللہ کو چھوڑ کر کیا کرتے تھے ۱۱

قالوا......مبین۔ یعنی قرآن کے اعجازی اثر، نیز رسولؐ کے ہر معجزے کی تاویل یہ کرنا شروع کردیتے ہیں کہ یہ تاثیر تو سحر سے پیدا ہوئی ہے ـــــــ اور اسی تشخیص کو "ماڈرن" زبان میں دہرانے والے آج بھی کثرت سے موجود ہیں۔

۹ منکرین بعث کی تقریر اور اس کا جواب دونوں مذکور ہوئے، مادہ پرست منکرین آخرت کی سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ مادی ذرات ایک بار منتشر و تحلیل ہو کر دوبارہ جمع کیسے ہو سکتے ہیں، اور وہ ذکرِ آخرت کو انتہائی حیرت و استعجاب کے کانوں سے سنتے۔

وأنتم داخرون۔ منکرین کے جواب میں کہا جا رہا ہے کہ ہاں اٹھائے تو بہر حال جاؤ گے، اور تم اپنی ان منکرانہ گستاخیوں کی پاداش میں ذلیل و خوار بھی کیے جاؤ گے۔

۱۰ یہ منکروں کی صدائے حسرت و نالۂ درد کے جواب میں غیب سے ارشاد ہوگا۔

ھی زجرۃ واحدۃ۔ اشارہ صور کے نفخۂ ثانی کی جانب ہے۔

وھی النفخة الثانية. (مدارك، ص:۹۹۹)

۱۱ یہ فرشتوں سے ارشاد ہوگا۔

ازواجھم۔ زوج کے لفظی معنی ساتھی یا معاون کے ہیں۔

فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿٢٣﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾

پھر ان سب کو دوزخ کا راستہ بتلاؤ، اور ان کو (ذرا) ٹھہراؤ، ان سے ۔پوچھ کچھ ہوگی

أصل الزوج المقارن. (روح،ج٢٣/ص:٨٠)

يقال لكل مايقترن بآخر مماثلاً له أو مضاد زوج. (راغب،ص:٢٤١)

یہاں ازواج بیویوں کے معنی میں نہیں، بلکہ رفیقوں، ہم مشربوں کے مرادف ہے۔

أى أقرانهم المقتدين بهم فى أفعالهم(راغب،ص:٢٤١، ابو البقاء،ص:٧٧٧)

أى قرناؤهم. (جوهرى عن يونس،ج١/ص:٢٣٠)

تابعین بلکہ صحابہ سے یہی تفسیر مروی ہے۔

أخرج جماعة عن ابن عباس فى لفظ أشباههم وفى لفظ نظراء هم، وروى تفسير الأزواج بذلك أيضاً عن ابن جبير و مجاهد و عكرمة.(روح،ج٢٣/ص:٧٩-٨٠)

أشياعهم فى الشرك. (قرطبى،ج١٥/ص:٧٣)

أى أشباههم وأتباعهم وأمثالهم قال قتادة والكلبى كل من عمل مثل عملهم فأهل الخمر مع أهل الخمر وأهل الزنا مع أهل الزنا. (معالم،ج٤/ص:٢٩)

أى أنواعهم وضرباء هم قاله عمر وابن عباس. (بحر،ج٧/ص:٣٥٦)

ماكانوا يعبدون۔ اس کے تحت میں شیاطین واصنام سب آگئے۔

مطلب یہ ہوا کہ حشر میں منکروں کے رئیس اور عوام، سردار اور پیرو مع ان کے معبودانِ باطل کے سب اکٹھے کیے جائیں گے۔

الذين ظلموا۔ کھلی ہوئی مراد مشرک کافروں سے ہے، جیسا کہ وماكانوا يعبدون سے بالکل واضح ہورہا ہے۔

هم المشركون.(بيضاوى،ج٥/ص:٤)

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿٢٦﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

(اب) تمھیں کیا ہوا کہ کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتا ۱۲؎ نہیں! بلکہ وہ (سب) اس روز سرافگندہ ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر

عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٧﴾ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿٢٨﴾

سوال وجواب کریں گے (تابعین) کہیں گے کہ تمھاری ہی آمد ہم پر بڑے زور سے ہوا کرتی تھی ۱۳؎!

۱۲؎ (حالانکہ دنیا میں تو خوب کرتے رہتے تھے، اور اپنی اسی باہمی اعانت ونصرت پر فخر وناز بھی رکھتے تھے)

یہ طنزیہ سوال کافروں سے ان کی تکلیف کے اور بڑھانے کے لیے ہوگا ـــــــ یہ وہ وقت ہوگا کہ جب نہ لیڈروں کے ساتھ نعرے لگانے والوں اور جلوس نکالنے والوں کے جتھے ہوں گے، اور نہ شہنشاہوں کے ساتھ امیروں، وزیروں اور مصاحبوں کی پلٹنیں، اور نہ چنگیزوں اور ہلاکوؤں کے ساتھ صف شکن جانبازوں کے لشکر۔

فاهدوهم إلى صراط الجحيم۔ یعنی ان سب کو دوزخ کی طرف لے جاؤ۔ مطلب یہ ہوا کہ اہل کفر کے جب رئیس وعوام، مقتدا اور مقتدی سب جمع ہو جائیں گے، تو حکم ہوگا کہ سب کو دوزخ کی طرف ہانک دیا جائے۔

۱۳؎ عوام کفار اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ بے شک تم نے ہمیں کفر پر صریحاً مجبور تو نہیں کیا تھا، لیکن تم ترغیب وتحریص کے مختلف طریقے اختیار کر کر کے ہر طرح کا زور ہم پر دیا کرتے تھے۔

تاتوننا عن اليمين۔ اتیان عن الیمین کے معنی محاورے میں زور اور دباؤ ڈالنے کے آتے ہیں۔

عن القوة والقهر، إذا اليمين موصوفة بالقوة وبها يقع البطش أى أنكم تحملوننا على الضلال وتقسروننا عليه. (مدارك، ص:١٠٠٠)

أى عن أقوى الوجوه. (بيضاوى، ج٥/ص:٥)

أى تخدعوننا وتفتنوننا عن طاعة الله. (ابن قتيبة، غريب القرآن، ص:٣١٨)

عن الیمین سے کنایہ یہ بھی سمجھا گیا ہے کہ راہ حق کی طرف سے اس سے روکنے کے لیے آتے تھے۔

أى عن الناحية التى كان منها الحق فتصرفوننا عنها. (راغب، ص:٦١٣)

قَالُوۡا بَلۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ‌ۚ بَلۡ

(سرغنہ) کہیں گے کہ نہیں، بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لاتے تھے، اور ہمارا تم پر کوئی زور تو تھا نہیں، بلکہ

كُنۡتُمۡ قَوۡمًا طٰغِيۡنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيۡنَا قَوۡلُ رَبِّنَاۤ‌ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوۡنَ ﴿۳۱﴾

تم خود ہی سرکشی کیا کرتے تھے سو ہم (سب ہی) پر ہمارے پروردگار کی یہ بات محقق ہوچکی تھی کہ ہم (سب) کو مزہ چکھنا ہے

فَاَغۡوَيۡنٰكُمۡ اِنَّا كُنَّا غٰوِيۡنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمۡ يَوۡمَئِذٍ فِى الۡعَذَابِ مُشۡتَرِكُوۡنَ ﴿۳۳﴾

ہم نے تمہیں بھی گمراہ کیا اور ہم خود بھی گمراہ تھے ۱۴ سو وہ (سب کے سب) اس روز عذاب میں شریک رہیں گے

اِنَّا كَذٰلِكَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمۡ كَانُوۡۤا اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَاۤ اِلٰهَ

ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں یہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا

اِلَّا اللّٰهُ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوۡۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجۡنُوۡنٍ ﴿۳۶﴾

کوئی معبود نہیں تو یہ لوگ تکبر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے خداؤں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں گے؟ ۱۵

۱۴ رؤساء اور مقتدایانِ کفر اپنی صفائی میں کہیں گے کہ ہم کیا کریں، اسباب ہی ایسے اکٹھے ہوگئے کہ ہم خود بھی گمراہ ہوئے، اور اپنی گمراہی کو تم تک پہنچایا، تو تم بھی بہ اختیار خود گمراہ ہوئے۔ ذمہ داری سے بَری کوئی نہیں، سب کو اپنا اپنا کفر بھگتنا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے کہ اگر ہر گمراہ کی ذمہ داری مغوی پر ڈال دینے کا قاعدہ صحیح تسلیم کرلیا جائے، تو پھر دنیا میں کوئی شخص قابل سزا رہ ہی نہ جائے گا، کہ اس مغوی کا بھی تو کوئی اور مغوی ہوگا، اور اس کا کوئی اور۔ اِس سے صاف دَور و تسلسل لازم آتا ہے، اور ذمہ داری ایک سے دوسرے پر برابر ہٹتی ہی چلی جائے گی۔ (کبیر، ج ۲۶/ص: ۱۱۸)

۱۵ مشرکین عرب کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ دینِ جاہلیت کی ''تہذیب اعلیٰ و برتر'' (Superior Culture) پر نازاں ہیں، اور جب خالص اور کھری توحید اُن کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے قبول کرنے میں اور اپنے مشرکانہ عقائد سے دستبردار ہونے میں اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ اور پیمبر کے لیے یہ نظریہ قائم کیے ہوئے کہ یہ تو ایک محض خیالی منصوبہ باز شخص ہے، اس کے کہے

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ

نہیں، اصل یہ ہے کہ وہ ایک سچا دین لے کر آئے ہیں اور (دوسرے) پیمبروں کی تصدیق کرتے ہیں ١٦ تم (سب) کو عذاب دردناک

الْاَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾

چکھنا پڑے گا اور تم کو اسی کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے ١٧ مگر ہاں جو اللہ کے خاص کیے ہوئے بندے ہیں

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٤٣﴾

ان کے لیے غذائے معلوم ہے یعنی میوے، اور وہ عزت کے ساتھ راحت کے باغوں میں ہوں گے ١٨

سے اپنے قدیم و پشتینی عقائد ہم کیوں کر بدل دیں۔

بالمجرمین۔ مجرمین سے مراد عام گنہگار نہیں، بلکہ جرم کفر و شرک کے مرتکبین مراد ہیں۔

أی الذین جعلوا للّٰه شرکاء. (معالم، عن ابن عباس، ج٤/ص:٣٠)

أی بالمشرکین. (بیضاوی، ج٥/ص:٥۔ روح، ج٢٣/ص:٨٣)

اور صرف یہیں نہیں، بلکہ یہ لفظ اپنی مطلق صورت میں جہاں جہاں بھی قرآن مجید میں آیا ہے، مراد کافر ہی ہیں۔

یدل علی أن لفظ المجرم المطلق مختص فی القرآن بالکافر. (کبیر، ج٢٦/ص:١١٨)

کل مجرم فی القرآن فالمراد به الکافر. (أبو البقاء، ص:١٢٨٤)

١٦ مشرکوں کو جواب مل رہا ہے کہ ان پیمبر کی زبان سے اظہار تمام تر حقائق ہی کا ہو رہا ہے۔ بھلا شاعری، خیال بندی، مضمون آفرینی کو ان پیمبرانہ تعلیمات سے کیا مناسبت ہے؟ اللہ کا بھیجا ہوا، اتارا ہوا سچا دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے، پرانے پیمبر بار بار اسی کو لائے، اور اب یہ نئے پیمبر بھی اسی کی تجدید کر رہے ہیں۔

١٧ یعنی اس عام و مشترک سزا کے باب میں کوئی ظلم کسی قسم کا نہیں، نفس کفر و انکار میں تم سب شریک تھے، اس لیے لازم ہے کہ آج سزائے کفر میں بھی سب شریک ہو۔

١٨ چنانچہ یہ سارے ماکولات ان کے سامنے عزت و احترام کے ساتھ پیش کیے جائیں گے، یہ نہیں کہ جیسے گداگر کی جھولی میں کچھ ڈال دیا گیا۔

عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍۢ ﴿۴۵﴾

تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے، ان پر جام دور کرے گا بہتی ہوئی (شراب) سے (لبریز)

بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾

سفید سفید، پینے والوں کے حق میں خوب لذیذ اس سے نہ چکر آئے گا، اور نہ اس سے وہ بہکی بہکی باتیں کریں گے ۱۹

فواکہ۔ عربی میں یہ لفظ بڑی وسعت رکھتا ہے، اور اردو کے کسی ایک لفظ سے اس کا ترجمہ ممکن نہیں۔ عربی میں فاکھہ سے مراد صرف میوے ہی نہیں، بلکہ ہر وہ لذیذ و نفیس چیز ہے جو انسان پیٹ بھرنے کے لیے نہیں، بلکہ ذائقہ کے لیے کھاتا ہے۔ جنت میں اہل جنت کے جسم کو تغذیہ کی سرے سے ضرورت ہی نہ ہوگی، اس لیے کہ وہاں جسم فناپذیر نہ ہوں گے۔ اہل جنت تو جو کچھ کھائیں پئیں گے صرف مزے اور لطف ہی کے لیے ــــــ انگریزی میں اس کے لیے قریب ترین لفظ ''ریفریشمنٹ'' ہے۔

وهى كل مايتلذذ به ولايتقوت لحفظ الصحة، يعنى أن رزقهم كله فواكه لأنهم مستغنون عن حفظ الصحة بالأقوات. (كشاف، ج ٤/ص: ٤٠)

الفاكهة عبارة عما يؤكل لأجل التلذذ لا لأجل الحاجة. (كبير، ج٢٦/ ص:١١٩)

الفاكهة مايقصد للتلذذ دون التغذى. (بيضاوى، ج ٥/ص:٥)

جنّٰت النعیم۔ ایسے باغ جن میں راحت ہی راحت ہوگی، تکلیف کا کہیں گزر بھی نہ ہوگا۔

فى جنّٰت ليس فيها إلا النعيم. (بيضاوى، ج ٥/ص:٥)

۱۹ یعنی اس میں صرف سرور ہی سرور، لذت ہی لذت، لطافت ہی لطافت ہوگی، نشہ، دورانِ سر، وغیرہ کی ساری تکلیف دہ کیفیات سے وہ یکسر خالی ہوگی۔ غرض یہ کہ دنیا کی شرابوں اور اس شراب طہور کے درمیان بجز نام کے اور کوئی چیز مشترک نہ ہوگی۔

من معین۔ اشارہ کثرت کی جانب ہے، یعنی شراب کے دریا بہہ رہے ہوں گے۔

معین وہ چیز ہے جو پانی کی طرح چشمہ سے ابل رہی ہو۔

المعين مأخوذ من عين الماء أى يخرج من العيون كما يخرج الماء. (كبير، ج٢٦/ص:١١٩)

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

اوران کے پاس نیچی نگاہ والیاں بڑی آنکھ والیاں ہوں گی، گویا وہ انڈے ہیں چھپے چھپائے (رکھے ہوئے) ۲۰

لذّة میں حذف مضاف ہے، یعنی ذات لذۃ۔

قال الزجاج أی ذات لذة فعلیٰ هذا حذف المضاف. (کبیر، ج۲٦/ص:۱۲۰)

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وصف لذت کی زیادتی کے اظہار کے لیے لذیذ چیز کو نفس لذت سے اور صیغۂ مصدر سے تعبیر کردیا گیا ہو۔

وصفت بالمصدر للمبالغة بجعلها نفس اللذة.(روح، ج۲۳/ص:۸۷)

صاحب بحر نے دونوں ترکیبیں نقل کردی ہیں۔

کأس۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں آیا ہے، مراد شراب ہی سے ہے۔

قال ابن عباس والضحاك والأخفش كل كأس فى القرآن فهو خمر.(بحر، ج۷/ ص:۳۵۸)

جام شراب کو کأس اُسی وقت کہتے ہیں جب وہ شراب سے لبریز ہو، ورنہ خالی جام کے لیے اور الفاظ ہیں۔ مثلاً اناء یاقدح۔

والعرب تقول للإناء إذا كان فيه خمر كأس، فإذا لم يكن فيه خمر قالوا إناء وقدح. (قرطبی، ۱۵/ص:۷۷)

غول کے معنی فساد کے بھی ہیں اور دردسر کے بھی۔

قال الليث الغول الصداع. (كبير، ج۲٦/ص:۱۲۰)

ف۲۰ اور گرد وغبار، داغ سے بالکل محفوظ)

تشبیہ صرف صفائی اور آب وتاب میں ہے، اردوخواں اس پر حیرت نہ کریں۔ محاورۂ عرب میں یہ تشبیہ عام ہے۔

كان هذا اللون فى غاية الحسن، والعرب كانوا يسمون النساء بيضات الخدور.(كبير، ج۲٦/ص:۱۲۰)

العرب تشبه النساء ببيض النعام.(ابن قتيبة، غريب القرآن، ص:۳۱۹)

فَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ

پھرایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر بات چیت کریں گے ۲۱ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا

اِنِّىۡ كَانَ لِىۡ قَرِيۡنٌ ۙ‏ ﴿۵۱﴾ يَّقُوۡلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الۡمُصَدِّقِيۡنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتۡنَا

کہ میرا ایک ملاقاتی تھا وہ کہا کرتا تھا کیا تو بھی (حشر کے) معتقدوں میں سے ہے؟ تو کیا جب ہم مر جائیں گے

وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيۡنُوۡنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلۡ اَنۡتُمۡ مُّطَّلِعُوۡنَ ﴿۵۴﴾

اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو جزا وسزا دیے جائیں گے؟ ۲۲ ارشاد ہوگا کہ کیا تم (اسے) جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو؟ ۲۳

عِیۡنٌ میں خلاصہ آگیا ان کے حسن و جمال کا، اور قاصرات الطرف سے اشارہ ہو گیا کہ علاوہ حسنِ صورت کے غیرت وحسن عفت سے جنت میں بھی موصوف رہیں گی۔

جنت میں مادی لطف بھی ہر قسم کے حاصل ہوں گے۔ از دواجی لطف سے محروم ہو جانے کے کوئی معنی نہیں، اور نہ آج بیسویں صدی کے مفسر کو اس حقیقت کے اظہار میں کسی طرح کی شرم کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید نے جنتیوں کے لیے زوجی لذتوں کو عین موقع مدح وترغیب میں بیان کیا ہے۔

۲۱ انفرادی، مادی لذتیں بڑی سی بڑی بھی اہل جنت کے لیے کافی نہ ہوں گی۔ ہم مشربوں، دوستوں، عزیزوں کے اجتماع کا لطف ان سب لذتوں پر دوبالا ہوگا۔

۲۲ یعنی دنیا میں میرا ایک ملنے والا تھا، وہ مجھ سے طنزاً کہا کرتا تھا کہ ”کیوں میاں! تم بھی حشر ونشر کے ڈھکوسلوں کے قائل ہو“؟

مدینون۔ دین کے اصلی معنی جزا کے ہیں۔ مدینون کے معنی جزا پانے والے کے ہوئے۔

لمدينون أى مجزيون. (تاج، ج۱۸/ص:۲۱۵)

أى مجزيون محاسبون. (لسان، ج۴/ص:۴۶۰)

أى لمبعوثون ومجاوزون. (روح، ج۲۳/ص:۹۱)

۲۳ (تو فوراً جھانک کر دیکھ ہی لو، بغیر کسی آلہ یا مشین کی مدد کے)

قال کا فاعل حق تعالیٰ بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ مفسر تھانویؒ نے قرار دیا ہے (تھانوی، ج۲/ص:۳۸۰) اور بیضاوی وغیرہ میں بھی یہ قول نقل ہوا ہے (بیضاوی، ج۵/ص:۲۰) اور خود وہ جنتی بھی ہوسکتا

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾

سو وہ (شخص) جھانکے گا تو اسے وسط جہنم میں دیکھے گا ۲۴ (اور) بول اٹھے گا اللہ کی قسم تو تو مجھے ہلاک ہی کر ڈالنے کو تھا

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ﴿۵۸﴾

اور اگر میرے پروردگار کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی ماخوذ لوگوں میں ہوتا ۲۵ تو کیا ہم (اب) نہ مریں گے

اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۰﴾

بجز پہلی بار کے مرچکنے کے، اور نہ ہم کو عذاب ہوگا! ۲۶ بے شک بہت بڑی کامیابی یہی ہے ۲۷

ہے، جو اپنے رفیقوں، ہم نشینوں سے یہ کلام کرے گا، اور یہ قول جمہور مفسرین کا اختیار کیا ہوا ہے۔

یہ ہرگز ضروری نہیں کہ ساری جنت میں ایک ہی شخص اس کا قائل ہو، بلکہ أنتم مطلعون کے صیغۂ جمع سے تو ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ بہتوں کا تجربہ ہوگا۔

۲۴ سو آء الجحیم کے لفظ سے یہ مراد نہیں کہ وہ جہنم کا وسط حقیقی ہے۔ محاورات میں ”بیچوں بیچ“ برابر بول دیتے ہیں، جب مراد خوب گھرے ہوئے ہونے سے ہوتی ہے۔

”فاطلع سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ جنت اعلیٰ میں اور دوزخ اسفل میں ہے، اور اس وقت باہم ایسی نسبت ہوگی کہ جھانکنے سے نظر آجائے گا“۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۸۱)

اور بڑے سے بڑا فاصلہ بھی اہل جنت کے لیے دیکھنے میں ذرا سی بھی رکاوٹ نہ پیدا کرسکے گا۔

۲۵ یعنی تو نے مجھے خراب کرنے اور اپنا ہم خیال بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ یہ محض فضل خداوندی تھا، جس نے مجھے عقیدۂ صحیح پر قائم رکھا۔

۲۶ (سو اب ہمیں ہر طرح کا اطمینان اور کامل بےفکری حاصل ہے)

یہ سب کچھ جوش مسرت میں اس جنتی کی زبان پر آجائے گا، اور جنت میں پہنچ کر احساس مسرت بے نہایت بھی، بالکل قدرتی اور برمحل۔

موتتنا الأولىٰ۔ مراد وہ طبعی موت ہے جو ہر انسان کو اُس کی زندگی کے ختم پر پیش آتی ہے۔

۲۷ یعنی جنت کی ان نعمتوں سے سرفرازی۔

الإشارة إلى ما هم عليه من النعمة والخلود والأمن من العذاب. (بیضاوی، ج ۵ /ص: ۶)

لِمِثۡلِ هٰذَا فَلۡيَعۡمَلِ الۡعٰمِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ اَذٰلِكَ خَيۡرٌ نُّزُلًا اَمۡ شَجَرَةُ الزَّقُّوۡمِ ﴿۶۲﴾

ایسی ہی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے، بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت؟ ۲۸

اِنَّا جَعَلۡنٰهَا فِتۡنَةً لِّلظّٰلِمِيۡنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخۡرُجُ فِىۡۤ اَصۡلِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۶۴﴾

ہم نے اس کو کافروں کے لیے (موجب) آزمائش بنایا ہے ۲۹ وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ میں سے نکلتا ہے

طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّيٰطِيۡنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمۡ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡهَا فَمٰلِـُٔوۡنَ

اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن ۳۰ تو وہ لوگ اس سے کھائیں گے اور اسی سے

یہ حور اور قصور، جنت کی لذتیں اور سرور، قابل مضحکہ نہیں کہ ہمارے صوفی اور شاعر انھیں طنز و تمسخر کا نشانہ بنائے رکھیں، یہ سب مطلوب شرعی ہیں، محل و مظہر رضائے الٰہی ہیں۔ قرآن مجید انھیں بار بار بطور مطلوب بلکہ مقصود کے پیش کر رہا ہے۔

۲۸ (جو تلخی و ناخوش گواری میں اپنی مثال آپ ہے)

الزقوم ایک درخت ہے، جو عرب میں اپنی تلخی کے لیے مشہور تھا۔ فارسی میں اسے حنظل اور اردو میں اندرائین کہتے ہیں۔ دوزخ میں آگ سے پیدا ہوگا، اور کسی طرح بھی انسانی غذا کے قابل نہ ہوگا۔ مجازاً ہر زہریلی اور بدمزہ چیز کو کہتے ہیں۔

قال ثعلب: الزقّوم كل طعام يقتل. (تاج، ج١٦/ص: ٣٢٠)

عبارة عن أطعمة كريهة فى النار. (راغب، ص:٢٣٨)

۲۹ (اسی دنیا میں کہ دیکھیں کون اسے سن کر اس کی تصدیق کرتا ہے اور کون تکذیب و تضحیک)

زقوم کے ایک اور معنی خرما اور مسکہ کے بھی ہیں۔ مشرکین عرب نے یہی معنی لے کر مضحکہ شروع کر دیا تھا۔

الظّٰلمین۔ ظالموں سے یہاں مراد کافر و مشرک ہی ہیں۔

أى المشركين. (قرطبى، ج١٥/ص:٨٦)

۳۰ جیسے ہندوستان میں ناگ پھنی کے پتے ہوتے ہیں، نواح یمن میں بھی اس نام کا ایک سخت بدمنظر پودا ہوتا ہے۔

قيل: رؤوس الشياطين نبت معروف قبيح، يسمى رؤوس الشياطين، شبه طَلْع هذه الشجرة. (لسان، ج۷/ص: ۱۲۱)

نبت معروف قبيح الرأس. (كبير، ج۲٦/ص: ١٢٤)

شجرة معروفة تكون بناحية اليمن منكرة الصورة. (روح، ج۲۳/ص: ۹٦)

اور صاحب روح نے دو شعر بھی اسی معنی میں نابغہ اور اصمعی کے پیش کیے ہیں۔

کأنه۔ تشبیہ بدشکلی اور بدمنظری میں ہے۔ محاورۂ عرب میں انتہائی قبیح اور بدنمائی کے موقع پر مثال شیطان ہی سے لاتے ہیں کہ شیطان کا سا چہرہ، شیطان کا سا سر۔ شیطان کا مشاہدہ گو کسی نے نہیں کیا ہے، لیکن یہ علم تو بہرحال ہے کہ وہ قبیح ترین صورت کا ہے۔

قال الزجاج: وجهه أن الشيئ إذا استُقبح شُبّه بالشياطين فيقال كأنه وجه شيطان وكأنه رأس شيطان، والشيطان لايرى، ولكنه يستشعر أنه أقبح مايكون من الأشياء. (لسان، ج۷/ص: ۱۲۱، تاج، ج۱۸/ص: ۳۲۲)

تو وہی نہایت درجہ بدشکل اور بدمنظر پودا یہاں مراد ہے۔

أى فى تناهى الكراهة وقبح المنظر والعرب تشبه القبيح الصورة بالشيطان فيقولون كأنه وجه شيطان أو رأس شيطان. (روح، ج۲۳/ص: ۹۵)

واعتقدوا فى الشياطين نهاية القبح والتشويه فى الصورة والسيرة... فكذلك وجب أن يحسن التشبيه برؤوس الشياطين فى القبح وتشويه الخلقة. (كبير، ج۲٦/ص: ١٢٤)

قال ابن عباس رضى الله عنهما: هم الشياطين بأعيانهم شُبّه بهما بقبحهما، لأن الناس إذا وصفوا شيئاً بغاية القبح قالوا: كأنه شيطان. (معالم، ج٤/ص: ۳۳)

وقيل أراد به عارم الجن فتنبه به لقبح تصورها. (راغب، ص: ۲۹۳)

الشياطين۔ شیطان کے ایک معنی پتلے بدہیئت سانپ کے ہیں، اور یہاں مراد اس سے بھی ہو سکتی ہے۔

قيل كأنه رؤوس الشياطين كأنه رؤوس حيّات، فإن العرب تسمى بعض الحيات شيطاناً، وقيل: هو حية له عُرف قبيح المنظر. (لسان، ج۷/ص: ۱۲۱)

مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمۡ عَلَيۡهَا لَشَوۡبًا مِّنۡ حَمِيۡمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ اِنَّ

پیٹ بھریں گے پھر انھیں کھولتا ہوا پانی ملاکر دیا جائے گا ۳۱ پھر اخیر

مَرۡجِعَهُمۡ لَاِ۟لَى الۡجَحِيۡمِ ﴿٦٨﴾ اِنَّهُمۡ اَلۡفَوۡا اٰبَآءَهُمۡ ضَآلِّيۡنَ ﴿٦٩﴾ فَهُمۡ

ٹھکانا ان کا دوزخ ہی کی طرف ہوگا انھوں نے اپنے بڑوں کو گمراہ پایا تھا سو یہ بھی

عَلٰٓى اٰثٰرِهِمۡ يُهۡرَعُوۡنَ ﴿٧٠﴾ وَلَقَدۡ ضَلَّ قَبۡلَهُمۡ اَكۡثَرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿٧١﴾

انھیں کے قدم پر تیزی کے ساتھ چل پڑے ۳۲ اور ان سے پہلے بھی اگلوں میں اکثر گمراہ ہو چکے تھے

قیل هی حیة حفیفة الجسم. (راغب، ص:۳۹۳)

وقیل الشیاطین حیات هائلة قبیحة المنظر. (بیضاوی، ج٥/ص:٧)

وهی من أقبح الحیات وبها یضرب المثل فی القبح. (کبیر، ج٢٦/ص:١٢٤)

۳۱ (غساق یعنی پیپ کے ساتھ)

یعنی بھوک سے مضطر ہو کر تو زقوم سے پیٹ بھریں گے: اور پیاس سے بے قرار ہو کر کھولتا ہوا پانی پیپ ملا ہوا پیٹ میں انڈیلیں گے۔ أعاذنا الله منه.

۳۲ یعنی اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی گمراہی کے راستے میں بڑے شوق ورغبت سے چلنے لگے، اور خود دلائل وشواہد پر ذرا غور نہ کیا۔

إنهم......ضالین۔ آیت نے صاف کر دیا کہ اس نتیجہ کا ترتب اہل جہنم پر صرف اس لیے ہوگا کہ انھوں نے دلیل صحیح کی پیروی چھوڑ کر محض اندھی تقلید شروع کر دی تھی۔

والمقصود من الآیة أنه تعالیٰ علل استحقاقهم للوقوع فی تلك الشدائد کلها بتقلید الآباء فی الدین وترك اتباع الدلیل. (کبیر، ج٢٦/ص:١٢٥)

اور امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اندھی تقلید کے ذم میں اگر کوئی اور آیت قرآن میں نہ ہوتی تو یہی ایک آیت کافی تھی۔

ولو لم یوجد فی القرآن آیة غیر هٰذه الآیة فی ذم التقلید لکفیٰ. (کبیر، ج٢٦/ ص:١٢٥)

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا فِيۡهِمۡ مُّنۡذِرِيۡنَ ﴿٧٢﴾ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿٧٣﴾

اورہم نے ان میں بھی ڈرانے والے بھیجے تھے سو دیکھ لیجئے ان کا کیسا بُرا انجام ہوا جنھیں ڈرایا گیا تھا

٢ع٥٣/٦ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿٧٤﴾ وَلَقَدۡ نَادٰٮنَا نُوۡحٌ فَلَنِعۡمَ الۡمُجِيۡبُوۡنَ ﴿٧٥﴾

البتہ وہ نہیں جو اللہ کے خاص کیے ہوئے بندے تھے ۳۳ اور ہم کو نوح نے پکارا، اور ہم خوب فریاد کے سننے والے ہیں ۳۴

وَنَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلۡنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الۡبٰقِيۡنَ ﴿٧٧﴾

اورہم نے ان کو اوران کے گھر والوں کو بڑے بھاری غم سے نجات دی ۳۵ اورہم نے باقی انھیں کی نسل کو تو رکھا

وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ﴿٧٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوۡحٍ فِى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿٧٩﴾ اِنَّا

اورہم نے ان کے لیے پیچھے آنے والوں میں (یہ بات) رہنے دی۔ کہ نوح پر سلام ہو عالم والوں میں ۳۶ بے شک

۳۳ (بلکہ وہ اس عذاب دنیوی سے بھی محفوظ رہے)

یعنی جنھوں نے پیمبروں کی نہ سنی، ان پر دنیا میں بھی کیسے کیسے عذاب آئے۔

عباد اللہ المخلصین۔ یعنی اہلِ ایمان۔

أی الذین أخلصهم الله تعالیٰ بتوفیقهم للإیمان و العمل. (روح، ج۲۲/ ص:۹۷)

۳۴ (چنانچہ ہم نے نوح کی بھی سن لی، اور اکیلے انھی کی نہیں، ہم سب ہی کی سنتے ہیں)

ولقد نادٰنا۔ یعنی ہمیں اپنی نصرت اور کافروں سے انتقام کے لیے پکارا۔

۳۵ (اور کافروں کو غرق کردیا)

الکرب العظیم سے مراد ہے کافروں کی تکذیب وایذا سے پیش آنے والا غم ــــــ قصۂ نوح علیہ السلام پر حاشیے کئی بار گزر چکے ہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ طبعی غم کمال کے منافی نہیں، اقتضاءاتِ طبعی کاملین میں بھی باقی رہتے ہیں، اور اس کے خلاف جو کچھ منقول ہے، وہ غلبۂ حال ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۳۸۲)

۳۶ چنانچہ آج تک ملائکہ ومومنین ان پر سلام بھیجتے اور ان کے حق میں رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾

ہم مخلصین کو (ایسا ہی) صلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں تھے

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ

پھر ہم نے ڈبو دیا اوروں کو ۳۷ اور ان کے طریقہ والوں میں ابراہیم بھی تھے ۳۸ (ان کا قصہ یاد کیجیے) جب وہ اپنے پروردگار کی طرف

بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾

قلب سلیم کے ساتھ متوجہ ہوئے ۳۹ جب کہ انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس (واہیات) چیز کی عبادت کرتے ہو

وجعلنا......هم البقين۔ چنانچہ آج دنیا میں جتنی بھی آبادی ہے، سب حضرت نوحؑ ہی کی نسل ہے۔

۳۷ یعنی دوسرے کیش اور مذہب والوں کو، مشرکوں کو۔

أی المغايرين لنوح عليه السلام وأهله وهم كفار قومه أجمعين. (روح، ج۲۳/ ص:۹۹)

ثم یہاں تراخی ذکری کے لیے ہے، ورنہ زمانی اعتبار سے جعلنا ذريته هم البقين اور أغرقنا الآخرين دونوں فعلوں کا وقوع ساتھ ہی ساتھ ہوا تھا۔

ثم للتراخی الذکری. (روح، ج۲۳/ص:۹۹)

إنا......المحسنين سے یہ لازم نہیں آتا کہ تشبیہ تمام امور میں ہے، بلکہ معنی یہ ہیں کہ محسنین کو جزائے حُسن دیا کرتے ہیں، اب جس مرتبہ کا ''احسان'' اُسی مرتبہ کی جزا، پس انبیاء وغیر انبیاء میں تساوی لازم نہیں آتی۔ (تھانوی، ج۲/ص:۳۸۳)

۳۸ یعنی انھیں کے خاندان میں سے اور عقائد واصول میں ان سے متحد۔

أی ممن شايعه فی الإيمان وأصول الشريعة. (بيضاوی، ج۵/ص:۷)

أی من أهل بيته وعلى أمته ومنهاجه. (كبير، ج۲۶/ص:۱۲۷)

أی ممن شايعه على أصول الدين أو شايعه على التلصب فی دين الله. (مدارك، ص:۱۰۰۴)

ابراهیمؑ۔ ذکر بارہا آچکا ہے اور آپ پر ایک نوٹ سورۃ البقرہ میں بھی گزر چکا ہے، حاشیہ نمبر ۴۴۳

۳۹ یعنی جس دل میں عقیدۂ توحید خالص واخلاص کامل تھا، اس کے ساتھ۔

أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾

کیا گڑھے ہوئے معبود اللہ کے سوا (معبود بنانا) چاہتے ہو؟ تو تمھارا پروردگار عالم سے متعلق کیا خیال ہے؟ ۴۰ؔ

فیدخل فیه کونه سلیماً عن الشرك وعن الشك وعن الغل والغش والحقد والحسد. (کبیر، ج۲۶/ص:۱۲۷)

أی سالم من جمیع الآفات کفساد العقائد والنیات السیئة والصفات القبیحة. (روح، ج۲۳/ص:۱۰۰)

قلب سلیم انسان کے لیے بڑی دولت ہے، ابراہیم خلیل علیہ السلام نبی جلیل تھے، ان کا قلب سلیم ان کے مرتبۂ نبوت وخلّت کے لائق تھا، عام انسان کا خود اس کے معیار سے ہونا چاہیے۔

۴۰ؔ (جو سورج اور چاند اور ستاروں اور تمھارے سارے بڑے بڑے "دیوتاؤں" کا خالق ہے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اب توحید کی تبلیغ شروع کرتے ہیں۔ آپ کے قلب کی یہ سلیمی تو تھی ہی جو آپ نے مشرک ملک وخاندان کے ماحول میں بھی خدائے واحد اللہ رب العالمین کو پہچان لیا۔

لأبیه۔ آپ کے والد کا نام آزر تھا۔ ان کی بت پرستی وبت تراشی پر حاشیے پہلے گزر چکے۔

أئفکا......اللّٰه۔ اللہ کے سوا جو کوئی بھی "خدا" ہوگا وہ ہمیشہ حقیقت کے خلاف دل سے گڑھا ہوا تو اللہ ہی ہوگا۔

وقومه۔ آپ کی یہ قوم بابل یا کلدانیہ میں سکونت گزیں، ستارہ پرستی اور بت پرستی کے دُہرے دُہرے شرک میں مبتلا تھی۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

ملک کا دارالحکومت شہر اُور (UR) تھا، جہاں کا سب سے بڑا دیوتا چاند تھا، یہ شہر ایک بڑا تجارتی، صنعتی مرکز تھا، اور اپنے زمانے کی سُمیری تہذیب وتمدن کا بڑا نمایندہ۔ شہر کے فنکار علاوہ اور فنون کے مٹی کے برتن بنانے میں خاص طور پر نام آور تھے، شہر ایک پہاڑی تل المقیر پر جنوبی عراق میں موجودہ بغداد کے جنوب مغرب میں اس سے ۲۳۰ میل دور دریائے فرات کی ایک شاخ کے کنارے واقع تھا، شہر والوں کا معیار زندگی خاصا اونچا تھا، سُمیری تہذیب کے مٹ جانے کے بعد پھر ملک میں مجوسی مذہب پھیلا۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِى النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّىْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾

پھر ابراہیم نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کے دیکھا، اور کہہ دیا کہ میں مضمحل ہوں، غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے ۴۱

رب العالمین۔ پیمبروں کی دعوت بجائے کسی قومی، نسلی، وطنی، علاقائی خدا کے ہمیشہ پروردگار عالم، خالق کُل ہی کی جانب رہی ہے۔

۴۱ اب صورت واقعہ یہ ہے کہ قوم کے سالانہ میلہ کا وقت آگیا ہے (جاہلی قوموں میں میلوں ٹھیلوں کی جو اہمیت ہوتی ہے، وہ ظاہر ہے) اور لوگ آپ کو اپنا ہم عقیدہ سمجھ کر آپ سے بھی ہمراہ چلنے کو کہتے ہیں، آپ عذر کر دیتے ہیں۔ یہ بیان اسی موقع کا ہے۔

نظر نظرة في النجوم۔ گھڑی کی ایجاد سے قبل وقت وغیرہ کے علم کے لیے نظر قدرۃً رات کے وقت ستاروں کی طرف اٹھا کرتی تھی، جیسا کہ آج بھی ان ملکوں میں دستور ہے، جہاں گھڑیاں ابھی نہیں پہنچی ہیں۔ اور پھر اہل کلدانیہ (بابل) تو فن نجوم، جوتش وغیرہ کے پرستاروں میں فال وغیرہ کے کتنے احکام تاروں ہی سے لیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی، اور وہ لوگ اپنی حسب عادت یہ سمجھے کہ یہ ستاروں کی مدد سے اپنا مستقبل دریافت کر رہے ہیں۔

فقال إني سقيم۔ آپ نے بطور عذر فرمایا کہ میں تو مضمحل ہوں، اس لیے تمھارا ساتھ دینے سے معذور۔

یہاں ایک مشہور سوال یہ چلا آرہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو مریض نہ تھے، پھر کیسے اپنے کو مریض ظاہر کر دیا؟ جوابات اس کے مختلف اور متعدد دیے گئے ہیں، لیکن ایک سوال نفسِ سوال ہی پر پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ آپ کا مریض نہ ہونا کہاں سے فرض کر لیا گیا ہے! قرآن مجید میں تو اس کی صراحت کیا معنی، اشارہ بھی نہیں اور نہ کسی معتبر روایت میں یہ ذکر ہے۔ بالکل آسانی سے ممکن ہے کہ آپ مریض ہوں اور اس حال کا اظہار بھی آپ نے کر دیا۔ صرف ستاروں پر نظر کرنے کا جزا لگ تھا، اور وہ اس مصلحت سے تھا کہ ستارہ پرست قوم کو مزید سوالات کا موقع نہ رہے۔

پھر سقیم کے معنی بھی مریض کیوں فرض کر لیے گئے؟ اور اس کا اردو ترجمہ "بیمار" سے کرنا کیوں لازم آگیا؟ سقیم کا اطلاق ہر مضمحل پر ہوتا ہے۔ جیسے خود قرآن مجید ہی میں، بلکہ اس کی اسی

فَرَاغَ اِلٰٓی اٰلِهَتِهِمۡ فَقَالَ اَلَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمۡ لَا تَنۡطِقُوۡنَ ﴿۹۲﴾

تو یہ ان کے ٹھاکروں میں جا گھسے اور کہنے لگے: کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تمھیں کیا ہوا، تم بولتے ہی نہیں ہو؟ ۴۲

فَرَاغَ عَلَيۡهِمۡ ضَرۡبًا ۢ بِالۡيَمِيۡنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقۡبَلُوۡۤا اِلَيۡهِ

پھران پر قوت کے ساتھ جاپڑے اور مارنے لگے ۴۳ پھر وہ لوگ ان کے پاس

سورت میں آگے چل کر آ رہا ہے۔ فنبذناه بالعراء وهو سقيم (آیت نمبر ۱۴۵) جہاں کوئی اس کے معنی ''بیمار'' کے نہیں لیتا۔

اور پھر جیسا کہ علامہ راغب نے لکھا ہے، بیماری کا تعلق ماضی سے بھی ہوسکتا ہے اور مستقبل سے بھی، اور حال سے بھی۔ اور صحت کامل تو کسی کی بھی نہیں ہوتی، کچھ نہ کچھ بیمار تو تقریباً ہر شخص رہتا ہی ہے۔ (راغب، ص: ۲۶۴)

إني سقيم کے معنی لیے گئے ہیں، ''بیمار ہونے کو ہوں'' یا ''بیمار ہونے کے قریب ہوں''۔

أى مشارف للسقم. (كشاف، ج٤/ص:٤٧)

أى سأسقم. (مدارك، ص:١٠٠٥)

أى يشارف السقم. (بحر، ج٧/ص:٣٦٦)

أراد أنه سيسقم. (روح، ج٢٣/ص:١٠١)

۴۲ حضرت ابراہیمؑ کی یہ ساری گفتگو ظاہر ہے کہ بطور تعریض کے ہے۔

آلهتهم۔ مشرکین ہند اپنے دیوی دیوتاؤں کو ''ٹھاکر'' بھی کہتے ہیں۔

ألا تاكلون۔ مورتیوں پر ان کے پجاری بڑے بڑے چڑھاوے چڑھاتے رہتے ہیں۔ آپؑ کا اشارہ انھیں کی جانب ہے۔

۴۳ (جس سے وہ مورتیاں ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئیں)

ضرباً باليمين۔ یعنی بڑی شدت وقوت کے ساتھ۔

وتقييد الضرب باليمين للدلالة علىٰ شدته وقوته. (روح، ج٢٣/ص:١٢٣)

أى ضرباً شديداً قوياً. (كشاف، ج٤/ص:٤٨)

يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ

دوڑتے آئے ۴۴ (ابراہیم نے) کہا: کیا تم ان چیزوں کی پرستش کرتے ہو جنھیں (خود ہی) تراشتے ہو؟ ۴۵ حالانکہ تم کو

وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور جو کچھ تم بناتے ہو (سب کو) اللہ ہی نے پیدا کیا ہے ۴۶

۴۴ اس کی خبر آپ کے ہم قوموں کو ہوتی ہے، اور وہ اب دوڑے گھبرائے ہوئے اور غصے میں بھرے ہوئے آتے ہیں۔

۴۵ (اور خدا اسے تسلیم کرتے ہو، جو خود تمھارا پیدا کیا ہوا اور تراشیدہ ہے!)
یہ گفتگو مورتی پوجا کی مزید تشنیع کے لیے ہے۔

۴۶ (اور مستحق عبادت صرف وہی ہے)
متکلمین اہلِ سنت نے کہا ہے کہ یہ آیت اس باب میں نص ہے کہ انسان ہی کا نہیں بلکہ اس کے اعمال وافعال کا خالق بھی حق تعالیٰ ہی ہے۔ اور یہ آیت صاف تردید کررہی ہے مسلک اہل اعتزال کی، جو اعمال کو غیر مخلوق سمجھتے ہیں۔

احتج جمهور الأصحاب على أن فعل العبد مخلوق للّٰه تعالىٰ. (كبير، ج۲۶/ص:۱۳۰)

وهو دليلنا في خلق الأفعال أي اللّٰه خالقكم وخالق أعمالكم. (مدارك، ص:۱۰۰۵)

وفيه دليل على أن أفعال العباد مخلوقة للّٰه تعالىٰ. (معالم، ج٤/ص:٣٥)

ماتعملون میں ما مصدریہ لیا گیا ہے۔ اس لیے وما تعملون کے معنی وعملکم کے ہوئے، اور تقدیر کلام یہ ہوئی:

واللّٰه خلقكم وخلق عملكم. (مدارك، ص:۱۰۰۵)

اور دوسری ترکیب میں موصولہ مان کر الذی کا مرادف سمجھا گیا ہے، حاصل دونوں ترکیبوں کا ایک ہی ہے۔

مامصدرية أي وخلق أعمالكم. (مدارك، ص:۱۰۰۵)

يحتمل أن تكون ما مصدرية...... ويحتمل أن تكون بمعنى الذى، تقديره واللّٰه خلقكم والذى تعملونه، وكلا القولين متلازم. (ابن كثير، ج٤/ص:۱۳)

قَالُوا ابْنُوا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِى الْجَحِيْمِ ۝٩٧ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا

وہ لوگ بولے، اس کے لیے ایک آتشکدہ تعمیر کرو اور اس دہکتی ہوئی آگ میں اسے ڈال دو، غرض ان لوگوں نے اس کے ساتھ چال چلنا چاہی

فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۝٩٨ وَقَالَ اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ۝٩٩

سو ہم نے انھیں کو نیچا دکھادیا ۴۷ اور (ابراہیم نے) کہا میں اپنے پروردگار کی طرف چلا جاتا ہوں، سو وہ مجھے پہنچا ہی دے گا ۴۸

رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١٠٠ فَبَشَّرْنٰهُ

اے میرے پروردگار! مجھے ایک صالح (فرزند) دے، سو ہم نے انھیں ایک

وما موصولة. (روح، ج۲۳/ص:۱۲٤)

صاحب بحر نے لکھا ہے کہ ما کو مصدری معنی میں لینا طریق بلاغت کے خلاف ہے۔

(بحر، ج۷/ص:۳٦۷)

۴۷ اس قصے پر حاشیے سورۃ الانبیاء (رکوع ۵) میں گزر چکے۔

بنیاناً۔ بنیان کے لفظی معنی عمارت کے ہیں، یہاں مراد آگ کی بھٹی ہے۔

أی موضع ایقاد النار. (بحر، ج۷/ص:۳٦۷)

حائطا توقدون فیه النار. (روح، ج۲۳/ص:۱۲٦)

به۔ ضمیر ہ کا ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہونا ظاہر ہی ہے۔

جعلنٰهم۔ ضمیر ھم سے مراد قوم ابراہیم علیہم السلام والے ہیں، بادشاہ وقت اور اس کے امراء۔

۴۸ (منزل مقصود تک)

إلی ربّی۔ یعنی اپنے پروردگار کی راہ میں کسی طرف اس کے حکم کے مطابق۔

أی إلی موضع أمرنی بالذهاب إلیه. (مدارك، ص:۱۰۰۵)

إلی حیث أمره بالمهاجرة إلیه. (کشاف، ج٤/ص:۵۰)

مراد ملک شام ہے۔ جو آپ کے وطن عراق سے شمال و مغرب میں واقع تھا۔

سیهدین میں س تاکید وقوع کے معنی میں ہے۔

والسین لتأکید الوقوع فی المستقبل. (روح ج۲۳/ص:۱۲٦)

بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيْٓ أَرٰى فِي الْمَنَامِ

حلیم المزاج لڑکے کی بشارت دی ۴۹ سو جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو انھوں نے کہا بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے

أَنِّيْٓ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۚ قَالَ يٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِيْٓ

کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں، سو تم بھی سوچ لو تمھاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے: ابا جان! آپ کر ڈالئے جو کچھ آپ کو حکم ملا ہے، آپ

إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّآ أَسْلَمَا

ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے ۵۰ پھر جب دونوں نے حکم کو تسلیم کر لیا

۴۹ مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔

حلیم۔ لڑکے کے لیے یہ صفت حلم مزاجی کی تصریح یہود و نصاریٰ کے رد میں ہے، جو آپؑ کو آج تک تند مزاج، بدخو مشہور کیے ہوئے ہیں۔

رب ھب لی من الصلحین۔ فرزند صالح کی دعا مانگتے رہنا کسی کمال روحانی کے منافی ہونا الگ رہا، عین سنت انبیاء رہا ہے۔

۵۰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جب سیانے ہو کر باپ کا ہاتھ بٹانے کے قابل ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عالم رؤیا میں دیکھا کہ آپؑ ان کو ذبح کر رہے ہیں۔ حضراتِ انبیاء کا خواب بھی وحی ہی کی ایک قسم ہوتا ہے۔ آپؑ اسے امر الٰہی سمجھے، اور تعمیل پر آمادہ ہو گئے۔ یہ گفتگو اسی وقت کی ہے۔ قصے کی تفصیلات احادیث نبوی میں آئی ہیں۔

فانظر ماذا ترىٰ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپؑ تعمیل ارشاد میں صاحبزادے کی تائید کے محتاج تھے ـــــ آپ کا خیال ہوگا کہ لڑکا بھی اگر اس کی تائید کر دے، تو دل اور قوی ہو جائے گا، اور اگر اسے تائید میں تامل ہوا تو مزید گفتگو کر کے اسے آمادہ کر دیا جائے گا۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۸۵)

افعل ماتؤمر۔ اس فقرے نے اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا کہ آپؑ کو ذبح اسمٰعیلؑ کے لیے حکم ملا تھا، اور آپ اس پر مامور تھے۔

ظاهره يدل علىٰ أنه كان مأموراً بذبحه ...... قد اقتضى الأمر قوله (افعل ما تؤمر). (جصاص، ج ۳/ص: ٤٦٤)

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿١٠٣﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا

اور (باپ نے بیٹے کو) کروٹ پر لٹادیا ۵۱ اور ہم نے انھیں آواز دی کہ اے ابراہیمؑ تم نے خواب کو خوب سچ کردکھایا ۵۲ (وہ وقت بھی عجیب تھا)

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٠٥﴾

ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ۵۳

إنی أری فی المنام۔ محققین نے اس ذیل میں لکھا ہے کہ نبی کا خواب حجت ہے۔

ورؤیا الأنبیاء وحی کالوحی فی الیقظة. (مدارک،ص:۱۰۰۶)

رؤیا الأنبیاء وحی کالیقظة (بحر،ج۷/ص:۳۶۸)

اس پر غیر نبی کے خواب کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

فلما بلغ معه السعی۔ یعنی جب آپؑ اپنے والد کے ساتھ دوڑنے دھوپنے کے قابل ہوگئے۔

أی بلغ أن یسعی مع أبیه فی أشغاله وحوائجه (کشاف،ج٤/ص:٥١۔ مدارک،ص:١٠٠٦)

۵۱ (جیسا کہ ذبح کے وقت جانور کو لٹاتے ہیں، اور گلے پر چھری پھیرا ہی چاہتے تھے)

أسلما۔ یعنی دونوں خوشی خوشی حکم الٰہی کی تعمیل پر آمادہ ہوگئے ـــــ باپ بیٹے کو ذبح کرنے پر، اور بیٹا اپنے کو ذبح کرانے پر۔

انسانی قربانی کا رواج اب تک بھی بعض باطل مذہبوں میں قائم ہے، اور اس زمانے میں تو یہ رواج عام تھا۔

۵۲ یعنی خواب میں جو حکم ملا، اس پر اپنی طرف سے تو پورا عمل کر ہی گزرے۔ اب ہم اس حکم کو منسوخ کرتے ہیں۔

محققین نے لکھا ہے کہ عزم فعل پر جب کہ وہ من وجہ فعل سے موید ہو، اجر کامل مل سکتا ہے، یہ تکمیل اجر اتمام فعل پر موقوف نہیں۔

۵۳ کہ انھیں راحت کونین سے مالا مال کردیتے ہیں۔

محسنین کا ترجمہ جیسا کہ سورۃ النحل کے خاتمہ کے قریب کے حاشیہ میں ذکر آچکا ہے ''حسن کار'' سب سے بہتر ہے، لیکن یہاں قرینۂ عام سے ''مخلص'' انسب نظر آیا۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾

بے شک یہ تھا بھی کھلا ہوا امتحان ۵۴ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا ۵۵

اکابر اہل سنت نے (بخلاف معتزلہ کے) اس آیت اور واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ بالکل جائز ہے کہ کوئی حکم نازل ہو اور قبل اس کے کہ اس پر عمل ہو، وہ منسوخ کر دیا جائے۔

وقد استدل بهٰذه الآية والقصة جماعة من علماء الأصول علىٰ صحة النسخ قبل التمكن من الفعل خلافاً لطائفة من المعتزلة والدلالة من هٰذه ظاهرة. (ابن کثیر، ج ۴/ص: ۱۵)

۵۴ (جسے بجز مخلص کامل کے کوئی دوسرا برداشت نہیں کر سکتا تھا)

خواب میں حکم ہونے کی شاید یہ حکمت ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کا انقیاد زیادہ ظاہر ہوا کہ خواب کو خیال نہیں سمجھا، اتنے بڑے کام پر آمادہ ہو گئے"۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۳۸۶)

عجب نہیں کہ عالم معاملہ میں واقعہ کچھ اس طرح کا پیش آیا ہو کہ حضرت حق سے سوال حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ ہوا ہو کہ "بھلا ہماری محبت سے بڑھ کر بھی کسی کی رکھتے ہو؟ محبت طبعی تو سب سے بڑھ کر اولاد ہی کی ہوتی ہے تو اس جیسی اولاد کو بھی ہماری خاطر ذبح کر ڈالنے پر آمادہ ہوا"۔

۵۵ عظیم۔ یہاں بمعنی عظیم القدر ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ یہ ایک دنبہ تھا، جو جنت سے آیا تھا۔ اس پر یہ شبہ نہ ہو کہ جنت کی چیز نے فنا کیسے قبول کر لی۔ جب وہ ناسوت میں لایا گیا تو تاثیرات وخصوصیات بھی یہیں کی پیدا ہو گئیں، اور ہو سکتا ہے کہ یہ جنت میں شروع سے اسی غرض مخصوص کے لیے رکھا گیا ہو۔

فقہاء نے یہاں یہ سوال پیدا کیا ہے کہ آیا ذبح ولد کی نذر ماننا اور اس کا ایفاء بکری کے ذبح سے کرنا جائز ہے؟ اور پھر جواب دیا ہے کہ آیت کو نذر سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو محض امتثال امر تھا، نہ کہ ایفائے نذر۔

لڑکے کے ذبح کرنے کی نذر بہر صورت اور بالاتفاق ناجائز ہے، لیکن اگر کوئی بے عقل ایسی نذر مان لے تو امام مالکؒ کے نزدیک اس کے بدلے بکری قربان کر دے۔ لیکن امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ یہ سرے سے معصیت ہے، جس پر اسے استغفار کرنا چاہیے۔ (ابن العربی، ج ۴/ص: ۳۳)

حنفیہ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہے کہ بکری کی قربانی دینی چاہیے کہ یہ شریعت

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى إِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠٩﴾ كَذٰلِكَ

اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی۔ کہ ابراہیم پر سلام ہو، ہم مخلصین کو

نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِإِسْحٰقَ

ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ۵۶ بے شک وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں تھے ۵۷ اور ہم نے انھیں بشارت دی اسحٰق کی

ابراہیمی سے ثابت ہے، اور اس کا نسخ منقول نہیں۔

قال أبو حنيفة ومحمد: عليه ذبح شاة وظاهر الآية يدل علىٰ قول أبي حنيفة.

(جصاص، ج ٣/ص: ٤٦٤)

لیکن امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ ایسی نذر ہی سرے سے باطل ہے، اس لیے اس کا کچھ کفارہ اور بدلہ بھی نہیں۔

وقال أبو يوسف لاشيئ عليه. (جصاص، ج ٣/ص: ٤٦٤)

۵۶ (کہ انھیں مورد انعام وبشارت بنا دیتے ہیں)

سلٰم علی ابراھیم۔ ابراہیم علیہ السلام کو جو برکت اور سلامتی حاصل ہوئی، اسی سے ظاہر ہے کہ دنیا کے تین تین بڑے مذاہب (اسلام، یہودیت ونصرانیت) انھیں آج تک اپنا پیشوائے عظیم مانتے چلے آرہے ہیں۔

۵۷ (توحید کامل کے علمبردار، عبدیت کامل کے مظہر)

یہ موقع ابراہیم خلیل علیہ السلام کی انتہائی مدح وثنا کا ہے، اس موقع پر بھی کیا ارشاد ہوتا ہے؟ یہ کہ وہ ہمارے بڑے اچھے بندے تھے! ــــــــ مشرک وجاہلی قوموں کو یاد دلایا کہ کہیں انھیں خدائی کے مرتبہ پر نہ پہنچا دینا، اور ان کے نام کو برہما وغیرہ کی شکل میں بدل کر کہیں انھیں دیوتا نہ بنا لینا! اللہ اللہ کس درجہ اہتمام توحید ہے!

من عبادنا المؤمنين۔ صیغۂ جمع کا اہتمام کر کے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ مومن اکیلے ابراہیمؑ ہی نہ تھے، اور بھی متعدد بندے مومن ہوئے ہیں۔

نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا

کہ نبی اور نیک بندوں میں ہوں گے ۵۸ اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحٰق پر برکتیں نازل کیں ۵۹ اور ان کی اور ان کی نسل میں

مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ ۳ ع ۷ ۴۹

بعض اچھے بھی ہیں اور بعض صریحاً اپنے اوپر ظلم کررہے ہیں ۶۰ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا

وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ

اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم سے نجات دی ۶۱ اور ہم نے ان سب کی مدد کی

۵۸ یہ بنی اسمٰعیل کو خاص طور پر سنایا جارہا ہے کہ کہیں بنی اسرائیل کے طنز وطعن اسمٰعیل نبی علیہ السلام اور بنی اسمٰعیل کے خلاف سنتے سنتے جواب میں یہ بھی حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نبوت وجلالت قدر سے انکار نہ کر بیٹھیں۔

الصّٰلحین۔ اسرائیلیوں کے ہاں نبی کے لیے ''صالح'' ہونا لازمی نہ تھا، کاہن کی طرح صرف غیب بیں، غیب داں ہونا کافی تھا، قرآن اسی لیے بار بار انبیاء کے وصف صالحیت کو نمایاں کرتا رہتا ہے۔

اسحٰق پر حاشیہ پہلے گزر چکا۔

۵۹ (کہ ان دونوں کی نسل سے بکثرت انبیاء پیدا کیے)

انبیائے بنی اسرائیل ظاہر ہے کہ سب کے سب حضرت اسحٰقؑ ہی کی اولاد میں سے تھے۔

۶۰ (یہاں تک کہ ایمان سے محروم ہیں)

ایسے لوگوں کے لیے پیمبر زادگی ہرگز کام نہیں آسکتی۔

ذریتھما کے صیغۂ تثنیہ سے اشارہ ادھر بھی ہوگیا کہ نسل ابراہیمی علاوہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے کسی اور واسطے سے بھی چلے گی۔

محسن......مبین۔ یہاں بتادیا کہ نسل آدم کی طرح نسل ابراہیمی ونسل اسحٰقی میں بھی اچھے اور برے، کافر اور مومن دونوں طرح کے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔

۶۱ یعنی ظالم ومشرک حکومت کے پنجہ سے رہائی دی۔

الکرب العظیم۔ وصف ظالم وناخدا ترس حکومت کا بیان ہوا ہے۔

فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا

سو یہی لوگ غالب رہے ۶۲ اور ہم نے ان دونوں کو ایک واضح کتاب دی اور ہم نے انھیں

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى

سیدھے راستے پر قائم رکھا ۶۳ اور ہم نے ان دونوں کے لیے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی، موسیٰ اور ہارون پر

وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

سلام ہو، ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ۶۴ بے شک وہ دونوں ہمارے (کامل) ایمان والے بندوں میں تھے ۶۵

ولقد......ھارون۔ یعنی انھیں نبوت اور دوسرے کمالات سے مشرف کیا۔

۶۲ (اور فرعون بایں صولت وشوکت ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا، اور آخر خود ہی غرق ہو کر رہا)

۶۳ (یہاں تک کہ وصف نبوت وعصمت معاصی سے ممتاز کیا، جو ہدایت واستقامت کا بلند ترین مرتبہ ہے)

اس میں، رد آ گیا یہود ونصاریٰ کا جو ہارون علیہ السلام کو بہت سے امور میں ضلالت وخطا پر سمجھتے ہیں، چنانچہ موجودہ توریت میں گوسالہ پرستی تک ان سے منسوب کر دی گئی ہے!

آتینھما الکتب المستبین۔ توریت موسیٰ علیہ السلام کو تو اصالۃً اور براہِ راست عطا ہوئی تھی، شریک رسالت حضرت ہارونؑ بھی تھے، اس لیے تبعاً وبالواسطہ توریت ان کی جانب بھی منسوب کی جا سکتی ہے۔

۶۴ (کہ ان کو مورد دعا ومستحق ثنا بنا دیتے ہیں)

موسیٰ وہارون علیہما السلام کی زندگیاں آج بھی لاکھوں انسانوں کے لیے شمع ہدایت بنی ہوئی ہیں۔

۶۵ (اس لیے صلہ بھی کامل عطا ہوا)

قرآن مجید نے پیمبروں کے ذکر میں جو بار بار اس قسم کی تصریحات کی ہیں، ان کے مقصد دو ہیں: ایک تو پیمبروں کی مدح، ان کا مستحق دعا وثنا ہونا، ان کا قابل تقلید ہونا، اہل کتاب کی بدگوئی اور اتہام تراشیوں سے ان کو محفوظ رکھنا، اور ان کی طرف سے صفائی۔ ورنہ توریت موجودہ میں تو پیمبروں کی وہ بُری گت بنائی گئی ہے کہ اخلاقی ودینی، عملی واعتقادی کبائر میں سے شاید ہی کوئی ایسا

وَاِنَّ اِلۡيَاسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾

اور الیاس بھی پیمبروں میں سے تھے ٦٦ (اس وقت کا ذکر کیجئے) جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم (اللہ) سے ڈرتے نہیں ہو؟

اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلًا وَّتَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِيۡنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمۡ

کیا تم بعل کو پکارا کرتے ہو اور اُسے چھوڑے ہوئے ہو جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے ٦٧ اللہ ہی تمھارا بھی پروردگار ہے

[فعل] ہو جو اُن کی جانب منسوب نہ کر دیا گیا ہو، یہاں تک کہ (نعوذ باللہ) کفر و شرک بھی!

دوسری غرض اس کے بالمقابل یہ بھی رہی ہے کہ انھیں ان کے مرتبہ سے زیادہ نہ بڑھایا جائے، انھیں ہر حال میں بندہ ہی سمجھا جائے، اور الوہیت کا کوئی جز بھی شامل نہ ہونا چاہیے۔

٦٦ الیاس علیہ السلام ایک مشہور اسرائیلی نبی گزرے ہیں۔ توریت میں ان کا نام ایلیاہ (Elijah) آیا ہے اور وہ بادشاہ اخی اب (Ahab) کے ہم عصر ہوئے ہیں، جو اسرائیل کی شمالی مملکت کا فرماں روا تھا۔ اس بادشاہ کا زمانہ ۸۷۶ تا ۸۵۳ ق۔م ہوا ہے۔ توریت میں الیاس علیہ السلام کے کرامات و معجزات کا ذکر کتاب سلاطین حصہ اول و دوم دونوں میں ملتا ہے۔ اور ۲۔ تواریخ ۲۱ میں بھی آپ کا ذکر موجود ہے۔ یہودی عقیدہ ہے کہ آپ حضرت ادریسؑ کی طرح آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے۔ یہ قصہ ۲۔ سلاطین باب دوم میں یوں شروع ہوتا ہے:۔

''اور یوں ہوا کہ جب خداوند نے چاہا کہ ایلیاہ کو بگولے میں اڑا کر آسمان پر لے جاوے، تب ایلیاہ، الیسع جلجال سے چلا''۔

اور باب میں یہ قصہ دور تک چلا گیا ہے۔

٦٧ احسن الخالقین کا لفظ لا کر حق تعالیٰ کے اس صفاتی پہلو پر بھی توجہ دلا دی گئی ہے کہ چھوڑے ہوئے بھی ہو تو کس کو؟ اس کو جو تمھارا پروردگار، تمھارا خالق ہے! اور خالق بھی کیسا؟ ہر اعتبار سے اشرف و احسن، اکمل و اجمل! ـــــــ صفت تخلیق و خلاّقی کا تعلق تو صرف ذات باری و خدائے واحد سے ہے۔ لفظ ''اَحسن'' لا کر اُس کے وصف کمال کے ساتھ وصف جمال کا بھی اضافہ کر دیا ہے۔

بعل فینقی (فونیشین) یا لبنانی اور کنعانی قوموں کے سب سے بڑے دیوتا کا نام تھا۔ اسرائیلی بادشاہ اخی اب نے جب غیر قوموں میں شادیاں کیں، تو ان میں سے کوئی بیوی اپنے ہمراہ بعل

وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَاللّٰهِ

اور تمھارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار، سوان لوگوں نے انھیں جھٹلایا، پس وہ لوگ پکڑے جائیں گے ۶۸ مگر ہاں جو اللہ کے خاص

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

کیے ہوئے بندے تھے (وہ ثواب داتر میں ہوں گے) اور ہم نے الیاس کے لیے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی۔ کہ سلام ہو الیاسین پر

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

بے شک ہم مخلصوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ۶۹

پرستی بھی شاہی محل میں لے آئی، اور شاہی محل سے رفتہ رفتہ ساری اسرائیلی قوم میں سرایت کرگئی۔

عہد نامہ عتیق میں ہے:

''اور وہ خداوند کو چھوڑ کو بعل اور عشارات کی پرستش کرنے لگے''۔ (قاضیون۔۲:۱۳)

عشارات یا یسیرات اس مذکر دیوتا کی مؤنث دیوی کا نام تھا۔ بعل کی مورتی لنگ کی شکل میں تھی، اور پتھر سے بنے ہوئے لمبے اور اونچے لنگ اسی بعل پرستی کے لیے تھے، بعل خصوصی دیوتا بارش اور زراعت کا تھا، اور بعض دوسری مشرک قوموں کے سورج دیوتا کا قائم مقام تھا۔

انبیائے اسرائیلی میں سے چند نے اس نئے شرک کا مقابلہ پورے زور وقوت کے ساتھ کیا، اور ان میں ممتاز نام حضرت الیاس نبی علیہ السلام کا ہے ــــــــــ بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعل نام سب سے بڑی دیوی کا تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم فلسطین کے مغربی وسطی علاقہ سامرہ (Samaria) میں آباد تھی، اور وہیں بعل کی پوجا زور شور سے جاری تھی۔

۶۸ (عذاب آخرت میں اپنے اس جھٹلانے کی پاداش میں)

اللّٰہ......الأولین۔ ''اللہ'' کوئی گڑھا ہوا تو معلوم ونو دریافت دیوتا تھوڑے ہی ہے، وہ معبود حقیقی تو ازل سے چلا آرہا ہے۔ وہی ایک رب تمھارا بھی ہے، اور تمھارے اگلوں کا بھی ہمیشہ سے رہا ہے۔

۶۹ (کہ انھیں مستحق اجر ومورد دعا وثنا بنا دیا)

چنانچہ نہ صرف مسلمان بلکہ اہل کتاب بھی ان کی عزت وثنا آج تک کر رہے ہیں۔

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣٢﴾ وَإِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٣﴾ إِذْ نَجَّيْنَٰهُ

بے شک وہ ہمارے (کامل) مومن بندوں میں سے تھے ۶۹الف اور بے شک لوطؑ بھی پیمبروں میں ہوئے ہیں (وہ وقت یاد کیجیے) جب ہم نے انھیں

وَأَهْلَهُۥٓ أَجْمَعِينَ ﴿١٣٤﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَٰبِرِينَ ﴿١٣٥﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٣٦﴾

اور ان کے گھر والوں سب کو نجات دی تھی، بجز ایک بوڑھی کے (کہ) وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی ۷۰ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر مارا

وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ ﴿١٣٧﴾ وَبِالَّيْلِ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٣٨﴾ ع ۴ ۵

اور تم ان پر صبح وشام گزرا کرتے ہو تو کیا پھر بھی عقل سے کام نہیں لیتے؟ ۷۱

وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٩﴾ إِذْ أَبَقَ

اور بے شک یونسؑ پیمبروں میں تھے ۷۲ (اس وقت کا قصہ یاد کیجیے) جب وہ بھاگ کر

المحسنین۔ محسنین کے لیے حاشیہ نمبر ۵۳ ملاحظہ ہو۔

الیاسین۔ لفظ الیاس ہی کا یہ دوسرا تلفظ ہے۔ اور الیاس علیہ السلام پر حاشیہ گزر چکا۔

إلا ...... المخلصین اور یہ بندگانِ مخلص وہی تھے جو الیاس نبی اللہ اور دوسرے انبیاء کی تکذیب سے محفوظ رہے تھے۔

۶۹ (الف) قرآن مجید کے اس انداز بیان کو خاص طور پر ذہن میں رکھ لیا جائے کہ وہ کسی نبی کے بھی مدح خاص کے موقع پر بس اتنا ہی کہتا ہے کہ وہ ہمارا ایک بندۂ مومن تھا! نہ شریک، نہ بروز، نہ فرزند، بلکہ صرف بندۂ مومن! انتہائی مدح بس اسی میں آ گئی۔

۷۰ (اور وہ آپؑ کی کافر بیوی تھی)

حضرت لوطؑ اور قوم لوطؑ پر حاشیے کئی بار گزر چکے، خصوصاً سورۃ الاعراف (رکوع ۱۰) میں۔

۷۱ (کہ کفر و عدوان کا آخری انجام کیا ہوتا ہے)

الآخرین۔ یعنی لوطؑ و اہل لوط کے علاوہ اور جو لوگ تھے۔

إنکم۔ خطاب خصوصی قریش مکہ سے ہے، جن کے تجارتی قافلے ملک شام کو جاتے ہوئے برابر شرق اردن کے علاقوں سے گزرتے رہتے تھے۔

۷۲ یونس علیہ السلام اور آپ کے قصے پر حاشیے بھی گزر چکے، خصوصاً سورۂ یونس

اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١٤٠﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿١٤١﴾

بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے ۴۳ے پھر وہ بھی شریک قرعہ ہوئے تو وہ مجرم قرار پائے ۴۴ے

(رکوع ۱۰) سورۃ الانعام (رکوع ۱۰) اور سورۃ النساء (رکوع ۲۳) میں اور سورۃ الانبیاء (رکوع ۶) میں۔

۴۳ے (اور اس مسافروں اور سامان سے لدی ہوئی کشتی میں سوار ہو گئے)

آپؑ نے اپنی نافرمان اور سرکش قوم کو بحکم الٰہی عذاب کی خبر سنائی، اور اس کے بعد اسی توقع پر شہر چھوڑ کر چلے گئے، اور اس روانگی کے لیے کسی الگ اجازت کی ضرورت نہ سمجھی، قوم میں ابھی کچھ سمجھ باقی تھی، عذاب الٰہی ابھی آنے نہ پایا تھا محض دور سے اس کے ابتدائی آثار دیکھ کر ڈر گئے، اور توبہ واستغفار، گریہ وزاری میں مشغول ہو گئے، اس پر عذاب ٹل گیا۔ آپؑ کو خبر پہنچی تو آپ حیائے طبعی کے اثر سے وطن آنے کے بجائے، کسی بحری سفر پر روانہ ہو گئے، اور اس کے لیے اجازت الٰہی کے انتظار کی ضرورت نہ سمجھی۔

توریت میں ہے:۔

''یوفاہ خداوند کے حضور سے ترسیس کو بھاگنے کے لیے اٹھا، اور وہ یافا میں اتر گیا، اور وہاں ایک جہاز کو ترسیس کو جاتے ہوئے پایا''۔ (یوفاہ۔ ۱:۳)

ترسیس اور یافا کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر بحر روم میں تھا، لیکن ہمارے یہاں کی تفسیری روایات میں نام دجلہ کا آتا ہے، جو عراق کا مشہور اور بڑا دریا ہے۔

۴۴ے یعنی قرعہ میں نام انھیں کا نکلا۔ عقیدہ اس وقت یہ پھیلا ہوا تھا کہ کوئی بھگوڑا غلام یا کوئی مجرم اگر کشتی میں سوار ہو جائے تو کشتی خطرے میں آ جاتی ہے، اور اس کا علاج یہی ہے کہ اس شخص کو اتار دیا جائے۔ حضرت یونسؑ کی کشتی کو طغیانی وطوفان کا سامنا ہوا، ملاحوں نے مجرم کے سراغ کے لیے قرعہ اندازی پر اتفاق کیا، اور قرعہ میں نام حضرت یونسؑ کا نکلا، اور ملاحوں نے آپؑ کو سمندر میں ڈال دیا۔

توریت میں ہے:۔

''خداوند نے سمندر پر ایک بڑی آندھی بھیجی، اور سمندر کے درمیان طوفان نے شدت کی، ایسی کہ گمان تھا کہ جہاز تباہ ہو جائے گا، تب ملاح ہراساں ہوئے، اور ہر ایک نے اپنے معبود کو پکارا...... اور انھوں نے آپس میں کہا کہ آؤ ہم قرعہ ڈال کر دریافت کریں کہ کس کے سبب سے ہم پر یہ بلا آئی، چنانچہ انھوں نے قرعہ ڈالا اور قرعہ میں یوفاہ کا نام نکلا...... اور انھوں نے یوفاہ کو اٹھا کر سمندر میں ڈال دیا، اور سمندر کا تلاطم موقوف ہو گیا''۔ (یوفاہ، ۱:۴-۱۵)

یونس علیہ السلام اپنے وقت کے نبی تھے، یعنی صدیقین واولیاء کے سردار، اور قرعہ میں نام آپؑ کا بحیثیت مجرم کے نکل رہا ہے!_____ کیا آپؑ پر اُس وقت گزری ہوگی!_____ اللہ اللہ! کیا شان بے نیازی ہے!

فساھم۔ اس سے بعض لوگوں نے غلام وغیرہ کے باب میں قرعہ اندازی کا جواز نکالا ہے، لیکن محققین فقہاء کا قول ہے کہ یہ اس وقت کے پیمبر کا ایک مخصوص فعل تھا، اس سے کوئی عام جواز نہیں نکل سکتا۔

ذلك لا يجوز عند أحد من الفقهاء...... فدل على أنه خاص فيه عليه السلام دون غيره. (جصاص، ج۳/ص:۳۶۵)

أبق۔ آیت میں لفظ ''أبق'' بھی بہت قابل لحاظ ہے۔ اس کے معنی محض ''بھاگنے'' کے نہیں، بلکہ آقا کے پاس سے غلام کے چھپ کر بھاگنے کے ہیں۔

يقالُ: أبق العبد إذا هرب وعبد أبق. (راغب، ص:۱۲)

أبق أى هرب من سيده. (أقرب، ج۱/ص:۲)

الإباق وهو هرب العبد من السيد خاصة ولا يقال للعبد أبق إلا إذا استخفى. (أبو البقاء، ص:۲۵)

اور یہ خوب خیال کر لیا جائے کہ یہ یونسؑ کون تھے؟ خود ہی ابھی ابھی تعارف ہو چکا ہے۔ لمِنَ المرسلين۔ ایک پیغمبر برحق! بے تکلف یہ لفظ ان کے حق میں ارشاد ہوا ہے_____ اس سے کتنا سبق ہم عوام حاصل کر سکتے ہیں، جن کے نزدیک ہر بندہ معمولی اور ادنیٰ درجہ مقبولیت کے بعد بھی گویا ہمسرِ حق تعالیٰ ہو جاتا ہے!

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿١٤٢﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿١٤٣﴾

انھیں مچھلی نے نگل لیا ۷۵؎ درآنحالیکہ وہ اپنے کوملامت کررہے تھے ۷۶؎ سواگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے

۷۵؎ عجب نہیں کہ آپ شناوری جانتے ہوں، اور ممکن تھا کہ پیر کر کنارے تک پہنچ جاتے کہ حکم خداوندی سے ایک بڑی قدآور مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ شارک وغیرہ کی قسم کی مچھلیوں کا انسان کو نگل لینا حال میں بھی مشاہدے میں آچکا ہے۔

الحوت۔ حوت کہتے ہیں بڑی مچھلی کو ہی۔

السمك العظيم. (راغب، ص: ١٥٠)

صاحب روح المعانی نے جو عراقی ہیں، اور یونسؑ سے متعلق روایت توریت سے خوب واقف ہیں، اپنا مشاہدہ دجلہ سے متعلق لکھا ہے:۔

وقد شاهدنا فيها حيتاناً عظيمة جداً۔ ہم نے اس میں بہت ہی عظیم الجثہ مچھلیاں دیکھی ہیں۔ (روح المعانی، ج ۲۳/ص: ۱۴۵)

توریت میں ہے:۔

"پھر خداوند نے ایک بڑی مچھلی مقرر کر رکھی تھی کہ یوفاہ کو نگل جاوے، اور یوفاہ تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا"۔ (یوفاہ۔ ۱: ۱۷)

۷۶؎ (اپنی اس اجتہادی غلطی پر)

ملیم۔ وہ قصوروار ہے جو بجائے خود مستحق ملامت ہوگیا ہو، خواہ اُسے کوئی ملامت کرے یا نہ کرے۔

وألام أى استحق اللّوم. (راغب، ص: ٥١١)

مليم استحق اللوم. (تاج، ج ١٧/ص: ٦٦١)

قرب عذاب کے وقت شہر چھوڑ کر چلا جانا کوئی معصیت نہ تھی، تاہم ایک پیمبر کے مرتبہ سے بعید تھا کہ ایمائے خداوندی کے بغیر اتنا قدم بھی اُٹھاتے۔ اور اس پر بطور تنبیہ کلفت جسمانی سے دوچار ہونا پڑا، ورنہ حقیقی معصیت اور حقیقی عذاب سے تو کسی نبی کو کوئی واسطہ ہی نہیں ہوسکتا ـــــ اللہ کے قانون کی گرفت سے پیمبر تک مستثنیٰ نہیں تو کسی ولی یا بزرگ کا کیا ذکر ہے!

لَلَبِثَ فِیۡ بَطۡنِہٖۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴۴﴾ۚ فَنَبَذۡنٰہُ بِالۡعَرَآءِ وَ ہُوَ سَقِیۡمٌ ﴿۱۴۵﴾ۚ

تو اُسی کے پیٹ میں قیامت تک پڑے رہتے ۷۷ پھر ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال دیا اس حال میں کہ وہ نڈھال تھے ۷۸

وَ اَنۡۢبَتۡنَا عَلَیۡہِ شَجَرَۃً مِّنۡ یَّقۡطِیۡنٍ ﴿۱۴۶﴾ۚ وَ اَرۡسَلۡنٰہُ اِلٰی مِائَۃِ اَلۡفٍ

اور ہم نے ان پر ایک بیلدار درخت بھی اُگا دیا ۷۹ اور ہم نے ان کو ایک لاکھ (آبادی) یا اس سے بھی زیادہ کی طرف

۷۷ یعنی انھیں مچھلی کے پیٹ سے نکلنا نصیب نہ ہوتا، اور وہ اسی کی غذا بنا دیے جاتے۔ یہ مطلب نہیں کہ مچھلی کا پیٹ قیامت تک محفوظ و سالم رہتا۔

لو......المسبحین۔ آیت سے معلوم ہوا کہ تسبیح و استغفار کی برکت سے جسمانی کلفتیں اور اذیتیں بھی دور ہو جاتی ہیں۔

توریت میں ہے:۔

''تب یوفاہ نے مچھلی کے پیٹ میں خداوند اپنے خدا سے دعا مانگی''۔ (یوفاہ، ۲۰:۱)

إلى يوم يبعثون۔ محاورے میں مراد ہمیشہ تک رہنے سے ہوتی ہے۔

هذا يوم البعث يعني يوم الحشر. (راغب، ص:۶۳)

۷۸ (شکم ماہی میں قید کے اثر سے)

مچھلی نے جب بحکم خداوندی آپؑ کو ساحل پر اگل دیا، تو آپؑ نے اپنے کو ایک چٹیل میدان میں پایا۔ عرآء سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی ایک بھی درخت اس میدان میں نہ ہو۔

توریت میں ہے:۔

''اور خداوند نے مچھلی کو کہا، اور اس نے یوفاہ کو خشکی پر اگل دیا''۔ (یوفاہ، ۲:۱۰)

سقیم پر مفصل حاشیہ اوپر ۱۴۹ میں گزر چکا ہے۔

آپ شکم ماہی میں کتنی مدت رہے؟ اس کے جواب میں متعدد قول سلف سے نقل ہوئے ہیں، لیکن جیسا کہ امام رازیؒ نے لکھا ہے کسی بھی مدت کی تعیین پر کوئی دلیل قائم نہیں۔

ولا أدري بأى دليل عينوا هذه المقادير. (کبیر، ج۲۶/ص:۱۴۴)

۷۹ (جو آپ کو مکھیوں وغیرہ سے محفوظ رکھتا تھا، اور جس کی ہوا صحت بخش تھی)

اَوۡ يَزِيۡدُوۡنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوۡا فَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۱۴۸﴾ فَاسۡتَفۡتِهِمۡ

(پیمبر بنا کر) بھیجا تھا ۸۰ تو وہ لوگ ایمان لے آئے سو ہم نے انھیں ایک زمانے تک عیش دیا ۸۰ (الف) اب آپ لوگوں سے پوچھیے

اَلِرَبِّكَ الۡبَنٰتُ وَلَهُمُ الۡبَنُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾

کہ کیا تمھارے پروردگار کے لیے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے؟ ۸۱

یقطین کے لفظی معنی ہر بیل دار درخت کے ہیں۔ کدو، ککڑی، خربوزہ وغیرہ سب اس میں آجاتے ہیں۔

وکل شجرۃ لاتقوم علی ساق کالدباء والبطیخ والحنظل ونحو ذلك، فهي عند العرب یقطین (ابن جریر، ج ۲۱/ص: ۱۱۲)

روایتوں میں آتا ہے کہ مراد اس سے لوکی کا درخت ہے۔

۸۰ یہ شہر نینوا تھا، جو دریائے دجلہ کے داہنے کنارے پر واقع تھا۔ جہاں آج موصل واقع ہے ٹھیک اس کے مقابل۔ توریت میں اس کی آبادی ''ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں سے زیادہ'' درج ہے۔ (یوفاہ،۴:۱۱)

کیپٹن جونس نے ۱۸۵۳ء میں جا کر شہر کے کھنڈروں کی باضابطہ پیمائش کی تھی۔ ان کی تحقیق میں شہر کا رقبہ ۱۸۰۰/ایکڑ کا تھا، اور ہر فرد کے لیے اگر ۵۰ گز مربع زمین فرض کی جائے، تو کل آبادی کا تخمینہ ایک لاکھ ۷۴ ہزار تک پہنچتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

أو تخییر کے لیے ہے، یعنی اگر صرف عاقلوں، بالغوں کو رکھو تو ایک لاکھ، اور کل آبادی کو لو، تو اور زائد۔

توریت میں ہے:۔

''یوفاہ خداوند کے کلام کے مطابق اٹھ کر نینوا کو گیا، اور نینوا خدا کے سامنے ایک بڑا شہر تھا کہ اس کا احاطہ تین دن کی راہ تھی''۔ (یوفاہ۔۳:۳)

۸۰ (الف) اور اس کے بعد آخر عام قانون فنا واجل کے انھیں بھی موت آئی۔

۸۱ خطاب اس گروہ سے ہے جو اس کا قائل تھا کہ خدا کی بیٹیاں ہیں، جو دیویاں ہیں ــــــ مشرکین عرب کے معبودوں میں بڑے دیوتاؤں کے نام دیویوں کے آئے ہیں۔

ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ

کیا ہم نے فرشتوں کو عورت پیدا کیا اور وہ دیکھ رہے تھے؟ ۸۲ خوب سن لو کہ وہ لوگ محض اپنی گڑھنت سے

لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

کہہ رہے تھے کہ اللہ کے اولاد ہے، اور یہ لوگ یقیناً بالکل جھوٹے ہیں ۸۳ کیا اللہ نے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی؟

مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾

تمھیں کیا ہوا تم کیسا (بیہودہ) حکم لگاتے ہو؟ کیا تم سوچ سے (ذرا) کام نہیں لیتے؟ ۸۴ کیا تمھارے پاس کوئی واضح دلیل بھی موجود ہے؟

فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ

تو اچھا اپنی وہ کتاب پیش کرو اگر تم سچے ہو ۸۵ اور ان لوگوں نے اللہ اور جنات کے درمیان رشتہ قرار دے دیا ہے

ألربّك البنات۔ میں ہمزہ، انکار توبیخی یا انکار ابطالی کا ہے۔ (مغنی، ج ۱/ص: ۲۴)

فمتعنٰهم إلى حين۔ یعنی اتنے دنوں تک انھیں خوش عیشی اسی ایمان وتوبہ کی برکت سے دی۔

۸۲ یعنی جنھیں تم دیویاں قرار دے رہے ہو، اور درحقیقت وہ ملائکۂ الٰہی ہیں، کیا ان کی نسوانیت تمھارے مشاہدے میں آ چکی ہے؟ مفصل حاشیہ سورۂ آل عمران، آیت ۱۱۷ کے تحت میں گزر چکا ہے۔

۸۳ یعنی خدا کے صاحب اولاد ہونے کا عقیدہ کوئی بھی شائبۂ حقیقت اپنے اندر نہیں رکھتا۔

من إفكهم۔ عقیدۂ ولدیت تمام تر گڑھا ہوا، تراشا ہوا ہے۔ ہرگز کسی استدلال سے یہ اس تک نہیں پہنچے ہیں، نہ ان کے پاس کوئی بنیاد ہے۔

۸۴ ایک تو اللہ کے صاحب ولد ہونے کا دعویٰ خود ہی کس درجہ حماقت ہے، اور پھر اس پر مستزاد اولاد میں بھی لڑکیوں کا تحقق، جنھیں دین جاہلی والے خود ہی حقیر وذلیل سمجھتے تھے!

۸۵ یعنی دلیل عقلی نہیں قائم کر سکتے ہو تو کوئی مستند مذہبی نوشتہ ہی پیش کرو، جس میں یہ عقیدہ درج ہو!

أم لكم سلطان مبين۔ عقیدہ ''بنات الٰہی'' پر کون سا عقلی استدلال کیا جا سکتا ہے؟

وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۱۵۸ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۱۵۹

حالانکہ خود جنات خوب سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے ۸۶ اللہ پاک ہے اس سے جو یہ بیان کرتے ہیں ۸۷

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۱۶۰ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۱۶۱

مگر ہاں جو اللہ کے خاص کیے ہوئے بندے ہیں (وہ عذاب سے محفوظ رہیں گے) لیکن تم اور تمھارے معبود (سب مل کر بھی)

۸۶ (تو حق تعالیٰ کے رشتہ داروں کا معاذ اللہ جہنمی ہونا تمھاری موٹی عقل بھی قبول کرتی ہے؟)

و جعلوا......نسبا۔ اس عقیدے کے لیے ملاحظہ ہوں سورۂ سبا آیت ۴۰ و ۴۱ کے حاشیے۔

ہوسکتا ہے کہ اس میں اشارہ عقائد مجوس کی جانب بھی ہو، جیسا کہ امام رازیؒ نے خیال کیا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یزدان واہرمن (خدا و ابلیس) دونوں ایک ہی جنس کی چیزیں ہیں، فرق یہ ہے کہ اول خیر محض ہے اور دوسرا شر محض، لیکن بہر حال ہیں دونوں ہم نسب ہی۔ (کبیر، ج ۲۶/ص: ۱۴۷)

الجنة سے مراد کافر جنات ہیں۔

ولقد......لمحضرون یعنی جنات خود اپنی حقیقت، اپنی مسئولیت سے خوب واقف ہیں۔

لمحضرون۔ محضرون سے مراد عذاب میں گرفتار ہونا ہے۔

أی محضرون فی العذاب. (بیضاوی، ج ۵/ص: ۱۲)

أی واللّٰه لقد علمت الشياطين أی جنسهم أن اللّٰه تعالیٰ يحضرهم ولا بد النار ويعذبهم بها. (روح، ج ۲۳/ص: ۱۵۱)

إنهم۔ هم کی ضمیر جائز ہے کہ جنات کی طرف نہیں، بلکہ ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان رشتہ داری کے قائلوں کی جانب لی جائے۔

يعنی قائلی هذا القول. (معالم، ج ۴/ص: ۴۹)

أی الذين قالوا ذلك. (ابن كثير، ج ۴/ص: ۲۱)

۸۷ یعنی پاک صاحب ولد ہونے سے، صاحب بنات ہونے سے، صاحب زوج ہونے سے، اور اس قسم کے سارے خرافاتی جاہلی دعووں اور عقیدوں سے۔

مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ

کسی کو اللہ سے نہیں پھیر سکتے، مگر ہاں اسی کو جو جہنم میں گرنے والا ہی ہے ۸۸۔ اور ہم میں سے ہر ایک کا

مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

ایک معین درجہ ہے اور ہم (سب) صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور ہم (سب) پاکی بیان کرنے میں لگے رہتے ہیں ۸۹۔

۸۸ (علم الٰہی کے مطابق)

یعنی شیاطین میں اور کسی میں بھی، قوت نہیں کہ وہ مجرد اپنے ارادے سے کسی کو گمراہ کرسکیں، گمراہ تو وہی لوگ ہوتے ہیں جنھیں علم الٰہی مشیت تکوینی کے مطابق پہلے سے تجویز کیے ہوئے ہے ــــــ یہ علم الٰہی بھی ظاہر ہے کہ کسی بندے کو کفر وضلالت کے اختیار پر مجبور نہیں کرتا۔

۸۹ خلاصہ یہ کہ ہم عبد محض اور محکوم خالص ہیں، اپنی رائے سے کچھ نہیں کرسکتے۔ جو خدمت ہم میں سے جس کے سپرد ہے، بس وہ اسی میں لگا رہتا ہے ــــــ یہ سب مضمون فرشتوں کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ اس سے ایک طرف تردید اُن جاہلی قوموں کی بھی ہو رہی ہے، جنھوں نے فرشتوں میں الوہیت اور معبودیت کی شان پائی ہے، اور دوسری طرف اہل کتاب کی بھی تردید میں جنھوں نے بعض فرشتوں کو خطا کار وعصیاں شعار قرار دیا ہے!

وما ...... معلوم۔ بعض نے اس سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ ملائکہ کے لیے مقامات معیّن ومعلوم ہیں، جن میں علو وترقی کی گنجایش نہیں، بخلاف انسان کے کہ وہ جس قدر بھی جدوجہد کرے قرب وعلو کے مراتب طے کرتا رہے گا!

يشير إلىٰ أن الملك لا يتعدى مقامه إلى ما فوقه، ولا يهبط عنه إلىٰ مادونه، وهٰذا بخلاف نوع الإنسان فإن من أفراده من سار إلىٰ مقام قاب قوسين بل طار إلىٰ منزل أو أدنىٰ. (روح، ج۲۳/ص: ۱۶۰)

اور صاحب تفسیر مظہری نے سورۂ بقرہ میں قصۂ تخلیق آدم کے سلسلے میں لکھا ہے:۔ ''مراد اس سے یہ ہے کہ ملائکہ مقام اسماء وصفات سے آگے مقام ذات تک ترقی نہیں کرسکتے، بخلاف بشر کے کہ وہ مقام محرومی سے مقام ظلال تک، اور وہاں سے مقام صفات اور اسماء اور شئونات اور پھر مقام ذات

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا

اور یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت (کی کتاب) پہلے لوگوں کی طرح آتی تو ہم

عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ

اللہ کے خاص بندے ہوتے ۹۰ پھر یہ لوگ اس کا انکار کرنے لگے سو عنقریب ان کو معلوم ہی ہوا جاتا ہے ۹۱ اور ہمارا (یہ) قول، ہمارے

كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

بندگان مرسل کے لیے پہلے سے مقرر ہو چکا ہے کہ بے شک غالب وہی کیے جائیں گے

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ

اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے ۹۲ سو آپ تھوڑے زمانے تک ان کا خیال نہ کیجیے اور ذرا انھیں دیکھتے رہیے

تک ترقی کر سکتا ہے“۔ (مظہری، ج ۱/ص: ۵۵)

۹۰ (اور تکذیب و مخالفت کرنے والوں میں نہ ہوتے)

مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ کوئی نبی اگر ہماری قوم میں پیدا ہوا ہوتا اور اس پر کوئی کتاب نازل ہوئی ہوتی، جیسے بنی اسرائیل پر نازل ہوئی، تو ہم یقیناً تصدیق کرنے والوں میں ہوتے، اور اطاعت الٰہی کا ایک نمونہ اپنی ذات میں پیش کر دیتے۔

او پر یہی مضمون آیت لئن جاء هم نذير ليكونن أهدىٰ من إحدى الأمم (سورۃ الفاطر: ۴۲) کے تحت میں آچکا ہے۔

۹۱ (کہ کفر و تکذیب کا کیا انجام ہوتا ہے)

فكفروا به۔ یعنی اب جب ان کی تمنا کے مطابق رسولؐ اور صاحب کتاب و شریعت رسول، ان کی قوم میں آگئے تو یہ اپنے سب پچھلے قول و قرار بھول بیٹھے، اور تکذیب و انکار میں پچھلی قوموں سے بازی لے گئے۔

سوف يعلمون۔ کفر کا انجام موت کے وقت تو بہر حال منکشف ہو جاتا ہے، باقی بعض عقوبتیں زندگی میں بھی واقع ہو جاتی ہیں۔

۹۲ (انجام کار)

فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمۡ

سوعنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے ۹۳ کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟ تو وہ جب ان کے رُوبرو آ نازل ہوگا

فَسَآءَ صَبَاحُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبۡصِرۡ

سو وہ دن ان لوگوں کا جنھیں ڈرایا جاچکا ہے، بہت بُرا ہوگا ۹۴ اور آپ تھوڑے زمانے تک ان کا خیال نہ کیجیے اور ذرا انھیں دیکھتے رہیے

غلبہ آخر کار حق ہی کو ہوتا ہے، باطل کی شان وشوکت محض عارضی اور کسی مصلحت تکوینی کے ماتحت ہوتی ہے، اور اگر غلبہ سے مراد بجائے مادی غلبہ کے محض قوت دلائل سمجھی جائے تو یہ غلبہ تو ہر دور میں اور ہر وقت اہل حق کو حاصل رہا ہے، اور اب بھی ہے۔

جندنا۔ یعنی اہلِ حق۔

لہم۔ ضمیر جمع جند کے لیے بلحاظ معنی آئی ہے، نہ بحیثیت لفظ۔

ولو كان على اللفظ لكان هو الغالب. (قرطبی، ج۱۵/ص:۱۳۹)

کلمتنا۔ آگے جس وعدے کا ذکر ہے، وہ تو ایک پوری عبارت ہے، اس کے لیے کلمۃ بصیغۂ واحد یوں آیا ہے کہ ساری عبارت مل کر معنی ایک ہی دیتی ہے، اور کلمۃ کا لفظ اسی پورے مفہوم کے لیے ہے۔

وإنما سماها كلمة وهي كلمات لأنها لما انتظمت في معنى واحد كانت في حكم كلمة مفردة. (مدارک، ص:۱۰۱۲)

۹۳ موت پر تو اپنا حال زار بہر حال دیکھیں گے، اور ممکن ہے دنیا میں بھی عذاب کی جھلک دیکھ لیں۔

سوف۔ یہاں مستقبل بعید کے معنی میں نہیں، وعیدی پہلو کے اظہار کے لیے ہے۔

سوف للوعيد لا للتبعيد. (أبو البقاء، ص:۷۸۹)

فتول...... حین۔ یعنی چندے ان کی ایذا رسانیوں پر التفات نہ کیجیے۔

۹۴ یعنی جب وہ وقت موعود آجائے گا، پھر ٹالے ٹل نہ سکے گا۔

ساحۃ کے لفظی معنی صحن یا انگنائی کے ہیں، یعنی جب وہ عذاب ان سے ایسا متصل ہوجائے گا کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہ رہے گی۔

فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾

سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے ۹۵ پاک ہے آپ کا پروردگار خداوند عزت، ان چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں

۵ ع ۹
وَسَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۸۲﴾

اور سلام ہو پیمبروں پر اور ساری خوبیاں اللہ پروردگار عالم کے لیے ہیں ۹۶

۹۵ یعنی آپ کو تو ہمارے کہنے سے یقین ہی ہے، باقی معاینے و مشاہدے کے بعد انھیں بھی یقین ہو کر رہے گا ـــــ مفسرین نے کہا ہے کہ ابھی ابھی یہ مضمون جو اوپر گزرا ہے وہاں اس کا تعلق غلبۂ اہل حق سے تھا، اور یہاں اس کا تعلق عذاب اہل باطل سے ہے، اس لیے مضمون کی تکرار صرف صورۃً ہے، معناً نہیں، اور اس تکرار سے تہدید پیدا ہو گئی۔

كرّر تاكيداً لتهديدهم. (جلالین، ص: ۵۹۷)

۹۶ (معبودیت، الوہیت، ربوبیت کا حق دار وہی اکیلا، بلا شائبۂ شرکت غیرے ہے)

سبحٰن...... یصفون۔ حق تعالیٰ پاک و منزہ ہے ان تمام لغویات و خرافات سے جو اہل شرک اس کی جانب منسوب کرتے رہتے ہیں۔

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن کا یہ فقرہ بڑا جامع ہے۔ معرفت باری کے سارے مدارج اس مختصر سے فقرے میں آ گئے۔

كلمة محتوية على أقصى الدرجات وأكمل النهايات في معرفة إله العالم.

(کبیر، ج ۲۶/ص: ۱۵۰)

رب العزۃ۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ رب میں اشارہ ہے کمال حکمت و رحمت کی جانب اور عزت میں کمال قدرت کی جانب۔ (کبیر، ج ۲۶/ص: ۱۵۰)

یصفون کے عموم و اطلاق سے اہل لطائف نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ حق تعالیٰ جس طرح اہل شرک و ضلالت کی یاوہ گوئیوں سے منزہ و برتر ہیں، اسی طرح مومنین صادق کی غایت مدح و ثنا اور عارفین کاملین کے احاطۂ فہم رسا سے بھی بالاتر ہیں ـــــ اور عارف رومیؒ نے ترجمانی اسی مقام کی کی ہے ۔

ما بروں از پاک و ناپاکی ہمہ
و زگراں جانی و چالاکی ہمہ

سلٰم علی المرسلین۔ حق تعالیٰ خود جن بندوں پر سلام بھیجیں، ان کا واجب الاتباع ہونا بالکل ظاہر ہے۔

مرسلین کے لفظ نے صاف کر دیا کہ انبیاء ''فرستادہ'' یا بھیجے ہوئے بندے ہوتے ہیں اور یہ ضرب ہے حلول، مظہریت اور ''اوتار'' کے عقیدے پر۔

رب العالمین۔ موقع کی اہمیت کے لحاظ سے حق تعالیٰ کی اہم ترین صفت ربوبیت عالم کو دُہرا دیا گیا ہے۔

(۳۸)

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ

رکوعاتہا ۵ — ۵ رکوع

آیاتہا ۸۸ — ۸۸ آیتیں

سورۂ ص مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ ١ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝ ٢

صاد[۱] قسم ہے قرآن نصیحت والے کی (کہ کافروں کا انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں) [۲] بلکہ (یہ) کافر ہی تعصب و مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں [۳]

[۱] دوسرے مقطعات کی طرح اس حرف ص کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں، البتہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کر دیے ہیں مثلاً:

(۱) ص مخفف ہے کسی اسم الٰہی کا، مثلاً صمد یا صادق الوعد یا صانع المصنوعات۔

(۲) ص مخفف ہے اس فقرے کا کہ صدق محمد فی کل ما أخبر به عن الله.

(۳) ص مخفف ہے اس فقرے کا کہ صد الکفار عن قبول هذا الدين. (کبیر، ج ۲۶/ص: ۱۵۲)

[۲] مطلب یہ ہے کہ قرآن کی اعلیٰ تعلیمات خود اس کی صداقت پر گواہ ہیں، اور یہ کافر جو اس کے کلام الٰہی ہونے اور آپؐ کی رسالت سے انکار کر رہے ہیں، سو اس کی بنیاد کسی دلیل یا وجہ عقلی پر ہر گز نہیں۔

ذی الذکر۔ یعنی یہ وعظ و نصیحت والا قرآن، یا عزت و عظمت والا قرآن۔

المراد بالذکر العظة أو الشرف والشهرة. (بیضاوی، ج ۵/ص: ۱۴)

[۳] (اور اس تعصب و عناد کا وبال بھی ایک روز ان پر پڑ کر رہے گا)

یہاں یہ بتا دیا کہ مخالفت حق کا سبب کوئی اشتباہ عقلی ہر گز نہیں، محض ان لوگوں کی ضد اور ہٹ دھرمی اور نخوت پسندی ہے۔

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ③

کتنی ہی امتوں کو ان سے پہلے ہم ہلاک کر چکے ہیں، سو انھوں نے بڑی ہائے پکار کی، درآنحالیکہ وقت خلاصی کا گزر چکا تھا ۴

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ④

اور یہ اس پر حیرت کر رہے ہیں کہ ان کے پاس ایک ڈرانے والا انھیں میں سے آیا ۵ اور (یہ) کافر کہتے ہیں کہ یہ شخص ساحر ہے کذاب ہے ۶

عزۃ و شقاق۔ دونوں کا تنوین نکرہ کے ساتھ آنا ان صفات کی شدت کے اظہار کے لیے ہے، یعنی یہ لوگ پرلے سرے کی ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہیں۔

والتنكير في عزة و شقاق للدلالة على شدتهما. (كشاف، ج ٤/ص: ٦٨)

۴ (چنانچہ ان کا شور و واویلا انھیں کچھ بھی نفع نہ دے سکا، اور یہی حشر ان کافروں کا بھی ہونا ہے)

لات۔ لیس کی ایک غیر منصرف صورت ہے، تقدیر کلام خلیل، سیبویہ کے نزدیک یہ ہوگی:

ليس الحين حين مناص. (كبير، ج ٢٦/ص: ١٥٤، بيضاوی، ج ٥/ص: ١٤)

اور اخفش کے نزدیک یوں: ولا حين مناص (کبیر، ج ۲۶/ص: ۱۵۴، بیضاوی، ج ۵/ص: ۱۴)

مناص۔ جائے خلاص یا جائے گریز۔

۵ (کوئی فوق البشر نہیں، بلکہ انھیں جیسا بشر و انسان!)

مشرکوں کی سمجھ میں یہی تو نہیں آتا کہ ایک بشر مرتبۂ رسالت پر کیسے پہنچ سکتا ہے۔ دیوتا پرستی ان کے سمجھ میں آجاتی ہے۔ اوتار، مظہریت، عینیت، حلول کے عقیدے عین ان کے مذاق طبیعت کے موافق ہیں، بس ایک نہ سمجھ میں آنے والی بات یہی مسئلۂ سفارت الٰہی و رسالت ہے۔ بار بار اسی میں الجھتے تھے۔

ضمیر ھم۔ جنس بشر کی جانب ہے۔

رسول من جنسهم أى بشر. (روح، ج ٢٣/ص: ١٦٦)

يعني استبعدوا أن يكون النبي من البشر. (مدارك، ص: ١٠١٥)

اگر ضمیر مخاطبین اول، مشرکین قریش کی جانب سمجھی جائے، تو بھی بالکل جائز ہے۔

۶ اس کے لائے ہوئے کلام میں اثر اور اس کے پیش کیے ہوئے معجزات تو نتیجہ ہیں اس کے کمال ساحری کا، اور اس کا دعوائے نبوت و رسالت تمام تر بے بنیاد ہے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ

ارے، اس نے خداؤں کو بس ایک خدا کر دیا! بے شک یہ بڑی انوکھی بات ہے! ؎ ان لوگوں کے سردار یہ کہتے ہوئے

جب نقطۂ آغاز یہ ہوا کہ دعوائے نبوت صحیح ہو ہی نہیں سکتا، تو اب اس سے چارہ نہیں کہ مدعی نبوت کے وعظ و تبلیغ کے اثر کو سحر پر محمول کیا جائے۔ ساحر قرار دیتے ہوئے یہ احمق اتنا نہ سوچے کہ ساحر بھی کبھی دعوت توحید دیتا رہتا ہے؟ تزکیۂ اخلاق کی طرف بلاتا رہتا ہے؟ عقائد صحیح اور اعمال صالح کی تبلیغ کرتا رہتا ہے؟ بات پچھ نہ کچھ کہنی ہی تھی تو ایسی تو کہتے جو کچھ لگتی ہوئی ہوتی، یہ تشخیص تو سراسر الٹی اور بالکل ہی بے تکی تھی!

امام رازیؒ کہتے ہیں کہ آیت میں کام محض قالوا سے ہی نکل سکتا تھا، لیکن بجائے اس کے قال الکفرون کی صراحت میں اشارہ ان لوگوں کے کمال بدعقلی کی طرف کرنا ہے کہ ایسے مہمل ولایعنی قول کا مصدر و منشا کفر محض ہی ہو سکتا ہے۔ (کبیر، ج۲۶/ص:۱۵۵)

؎ پیمبر برحق کا اصلی جرم ان کج فہموں کے نزدیک یہی تلقین توحید تھی، وہ کہتے تھے عالم میں قدم قدم پر تو تنوع، تعدد، اختلاف ہے، اس کثرت کا مصدر وحدت کو فرض ہی کیسے کیا جا سکتا ہے؟ رات الگ ہے دن الگ، آگ اور شے ہے پانی اور، زمین الگ مخلوق ہے آسمان الگ، ان میں سے ہر ایک کے کاروبار کے لیے ایک مستقل حاکم و متصرف، فرماں روا کی ضرورت ہے، اور یہی دیوی دیوتا ہیں، سب کو مٹا کے صرف ایک موثر حقیقی و فاعل اصلی کو ماننے کے کوئی معنی ہی نہیں۔

عجاب۔ عجاب مرادف ہے عجیب کا، البتہ اس میں عجیب سے زیادہ زور ہے بلکہ اس میں معنی انکار کے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

هو العجيب إلا أنه أبلغ من العجيب. (كبير، ج ٢٦/ص: ١٥٥)

أي بليغ في العجب. (روح، ج ٢٣/ص: ١٦٦)

خلیل نحوی نے فرق یہ بتایا ہے کہ عجیب تو بس وہ ہے جو عجب رکھتا ہو اور عجاب وہ ہے جس میں عجیب کے حد سے تجاوز ہو۔

وقد فرق الخليل بين عجيب وعجاب فقال: العجيب العَجَب، والعُجاب الذى قد تجاوز من العجب. (قرطبي، ج ١٥/ص: ١٥٠)

مِنۡهُمۡ اَنِ امۡشُوۡا وَاصۡبِرُوۡا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمۡ ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ يُّرَادُ ۚ ۖ ۶

چلے کہ چلو اوراپنے ٹھاکروں پر قائم رہو، اس میں بے شک اس شخص کا کوئی مطلب ہے ۸

مَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِى الۡمِلَّةِ الۡاٰخِرَةِ ۖۚ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا اخۡتِلَاقٌ ۚ ۖ ۷ اَءُنۡزِلَ

ہم نے تو یہ بات (اپنے) پچھلے مذہب میں (کبھی) سنی نہیں، ہو نہ ہو یہ اس کی گڑھت ہے ۹ تو کیا ہم سب میں سے پس

ابومنذر بن ہشام الکلبی الکوفی (متوفی ۲۰۴ھ) اپنی کتاب الأصنام میں لکھتے ہیں کہ بت پرستی عرب میں رچ گئی تھی، کوئی تو بت کدہ بنالیتا، اور کوئی اکیلی مورتی کو پوجتا، اور جس سے یہ بھی نہ بن پڑتا، وہ ایک پتھر ہی کو لے لیتا، اوراسی کو زمین میں گاڑ کر اس کی پوجا شروع کر دیتا، اوراس کے گرد طواف کرنے لگتا۔ اوران پتھروں پر جانوروں کے چڑھاوے وغیرہ چڑھاتے، اگرچہ کعبہ کی افضلیت کو بھی تسلیم کرتے جاتے۔

استهترت العرب فى عبادة الأصنام، فمنهم من اتخذ بيتاً، ومنهم من اتخذ صنماً، ومن لم يقدر عليه ولا على بناء بيت، نصب حجراً أمام الحرم وأمام غيره مما استحسن، ثم طاف به كطوافه بالبيت وسموها الأنصاب.،فإذا كانت تماثيل دعوها الأصنام والأوثان......فكانوا ينحرون ويذبحون عندكلها ويتقربون إليها، وهم على ذلك عارفون بفضل الكعبة عليها يحجونها ويعتمرون إليها.(الأصنام،ص:۳۳)

۸ یہ شخص ہمیں بہکا کر اپنا کوئی نہ کوئی کام ہم سے نکالنا چاہتا ہے، تم لوگ ہرگز اس کے کہے میں نہ آنا، اپنے دیوتاؤں کی نصرت میں لگے رہنا۔

ھذا۔ اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے۔

قریش کے ائمہ وسردار کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سننے کھڑے ہو جاتے تو اس کے بعد ذکر توحید کی تاب نہ لا کر اپنے پیروؤں سے یہ کہنے لگتے۔

۹ یہ کہنے والے مشرکین مکہ تھے، اور ملة الآخرة سے کھلی ہوئی مراد ملت عرب ہے۔

قال مجاهد وقتادة يعنون ملة قريش. (قرطبی، ج ۱۵/ص: ۱۵۲)

یہ لوگ کہتے تھے کہ ہم نے کبھی اپنے بڑوں کے مذہب میں، اپنے باپ دادوں کے دین

عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِي ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوقُوا

اسی شخص پر کلام الٰہی نازل کیا گیا! ۱۰ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ میری وحی ہی کی طرف سے شک میں پڑے ہیں، اصل یہ ہے کہ انھوں نے میرا عذاب

عَذَابِ ۞ ۸ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۞ ۹

اب تک نہیں چکھا ہے ۱۱ کیا ان لوگوں کے پاس خزانے ہیں ان کے پروردگار زبردست وفیاض کی رحمت کے؟ ۱۲

میں تو یہ عقیدہ پایا نہیں۔

بھذا۔ ھذا سے اشارہ (آیت نمبر ۵ کے ھذا کی طرح) توحید کی جانب ہے، مشرکوں کو آج بھی سب سے زیادہ وحشت کلمۂ توحید سے ہوتی ہے، اور یہی حال مشرکین قدیم کا بھی رہا ہے۔

ایک مراد ''آخری مذہب'' سے دین عیسوی بھی لی گئی ہے، اور یہ تفسیر بھی چسپاں ہو سکتی ہے، نصاریٰ اپنے نقطۂ نظر سے بالکل صحیح طور پر کہہ سکتے تھے کہ یہ توحید خالص جس کی دعوت اسلام دے رہا ہے، ہم نے تو کہیں آبائے کلیسا سے سنی نہیں۔

۱۰ یعنی بالفرض نبوت یا پیمبری ملتی بھی تو ہمارے ہاں کے رؤساء اور امراء کے ہوتے ہوئے آخر ایک یتیم و نادار شخص کو کیوں ملی! سیادت و سرداری کے مستحق تو قریش کے اس معاشرے میں صخر بن حرب ابوسفیان اموی، عمرو بن ہشام مخزومی یعنی ابوجہل اور عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ہاشمی یعنی ابولہب جیسے جہاں دیدہ اشخاص اپنی دنیوی سوجھ بوجھ، کارکردگی اور اپنی وجاہت و تمول کی بنا پر سمجھے جا سکتے تھے۔

من بیننا۔ یعنی ہم شرفائے قریش میں سے۔

اہل لطائف نے کہا ہے کہ منشا اس قول کا کبر تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کبر ایسی بری چیز ہے جو کبھی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

۱۱ قرآن مجید کہتا ہے کہ انکار کا باعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی تکذیب نہیں، بلکہ یہ اصل مسئلۂ وحی ہی میں بھٹک رہے ہیں، اور خود اس کی بنیاد عذاب الٰہی سے غفلت پر ہے۔

۱۲ (اور نبوت بھی کیا ان کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ جسے چاہیں اُسے اِس سے نواز دیں؟)
نبوت کی عظمت و اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ اسلامی عقیدے میں اسی پر تکوینی حیثیت سے

اَمۡ لَهُمۡ مُّلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۟ فَلۡيَرۡتَقُوۡا فِى الۡاَسۡبَابِ ۝۱۰

کیا جو کچھ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان ہے، وہ ان کی حکومت میں ہے؟ تو انھیں چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں ۱۳

جُنۡدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهۡزُوۡمٌ مِّنَ الۡاَحۡزَابِ ۝۱۱ كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ

اس مقام پر یوں ہی ایک بھیڑ ہے منجملہ گروہوں کے جس کو شکست ہوگی ۱۴ ان سے پہلے بھی قوم نوح

وَّعَادٌ وَّفِرۡعَوۡنُ ذُو الۡاَوۡتَادِ ۝۱۲ وَثَمُوۡدُ وَقَوۡمُ لُوۡطٍ وَّاَصۡحٰبُ لۡـَٔيۡكَةِ ؕ

وقوم عاد اور فرعون نے جس کے کھونٹے گڑے ہوئے تھے اور ثمود اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے تکذیب کی تھی

اُولٰٓئِكَ الۡاَحۡزَابُ ۝۱۳ اِنۡ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ

یہ (بڑے بڑے) گروہ والے، ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تھا

دارومدار نظام عالم کا ہے، چنانچہ جس وقت کوئی مومن یعنی نبی پر ایمان رکھنے والا سطح زمین پر نہ رہے گا، اس کائنات کا نظم بھی ختم ہو جائے گا اور قیامت آ جائے گی۔

العزیز۔ سب پر زبردست و غالب تو وہ خدا ہے، ساتھ ہی الوھاب، بڑا دینے والا ہے، بڑی بخشش و عطا والا بھی وہ خدا ہے۔ اس کے ہاں کچھ بخل تھوڑے ہی ہے، کسی دوسرے میں اگر نبوت کی اہلیت و صلاحیت ہوتی تو اسے محروم ہی کیوں رکھا جاتا!

۱۳ (اپنی قدرت وتصرف دکھانے کو)

أم......بینھما۔ سوال گویا دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ آیا انھیں ارضیات و سماویات کے مصالح کا علم ہے، جو یہ نبوت کی تقسیم کے بھی ذمہ دار بنتے ہیں!

۱۴ (مراد وہی اہل مکہ ہیں)

پُرقوت اہل مکہ کی بربادی کی پیش گوئی قطعیت کے ساتھ کر دینا بجائے خود ایک قرآنی معجزہ ہے ـــــ پیش خبری کا تحقق میدانِ بدر میں ہو کر رہا۔

قال قتادة هنالك إشارة إلى يوم بدر فأخبر الله تعالىٰ بمكة أنه سيهزم جند المشركين فجاء تأويلها يوم بدر. (کبیر، ج۲۶/ص:۱۵۸)

فَحَقَّ عِقَابِ ⑭ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ⑮

سو میرا عذاب (ان پر) واقع ہو گیا ۱۵ اور یہ لوگ تو بس ایک چیخ کے منتظر ہیں جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہوگی

۱۵ متعین طور پر نام بھی قرآن نے پرانی پُر قوت، پُر شوکت قوموں کے بتادیے کہ تکذیب انبیاء و تکذیب شریعت ہی کی پاداش میں یہ لوگ ہلاک ہوئے تھے، وہی صورت آج کے منکرین کو بھی پیش آنی ہے۔

نوحؑ، عاد، فرعون، ثمود، لوطؑ، أصحاب الأيكة ،ان سب پر حاشیے اپنے اپنے مقام پر گزر چکے۔أصحاب الأيكة سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی امت ہے۔

كذّبت قوم۔ اس پر بحث ہوئی ہے کہ قوم تو مذکر ہے، پھر اس کا فعل ضمیر مؤنث کے ساتھ کیوں؟ جواب دو دیے گئے ہیں: ایک یہ کہ لفظ قوم کا استعمال تذکیر و تانیث دونوں میں جائز ہے۔دوسرا یہ کہ لفظ ہے تو مذکر ہی، مگر جب معنی قبیلے یا خاندان کے ہوں تو تانیث بھی جائز ہے۔(قرطبی، ج۱۵/ص:۱۵۴)

ذو الأوتاد۔ محاورے میں اس سے مراد شوکت و حشمت والے اور بڑے قوت و غلبہ والے سے ہوتی ہے جس کا اقتدار پائدار ہو۔

استعير لثبات العز والملك واستقامة الأمر. (كشاف، ج٤/ص:٧٣)

أصل هذه الكلمة من ثبات البيت المطنب بأوتاده، ثم استعير لاثبات العز والملك. (كبير، ج٢٦/ص:١٥٨)

وقال ابن قتيبة العرب تقول هم في عز ثابت الأوتاد، ويريدون دائماً شديداً. (قرطبی، ج١٥/ص:١٥٥)

اور مجاز اًاوتاد سے مراد لشکر ہوتے ہیں، اور ذو الأوتاد کے معنی ہوں گے "بڑے لشکروں والے"۔

وقيل: ذو الأوتاد أي ذو الجنود الكثيرة فسميت الجنود أوتاداً. (قرطبی، ج١٥/ص:١٥٤)

بڑی اور شاندار عمارتوں والے اور بڑے لاؤ لشکر والے۔اور اس قسم کے معنی تابعین سے بھی منقول ہیں، انھیں میں ضحاک بھی ہیں۔

قال ابن عباس: المعنى ذو البناء المحكم، وقال الضحاك: كان كثير البنيان والبنيان تسمى أوتاداً. (قرطبی، ج١٥/ص:١٥٤)

وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿١٦﴾ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہمارا حصہ روزِ حساب سے پہلے ہی دے دے ١٦ آپ ان لوگوں کے اقوال پر صبر کیجئے

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿١٧﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ

اور ہمارے بندے داؤد بڑی قوت والے کو یاد کیجئے، وہ بڑے رجوع کرنے والے تھے ١٧ ہم نے پہاڑوں کو (ان کے) تابع کر رکھا تھا

اور ایک روایت میں خود ابن عباسؓ سے بھی معنی بڑے لشکر والے اور بڑے جمع جتھے والے کے نقل ہوئے ہیں۔

وفی روایة عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما ذو الجنود والجموع الکثیرة. (خازن، ج٦/ص:٣٦)

پرانی قوموں میں تعذیب کی ایک صورت مجرم کو چومیخہ کر دینے (یعنی لٹا کر ہاتھ پیروں میں میخ ٹھونک دینے) کی جاری تھی، اور روایات میں ملتا ہے کہ فرعون کے دور میں بھی یہ سزا جاری تھی۔

١٦ منکرین بطور استہزاء کہتے تھے کہ جو کچھ عذاب ہم پر ہونا ہے وہ ابھی لے آؤ نا، کل پر کیوں اٹھار کھا ہے!

اعلم أن الکفار لما بالغوا فی السفاهة علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم حیث قالوا (إنه ساحر کذاب) وقالوا له علی سبیل الإستهزاء (عجل لنا قطّنا) أمره اللّٰہ بالصبر علی سفاهتهم. (کبیر، ج٢٦/ص:١٦٠)

ینظر یہاں منتظر کے معنی میں ہے۔

أی ینتظر. (قرطبی، ج١٥/ص:١٥٥)

یوم الحساب۔ یہ "یوم الحساب" مخاطبین (یعنی مسلمانوں) کے خیال کے مطابق ہے ورنہ مشرکین مکہ خود تو اس کے قائل ہی نہ تھے ——— بعض تفسیروں میں اس قول کے قائل کا نام بھی آیا ہے، نضر بن حارث کلدی، جو مشہور معاندِ رسول تھا۔

١٧ (اور ان کی مثال ونظیر سے صبر میں تقویت حاصل کیجئے)

اس کے بعد آپؐ کی تقویت قلب کے لیے نو پیمبروں کی مثالیں درج ہو رہی ہیں، ان میں سے تین کے قصے مفصل بیان ہوں گے، اور چھ کا ذکر صرف اجمالاً آئے گا۔

يُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِيِّ وَالۡاِشۡرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيۡرَ مَحۡشُوۡرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾

کہ ان کے ساتھ شام و صبح تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی جو (ان کے پاس) جمع ہو جاتے تھے، سب ان کی وجہ سے بڑے رجوع کرنے والے تھے ۱۸

ذا الأيد۔ یعنی بڑی قوت والے، ہمت والے، دین وتقویٰ کی راہ میں بڑے بڑے مجاہدے کر ڈالنے والے۔

أي ذا القوة في الدين المضطلع بمشاقه وتكاليفه. (كشاف، ج٤/ص:٧٥)

أي ذا القوة على أداء الطاعة والاحتراز عن المعاصي. (كبير، ج٢٦/ص:١٦١)

والأيد القوة في العلم والعمل. (ابن كثير، ج٤/ص:٢٧)

أوّاب۔ اللہ کی طرف بڑے رجوع کرنے والے۔

توّاب رجّاع إلى مرضاة الله. (كشاف، ج٤/ص:٧٥)

حضرت داؤدؑ، نبی وسلطان کی قوت وحشمت نیز زہد وتقویٰ پر ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔

عبدنا۔ لفظ عبد کو ضمیر متکلم کی طرف مضاف کر کے قرآن مجید نے اس سے کام اظہار تخصیص وتشریف ہی کا لیا ہے ــــــ عبدنا۔ ذا الأيد، أوّاب۔ یہ تین تین اوصاف صراحت سے بیان کر کے قرآن مجید نے اہل کتاب کے ان اتہامات کی تردید کر دی ہے جو انھوں نے حضرت داؤدؑ کی دینی واخلاقی زندگی پر لگائے ہیں۔

۱۸ سخرنا الجبال۔ والطير۔ تسبیح جبال وطیور پر حاشیے سورۃ الانبیاء (آیت نمبر ۷۹) میں گزر چکے۔

محشورة۔ یعنی ہر طرف سے آپ کے گرد جمع ہو جانے والے۔

أي محشورة إليه من كل جانب. (بيضاوي، ج٥/ص:١٦)

له۔ ضمیر حضرت داؤدؑ کی طرف ہے، اگر (ل) واسطہ یا ذریعہ مانا جائے۔

والضمير لداؤد. (روح، ج٢٣/ص:١٧٦)

له أوّاب۔ یعنی ان کی تسبیح کے باعث یہ بھی حق تعالیٰ کے اواب ہو گئے تھے۔

أي كل واحد من الجبال والطير لأجل تسبيحه رجاع إلى التسبيح. (بيضاوي، ج٥/ص:١٦)

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ⑳ وَهَلْ اَتٰىكَ

اور ہم نے ان کی سلطنت کو قوت دی تھی اور ہم نے انھیں حکمت اور فیصلہ کرنے والی تقریر عطا کی تھی ۱۹ بھلا آپ کو

نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۙ ㉑ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ

ان اہل مقدمہ کی خبر پہنچی ہے جب وہ دیوار پھاند کر حجرہ میں داؤد کے پاس آگئے

فَفَزِعَ مِنْهُمْ

اور آپ ان سے گھبرا گئے تھے ۲۰

والضمير لله تعالىٰ. (كبير،ج٢٦/ص:١٦٣)

بالعشى والاشراق۔ شام وصبح، کہ یہی ذکر وعبادت کے اوقات خصوصی رہتے ہیں۔

۱۹ ''فلسطین کی سب سے بڑی حکومت وہی تھی جو داوٗدؑ کے عہد میں قائم ہوئی تھی''۔(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد۷،ص۸۷، طبع چہار دہم) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

فصل الخطاب۔ اس کے معنی علم قضا کے بھی کیے گئے ہیں، اور فریقین کے درمیان فیصلہ صحیح کے بھی۔ اور بہتر یہ ہے کہ یہ لفظ قانون وسیاسیات سب پر حاوی سمجھا جائے۔

الفصل بين الخصوم بالحق. (جصاص عن الحسن،ج٣/ص:٣٨٠)

وهو كلامه عليه السلام فى القضايا والحكومات وتدابير الملك والمشورات. (روح،ج٢٣/ص:١٧٧)

الحکمة۔ حکمت سے مراد نبوت بھی لی گئی ہے، اور کمالات علمی وعملی بھی اور خوش فہمی بھی۔

أى النبوة وكمال العلم وإتقان العمل. (روح،ج٢٣/ص:١٧٧)

يعنى النبوة والإصابة فى الأمور. (معالم،ج٤/ص:٥٨)

۲۰ (کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو بجائے دروازے سے آنے کے خلوت خانہ کی دیوار پھاند کر آئے ہیں)

دروازے سے پہرہ داروں نے انھیں اس لیے آنے نہ دیا ہوگا کہ وہ وقت آپؐ کے آرام یا عبادت کا تھا، کچہری میں بیٹھ کر مقدمات فیصل کرنے کا نہ تھا۔

ففزع منهم۔ یعنی اس مجمع کے یوں بے اجازت اور ناوقت آنے سے آپ کو قدرۃً ہراس پیدا ہوا کہ کہیں یہ کوئی خونی اور حملہ آور تو نہیں۔

فخاف أن يؤذوه. (بحر، ج۷/ص:۳۹۱)

فخاف عليه السلام أن يؤذوه. (روح، ج۲۳/ص:۱۷۸)

یاد رہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ بھی تھے، اور بادشاہ کے دشمن بے شمار ہوا کرتے ہیں۔ شاہی محل میں کوئی بلا اجازت درآنہ گھس آئے، تو بادشاہ کو خوف واندیشہ پیدا ہوجانا عین مقتضائے بشریت ہے۔

پیمبر کے لیے جس طرح خوف، غم، مسرت وحیرت، طبعی جذبات سے متاثر ہوجانا بالکل جائز ہے، اسی طرح فزع سے بھی۔

طبعی جذبات وکیفیات (غصہ، غم، خوف، اندیشہ وغیرہ) کے طاری ہونے کو جو لوگ مرتبۂ ولایت کے منافی سمجھتے ہیں، وہ حضراتِ انبیاءؑ کے ان تاثراتِ طبعی کی مثالوں کو سامنے رکھ لیں۔ قرآن مجید نے یہ ساری تفصیلات بلاضرورت اور بے مصلحت تھوڑے ہی بیان کر دی ہیں!

الخصم۔ خصم کا اطلاق شخص واحد اور جماعت دونوں پر ہوتا ہے ــــــــــ یعنی فریق مقدمہ۔

الخصم اسم يقع على الواحد وعلى الجماعة. (جصاص، ج۳/ص:۳۷۹)

أطلق على الجمع. (بيضاوی، ج۵/ص:۱۷)

واستعمل للواحد والجمع. (راغب، ص:۱۶۸)

المحراب: محراب سے یہاں مراد آپؐ کا کوئی خاص کمرہ ہے۔

قيل المحراب الغرفة. (جصاص، ج۳/ص:۳۷۹)

وهو أشرف مكان في داره. (ابن كثير، ج٤/ص:۲۸)

قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا

وہ لوگ بولے آپ ڈریے نہیں ۲۱ (ہم) دو اہلِ مقدمہ ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے سو آپ ہم میں انصاف سے

بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِىْ ۫

فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے ۲۲ یہ شخص میرا بھائی ہے

۲۱ (ہمارے اس طرح بے قاعدہ اور بے وقت چلے آنے سے۔ ہم دشمن نہیں دوست، خیر خواہ ہیں، آپ کی رعایا ہیں، ایک مقدمہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں)

قالوا لاتخف۔ آپؑ کی پریشانی کو وہ مقدمہ والے بھی بھانپ گئے، جب ہی تو انھوں نے آپؑ کو اطمینان دلانا چاہا۔

مفسرین نے یہاں جس قصے کو تفصیل سے بیان کیا ہے اس کی بابت محققین کا فیصلہ ہے کہ:

قد ذكر المفسرون هاهنا قصة أكثرها مأخوذ من الإسرائيليات ولم يثبت فيها عن المعصوم حديث يجب اتباعه. (ابن کثیر، ج ٤/ص:٢٨)

"اہل تفسیر نے یہاں جس قصے کو بیان کیا ہے اس کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے اور رسول معصومؐ کی کوئی حدیث اس بارے میں وارد نہیں ہوئی ہے جس کا اتباع کیا جائے۔"

وذكر المفسرون في هذه القصة أشياء لا تناسب مناصب الأنبياء ضربنا عن ذكرها وتكلمنا على ألفاظ الآية. (بحر، ج ۷/ص:۳۹۱)

"مفسرین نے اِس قصے میں ایسی باتیں بھی بیان کر دی ہیں جو پیمبروں کے شایانِ شان نہیں، اس لیے ہم نے اُن سے قطع نظر کر لی ہے، اور اپنے بیان کی بنیاد صرف الفاظ قرآنی پر رکھی ہے۔"

۲۲ (صورتِ معاملہ سے متعلق)

حضرت داؤدؑ نبی تو تھے ہی، بحیثیت حاکم و فرماں روا اپنے عادلانہ اور جچے تلے فیصلوں کے لیے بھی خاص شہرت و امتیاز رکھتے تھے۔

خصمٰن کے صیغۂ تثنیہ سے یہ خیال نہ گزرے کہ تعداد میں یہ دو فرد تھے۔ یہ دو فریق تھے، اور آج بھی مستغیث اور ملزم دونوں کا یہ عام معمول ہے کہ اپنے ساتھ عزیزوں، گواہوں اور ہمدردوں

لَهٗ تِسۡعٌ وَّتِسۡعُوۡنَ نَعۡجَةً وَّلِىَ نَعۡجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ اَكۡفِلۡنِيۡهَا

اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے، سو یہ کہتا ہے وہ بھی مجھ کو دے ڈال

وَعَزَّنِىۡ فِى الۡخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدۡ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعۡجَتِكَ

اور بات چیت میں مجھے دباتا ہے ۲۳ (داؤد) نے کہا کہ اس نے تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کرکے

اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡخُلَطَآءِ لَيَبۡغِىۡ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ

واقعی تجھ پر ظلم کیا اور اکثر شرکاء (یوں ہی) ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں

اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مگر ہاں وہ لوگ نہیں جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے

کو لے کر عدالت جایا کرتے ہیں، تسوّروا، دخلوا، عنهم سب کے صیغۂ جمع سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ دو نہیں، کئی آدمی تھے۔

أی نحن فوجان متخاصمان. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۷)

الظاهر أنهم كانوا جماعة، فلذلك أتى بضمير الجمع. (بحر، ج۷/ص:۳۹۱)

فالمعنى أن التحاكم كان بين اثنين ولا يمتنع أن يصحبهما غيرهما وأطلق على الجميع خصم وعلى الفريقين خصمان. (بحر، ج۷/ص:۳۹۱)

۲۳ (اور اپنے آگے میری بات نہیں چلنے دیتا)

أخی۔ أخ سے لازمی طور پر نسبی بھائی ہی مراد نہیں ہوتا، دوست یا دینی بھائی بھی مراد ہو سکتا ہے۔

بالدين أو بالصحبة. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۷)

والمراد أخوة الدين، أو أخوة الصداقة والألفة أو أخوة الشركة والخلطة. (مدارك، ص:۱۰۱۹)

فاحكم...... لاتشطط۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ فریق مقدمہ کے لیے جائز ہے کہ حاکم سے اسی لہجے میں خطاب کرے۔

يدل على أن للخصم أن يخاطب الحاكم بمثله. (جصاص، ج۳/ص:۳۷۹)

وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ

لیکن ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں ۲۴ اور داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے، سو انھوں نے اپنے پروردگار کے سامنے توبہ کی

وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۩ ۲۴ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ

اور وہ جھک پڑے اور رجوع ہوئے ۲۵ ہم نے انھیں وہ معاف کردیا اور ہمارے ہاں ان کے لیے (خاص) قرب

السجدۃ

لہ......أکفلنیھا۔ عہد داؤدی میں فلسطین میں بھیڑوں، دنبیوں کی گلہ بانی کا عام رواج تھا۔

۲۴ حضرات انبیاء علیہم السلام کوئی ضمنی اور اتفاقی موقع بھی تبلیغ کا ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ــــــ یوسف علیہ السلام نے جیل خانہ میں ایک قیدی کی تعبیر خواب پوچھنے پر ان لوگوں کے سامنے ایک مستقل وعظ ردّ شرک واقرار توحید میں فرما ڈالا۔

إنّ ......بعض۔ یہ سارا فقرہ مسلک شرک پر ایک تعریض ہے۔

وقلیل ماھم۔ ما زائدہ ان کی قلت پر اظہار تعجب کے لیے ہے، جیسے اردو میں کہیں ''اور وہ کتنے کم ہیں''۔

وما مزيدة للابهام والتعجب من قلتهم. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۷)

وما زائدة تفيد معنى التعظيم والتعجب. (بحر، ج۷/ص:۳۹۳)

۲۵ (اپنے پروردگار کی طرف خاص طور سے)

وظنّ داؤد۔ آپؑ کی اپنے نفس سے یہ بدظنی غایت خشیت وتقویٰ کی بنا پر تھی ــــــ ظن کا لفظ خاص طور پر نظر میں رہے، قرآن مجید خود کسی واقعہ کا اثبات نہیں کرتا، صرف آپؑ کے اس ''خیال'' کو بیان کررہا ہے۔

أنّما فتنّٰہ۔ یعنی یہ مقدمہ بھیج کر کہیں خود ان کے صبر وتحمل کا امتحان نہ لیا ہو ــــــ ان مقدمہ والوں کے یوں بے محابا چلے آنے اور پھر اپنی گفتگو میں آپؑ کا مرتبۂ سلطانی ملحوظ نہ رکھنے سے متعدد پہلو آپؑ کے لیے ناگواری اور اشتعال طبع کے نکلتے تھے۔ امتحان اس کا مقصود تھا کہ آیا آپؑ ان گستاخیوں پر دار وگیر کرتے ہیں، یا غلبۂ نور نبوت سے عفو ودرگزر سے کام لیتے ہیں۔

فاستغفر۔ یہ استغفار ہر اس لغزش یا کوتاہی سے تھا، جو نبی معصوم سے ہوگئی ہو۔

خرّ راکعاً۔ رکوع کو یہاں سجدہ کے معنی میں بھی سمجھا گیا ہے۔

وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ

اور نیک انجامی ہے ۲۶ اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے

روی أن معناه خر ساجدا فعبر بالركوع عن السجود. (جصاص،ج۳/ص:۳۷۹)

لاخلاف بين العلماء أن الركوع هاهنا السجود. (ابن العربی،ج۴/ص:۵۷)

أی خر ساجداً. (ابن کثیر،ج۲۳/ص:۱۸۳)

خرور کے لفظی معنی زمین کی طرف جھکنے کے ہیں۔

الخرور الهوی إلى الأرض. (بحر،ج۷/ص:۳۸۹)

۲۶ (ان کے مرتبۂ نبوت کے شایانِ شان)

موجودہ بائبل میں حضرات انبیاء کی عجیب مٹی پلید کی گئی ہے، اوراس میں جو کچھ کورکسر رہ گئی تھی وہ تالمود وغیرہ یہود کے دوسرے مذہبی نوشتوں نے پوری کردی۔ قرآن مجید انبیاء (خصوصاً انبیائے بنی اسرائیل) کی مقبولیت وصالحیت کا پُرزور اثبات بار بار انھی اتہامات کی تردید میں کرتا جاتا ہے۔

فغفرنا لهٗ۔ یعنی ہم نے اس سے اس کمی کا بھی ازالہ کردیا، جو ان کے مرتبہ ومعیار کے مطابق ان کے اجرِ کمال صبر پر مرتب ہوتا۔

ذلك۔ یعنی خفیف سی غفلت اوران کے مرتبۂ نبوت کے لحاظ سے لغزش۔

أی زلته. (مدارك،ص:۱۰۲۰)

یہاں بعض لوگوں نے ایک بے سروپا روایت اسرائیلیات سے لے کر نقل کردی ہے، لیکن محققین کا فیصلہ یہی ہے کہ ایسی روایت کسی عام مرد صالح کے حق میں بھی قابل قبول نہیں، چہ جائے کہ ایک نبی برحق کے حق میں۔

وذكر المفسرون فى هذه القصة أشياء لاتناسب مناصب الأنبياء، ضربنا عن ذكرها صفحاً، وتكلمنا على ألفاظ الآية. (بحر،ج۷/ص:۳۹۱)

''مفسرین نے اس قصے میں ایسی باتیں بیان کردی ہیں جو پیمبروں کے مرتبہ کے کسی لائق نہیں ہیں، اوراس لیے ہم نے اس سے قطع نظر کرلی ہے اور صرف الفاظ قرآنی سے واسطہ رکھا ہے۔''

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ

سو لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرتے رہئے اور (آیندہ بھی) نفسانی خواہش کی پیروی نہ کیجئے کہ وہ اللہ کے راستے سے

سَبِيلِ اللّٰهِ ؕ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ

آپ کو بھٹکا دے گی، بے شک جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے

ع ۱۲/۲
بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

اس پر کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے ۲۷ اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے

اور انھی صاحب بحر ابو حیان مفسر و محدث نے آگے چل کر لکھا ہے کہ پیمبرانِ معصوم سے بھی اگر اخلاقی لغزشیں تسلیم کرلی جائیں تو سارا نظامِ شریعت ہی درہم برہم ہو جائے، اس لیے ہم نے صرف وہ لکھ دیا، جو الفاظ قرآنی سے نکلتا ہے اور قصہ گویوں نے جو کچھ منافی مرتبۂ نبوت بیان کیا ہے اس سے قطع نظر کرلی ہے۔

ويعلم قطعاً أن الأنبياء معصومون من الخطايا، لا يمكن وقوعهم في شيئ منها ضرورة ان لو جوزنا عليهم شيئاً من ذلك بطلت الشرائع، ولم تثق بشيئ مما يذكرون أنه أوحى الله إليهم، فما حكى الله تعالىٰ في كتابه يمر على ما أراده الله تعالىٰ، وما حكى القصاص مما فيه غض من مناصب النبوة طرحناه. (بحر، ج۷/ص:۳۹۳)

مفسر ابن کثیر کی عبارت ابھی چند ہی سطریں قبل نقل ہو چکی ہے۔

۲۷ (اور چونکہ آپ یوم حساب کو خوب یاد رکھے ہوئے ہیں، اس لیے آپ کے لیے ان وعیدوں کا احتمال ہی نہیں)

خليفة في الأرض۔ "خليفة الله" کا استعمال صرف پیمبر کے حق میں ہوا ہے، خلفائے راشدین کو خلیفۂ رسول اللہ کہا گیا ہے، بلکہ تیسری خلافت راشدہ سے تو اصطلاح امیر المؤمنین کی چل گئی۔ ہر خلیفۂ راشد گویا خلیفہ کا خلیفہ ہوا ہے۔

ولا تتبع الهوىٰ۔ اپنی خواہش نفسانی کی پیروی نہ کیجئے، جیسا کہ اب تک بھی نہیں کی

بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾

بے حکمت نہیں پیدا کیا ہے، یہ تو ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں، سو کافروں کے لیے بڑی خرابی ہے یعنی دوزخ ۲۸

ہے۔۔۔۔۔ پیمبر اگر معصوم ہوتے ہیں تو یہ عصمت بھی تو اُن میں اللہ کے حکم کے بعد اور اپنے کو محفوظ ومعصوم رکھنے ہی سے پیدا ہوتی ہے، یہ کہیں تھوڑے ہی ہوتا ہے کہ ان کی خلقت ہی فرشتوں کی طرح شروع سے ایسی رکھ دی جائے کہ کسی قسم کی لغزش کا امکان ہی نہ رہے۔

داؤد...... بالحق۔ داؤد علیہ السلام بزرگوں کے بزرگ یعنی پیمبر برحق ہیں۔ اس پر بھی انھیں خلافت ارضی کے مرتبہ پر رکھا جاتا ہے، اور ان کے سپرد ایک پوری سلطنت کے ملکی انتظامات اور قانونی فیصلے کیے جاتے ہیں، جن سے بڑھ کر مشغولیت کی مثال اور ہو کیا سکتی ہے!۔۔۔۔۔ یہ سب قرآنی تصریحات ان لوگوں کے لیے باعث غور وتدبر ہیں جنھوں نے یکسر گوشہ نشینی ہی کو بزرگی وفضیلت کا معیار قرار دے رکھا ہے!

فاحکم بین الناس بالحق۔ خلافت راشدہ کا بھی اصل کام شریعت محمدیؐ کا نفاذ تھا، اور خلیفۂ اوّل کے انتخاب کے وقت معیار اسی کو رکھا گیا تھا، یعنی تجربہ کاری، حسن تدبیر، قوتِ تنفیذ، صلاحیت انتظام، نہ کہ ذاتی تقدس وتقویٰ۔۔۔۔۔ شیعہ سنی اگر اس تفسیر وشرح کو پیش نظر رکھیں تو بکرؓ وعلیؓ کے درمیان مقابلہ بہت ہی قلیل رہ جائے!

بما نسوا یوم الحساب۔ سارے عذاب کی بنیاد آخرت فراموشی ہوگی۔

۲۸ یہاں مومن وکافر کے اساسی نقطۂ نظر کا فرق بیان کردیا ہے۔ مومن کی نظر میں تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں کا جلوہ حوادث کائنات کے ایک ایک جزئیہ سے نمایاں رہتا ہے، برخلاف اس کے جس کا ایمان توحید پر نہیں، وہ اس سارے کارخانے کو بس مادی ہی قوانین کا محکوم وتابع سمجھتا ہے، اور اس کی نظر سے مقصدی حکمتیں بالکل گم ہوتی ہیں۔۔۔۔۔ اور جو فلاسفۂ مادیین کہلاتے ہیں، ان کا تو کھلا ہوا یہی مسلک ہے۔

من النار۔ من یہاں بیانیہ یا تشریحی ہے، اس لیے ترجمہ ''یعنی'' سے کیا گیا ہے۔

من ابتدائية أو بيانية أو تعليلية. (روح، ج۲۳/ص:۱۸۸)

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی

کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے، ان کے برابر کردیں گے جو دنیا میں فساد کرتے

الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ

پھرتے ہیں، کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کردیں گے؟ ۲۹ یہ (قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے

وماخلقنا...... بینھما۔ متکلمین اہل سنت نے آیت کے اس جز سے معتزلہ کے مقابلے میں استدلال کیا ہے کہ حق تعالیٰ ہی بندوں کے افعال کا بھی خالق ہے۔

واحتج أصحابنا رحمهم الله بأن هذه الآية تدل على كونه تعالىٰ خالقاً لأعمال العباد فقالوا هذه الآية تدل على كونه خالقاً لكل مابين السموات والارض، وأعمال العباد حاصلة بين السماء والأرض، فوجب أن يكون الله تعالىٰ خالقاً لها. (كبير، ج۲٦/ص:۱۷۵)

باطلاً۔ باطل یہاں مقابلہ پر حق کے ہے، یعنی بے حکمت، بے مصلحت، بے مقصد، کائنات کے ایک ایک ادنیٰ جز میں خدا ہی کو معلوم ہے کہ کتنے کتنے مقصد چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ بے مقصد تخلیق خداوندی کا نظریہ تمام تر کافرانہ عقیدہ ہے۔

باطلاً۔ یعنی بے مقصد، بلا حکمت، یوں ہی بلا کسی غرض صحیح کے محض بخت واتفاق سے۔

الذین کفروا۔ بعض لوگوں نے اپنے کو اس بنیادی وکلیدی اعتقاد سے محروم رکھا۔

ذلك ظن الذین کفروا۔ یہاں صاف کہہ دیا ہے کہ کائنات کو بے مقصد سمجھنے کا نظریہ تو کافروں کا ہے نہ کہ کسی اہل ایمان کا ______ قدیم ملحد فلاسفہ کا مذہب یہی رہا ہے کہ تکوین کائنات محض بخت واتفاق ہے، بلا کسی مقصدی تخلیق کے ہوگئی ہے، اور آج کے ملحدین کا بھی نظریہ یہی ہے، اور ملحدوں اور مومنوں کے عقائد کے درمیان یہ ایک اہم بنیادی فرق ہے۔ اہل ایمان کے ایمان کا سنگ بنیاد یہ ہے کہ آفرینش کائنات ایک حکیم مطلق کی قوت ارادی کا نتیجہ ہے۔

۲۹ (ہرگز نہیں)

مطلب یہ ہوا کہ وقوع قیامت کی تو خود ایک بڑی حکمت وغایت یہ ہے کہ جزا وسزا کامل ہو، اور مفسدوں، بدکاروں، منکروں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ اب جو نادان وقوع قیامت کے منکر

لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ

تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تا کہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں ۳۰ اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا

نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ

وہ بہت اچھے بندے تھے، وہ بہت بڑے رجوع ہونے والے تھے ۳۱ (وہ قصہ بھی قابل ذکر ہے) جب شام کے وقت ان کے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے

ہیں، وہ اس حکمت کو بھی نا قابل اعتناء سمجھ رہے ہیں۔

کالمفسدین فی الأرض۔ یہ مفسدین فی الأرض وہی لوگ ہیں، جو قانونِ شریعت سے بغاوت کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں، اور جس کا ایک لازمی نتیجہ فساد فی الأرض ہے۔ قانونِ شریعت میں رعایتیں تمام تر امن عالم و اصلاح خلق و منع جرائم کی رکھ دی گئی ہیں، اس قانون کے بجائے کسی بھی انسانی ساختہ کے قانون کو رائج کرنا، خلائق کے درمیان بدنظمی و فساد کو دعوت دیتا ہے۔

۳۰ (اور اس تذکر یا نصیحت حاصل کرنے میں اعتقاد رسالت اور ساری بنیادی اور فرعی تعلیماتِ الٰہی آگئیں)

لیدّبروا آیتہ۔ یعنی اس کی آیتوں میں غور کرکے یہ دیکھیں کہ اس کا قانون کیسا جامع اور کامل ہے ـــــ اہل فہم جتنا بھی غور کریں گے، ان پر ہدایات قرآنی کی مصلحتیں، حکمتیں، خوبیاں اور زیادہ ہی واضح ہوتی جائیں گی!

اہل تحقیق نے کہا ہے کہ لیدّبّروا سے اشارہ علم کی جانب ہو سکتا ہے، اور لفظ لیتذکروا سے عمل کی جانب۔ اس بابرکت کتاب کی برکتیں جب ہی پوری طرح ظاہر ہوں گی، جب پہلے اس کا علم حاصل کیا جائے اور پھر اس علم پر عمل۔

۳۱ (اللہ کی طرف، اور اس کے بڑے سچے پرستار اور موحد تھے، نہ کہ معاذ اللہ مشرک یا نیم مشرک، جیسا کہ بائبل اور دوسرے اسرائیلی نوشتوں میں آپؑ کو ظاہر کیا گیا ہے)

حضرت سلیمانؑ (۹۹۹ ق م تا ۹۳۰ ق م) حضرت داؤدؑ کے فرزند و جانشین، علاوہ پیمبر برحق ہونے کے شام و فلسطین کے عظیم الشان بادشاہ بھی تھے۔ آپؑ پر مفصل حاشیہ سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۰۲، وما کفر سلیمان کے تحت میں گزر چکا ہے۔

الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ إِنِّيٓ أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ۚ حَتَّىٰ تَوَارَتْ

پیش کیے گئے ۳۲ تو کہنے لگے میں نے ان بہترین گھوڑوں کی محبت اپنے رب کے ذکر کی خاطر اختیار کی ہے، یہاں تک کہ وہ اوٹ میں

بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ

چھپ گئے ۳۳ ان گھوڑوں کو پھر میرے سامنے لاؤ، پھر انھوں نے ان کی پنڈلیوں اور

نعم العبد۔ یہ وصف حضرت داؤدؑ کا بھی ہوسکتا ہے، لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ یہ وصف حضرت سلیمانؑ کا ارشاد ہوا ہے۔

المخصوص بالمدح فی نعم العبد محذوف، فقیل هو سليمان، وقيل داؤد والأول أولىٰ. (کبیر، ج۲۶/ص:۱۷۷)

أی سلیمان. (روح، ج۲۳/ص:۱۸۹)

نعم العبد اور أوّاب۔ آپؑ کے دونوں اوصاف یہود کی تردید میں ارشاد ہوئے ہیں، جنھوں نے آپؑ کو بدنام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے، اور اپنے صحائف آسمانی تک میں یہ لغویات درج کردیے ہیں۔

۳۲ (اور آپؑ خوش ہوکر ان کا جائزہ لیتے رہے)

الصفنٰت الجیاد۔ اور ظاہر ہے کہ یہ گھوڑے سیر و تفریح، نمایش اور شان و شوکت کے لیے نہیں، بلکہ غزا و جہاد وغیرہ عین دینی اغراض کے لیے تھے۔

والصواب أن نقول إن رباط الخيل كان مندوباً إليه فی دينهم كما أنه كذلك فی دين محمد صلى الله عليه وسلم. (کبیر، ج۲۶/ص:۱۸۰)

اور گھوڑے اس دور میں موٹروں، فوجی موٹروں اور ہر قسم کی اعلیٰ سواریوں کے قائم مقام تھے۔

آپؑ کے ۱۲ ہزار سواروں اور آپؑ کے گھوڑوں کے لیے ۴۰ ہزار تھانوں کا ذکر توریت میں بھی آیا ہے: "اور سلیمان کی گاڑیوں کے گھوڑوں کے لیے چالیس ہزار تھان تھے اور بارہ ہزار سوار تھے"۔ (۱۔سلاطین،۴: ۲۶)

۳۳ یعنی نظروں سے غائب ہوگئے ــــــ اور دوڑ کے وقت گھوڑوں کا اتنی دور نکل

جانا ذرا بھی مستبعد نہیں۔

حب الخیر۔ خیر یہاں خیل کے معنی میں ہے، اور یہ محاورہ عرب میں عام ہے۔

الخير الخيل. (قاموس، ص:٣٦٣، أقرب، ص:٣١١)

اسپان۔ (منتہی الأرب، ج۱/ص:۵۷۸)

والعرب تسمى الخيل الخير، لما فيها من الخير. (تاج، ج٦/ص:٣٧٨)

متعدد ائمہ تفسیر نے اہل لغت کی اس تصریح کو قبول کر کے نقل کیا ہے:۔

يراد به الخيل والعرب تسمى الخيل الخير قاله قتادة والسدى. (بحر، ج٧/ص:٣٩٦)

أعني بالخير في هذا الموضع الخيل والعرب في مابلغني تسمى الخير والخيل.

(ابن جرير) أى المال والخيل. (ابن جرير عن قتادة، ج ٢١/ص:١٩٤)

وأراد بالخير: الخيل، والعرب تعاقب بين الراء واللام. (معالم، ج٤/ص:٦٨)

سمى الخيل خيراً لتعلق الخير بها كما جاء في الحديث. (نيشاپورى، ج٥/ص:٥٩٣)

توارت۔ تقدیر کلام بالعشی کی مناسبت سے یوں سمجھی گئی ہے: توارت الشمس، لیکن محققین ہی کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ توارت کی ضمیر شمس کی طرف نہیں، جس کا قرآن نے نام بھی نہیں لیا، بلکہ صافنات کی طرف عائد ہوتی ہے ــــــ یعنی گھوڑے اصطبل میں چلے گئے، یا دوڑتے دوڑتے نظر سے غائب ہو گئے۔

والظاهر أن الضمير في توارت عائد على الصافنات أى دخلت اصطبلاتها فهى في الحجاب، وقيل حتى توارت في المسابقة بما يحجبها عن النظر. (بحر، ج٧/ص:٣٩٦)

أى غابت عن بصره. (كبير، ج٢٦/ص:١٨٠)

أى توارت الخيل. (نيشاپورى، ج٥/ص:٥٩٤)

إني أحببت......ربي۔ یعنی میں جو ان گھوڑوں کو اس درجہ عزیز رکھتا ہوں، یہ کسی حب جاہ یا حب مال کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس سامانِ جہاد کو عین رضائے الٰہی کی خاطر عزیز رکھتا ہوں۔

وأمر بإحضار الخيل وذكر أني لا أحبها لأجل الدنيا وحظ النفس وإنما أحبها لأمر الله وطلب تقوية دينه. (نيشاپورى، ج٥/ص:٥٩٣)

وَالْاَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا

گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا ٣٤ اور ہم نے سلیمان کو امتحان میں ڈالا اور ہم نے ان کے تخت پر ایک ادھورا جسم ڈالا

عـــن تعلیلیہ بھی ہوتا ہے۔ ”اس وجہ سے“ ”اس بنا پر“ ”اس کی خاطر“ کے معنی میں، جیسا کہ ”مغنی اللبیب“ میں اس عنوان کے تحت قرآن مجید کی دوسری آیتوں سے مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

مثلاً: إلّا عن موعدة (التوبة:١١٤) وما نحن بتاركي آلهتنا عن قولك (هود:٥٣) (مغنی اللبیب ،ص:١٩٧)

أي آثرت حب الخير ولزمته لأنّ ربي أمرني بارتباطها ولم يصدر حب هذه المحبة الشديدة إلا عن ذكر الله وأمره. (نیشاپوری، ج٥/ص:٥٩٣)

٣٤ (جیسا کہ گھوڑوں سے ان کا پیار کرنے والا مالک کرتا رہتا ہے)

یہ معنی بالکل صاف اور بے غبار ہیں، اور ان کے لیے کسی دور از کار تاویل کی حاجت نہیں ـــــــــ اور قدیم ترین مفسر طبری ہی نہیں، ابن عباس صحابیؓ تک سے یہ منقول ہیں۔

ثم أمر الرائضين بأن يردوا تلك الخيل إليه ، فلما عادت إليه طفق يمسح مسحاً بسوقها وأعناقها، تشريفاً لها وإظهاراً لعزتها لكونها من أعظم الأعوان في دفع العدو. (كبير، ج٢٦/ص:١٨٠، نيشاپوری، ج٥/ص:٥٩٤)

جعل يمسح أعرافها وعراقيبها بيده حُباً لها. (ابن جرير، ج٢١/ص:١٩٦)

عن ابن عباس جعل يمسح أعراف الخيل وعراقيبها حُباً لها. (ابن جرير، ج٢١/ص:١٩٦)

وهذا القول الذي ذكرناه عن ابن عباس أشبه بتاويل الآية. (ابن جرير، ج٢١/ص:١٩٦)

عن ابن عباس رضي الله عنهما جعل يمسح أعراف الخيل وعراقيبها حباً لها وهذا القول اختاره ابن جرير. (ابن كثير، ج٤/ص:٣١)

ہمارے بعض مفسرین نے (اللہ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے) اس مقام پر بعض عجیب عجیب قصے یہود کی کتابوں سے نقل کر دیے ہیں، جو کسی طرح بھی حضرت سلیمانؑ جیسے پیمبر برحق کے شایانِ شان نہیں، لیکن محققین نے ان کے قبول کرنے سے قطعی انکار کر دیا ہے۔ چنانچہ امام المفسرین

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

أقول أنا شديد التعجب من الناس كيف قبلوا هذه الوجوه السخيفة مع أن العقل والنقل يردها، وليس لهم في اثباتها شبهة فضلاً عن حجة.

مجھے بڑی حیرت لوگوں پر ہے کہ انھوں نے ایسی رکیک حکایات کو قبول ہی کیسے کرلیا، جب کہ عقل ونقل دونوں ان کی تردید کررہے ہیں اور ان کی تائید میں کوئی دلیل تو کیا ہوتی، احتمالات تک بھی نہیں۔

اور مسح کی تفسیر ہاتھ پھیرنے یا ہاتھ تھپکنے سے کرنے کے بعد امام موصوف لکھتے ہیں کہ

فهذا التفسير الذي ذكرناه ينطبق عليه لفظ القرآن انطباقاً مطابقاً موافقاً، ولا يلزمناه نسبة شيئ من تلك المنكرات والمحذورات. (كبير، ج۲۶/ص:۱۸۰)

''یہ تفسیر جو ہم نے بیان کی ہے الفاظ قرآنی اسی پر تمام تر صادق و منطبق ہوتے ہیں اور اس سے ان منکرات و مہملات میں سے کوئی بھی لازم نہیں آتے۔''

مسح کے ایک معنی بے شک قطع کرنے کے بھی آئے ہیں، لیکن یہ اس صورت میں جب کہ مسح بالسیف وارد ہو، ورنہ مسح کے عام معنی تو ہاتھ پھیرنے یا ہاتھ سے تھپتھپانے ہی کے ہیں۔

قال ابن عباس والزهري: مسحه بالسوق والأعناق لم يكن بالسيف بل بيده تكريماً لها ومحبة ورجحه الطبري. (بحر، ج۷/ص:۳۹۶)

پس شروع کرد، دست رسانیدن بر ساقہا و گردنہا۔ (ولی اللہ دہلویؒ)

پس شروع کیا ہاتھ پھیرنا پاؤں اور گردن پر۔ (رفیع الدین دہلویؒ)

اور صاحب بحر نے ثعلبی کا بھی قول اسی معنی میں نقل کرکے لکھا ہے:

لانها القول هو الذي يناسب مناصب الأنبياء إلا القول المنسوب للجمهور فإن في قصته مالايليق ذكره بالنسبة للأنبياء. (بحر، ج۷/ص:۳۹۶)

''یہی قول وہ ہے جو منصب انبیاء کے لائق ہے، نہ کہ وہ قول جو جمہور کی جانب منسوب ہے، اس لیے کہ اس قول میں ایسی باتیں ہیں جو کسی طرح انبیاء کے لائق نہیں۔''

ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ

رجوع کیا ۳۵ دعا مانگی اے میرے پروردگار! میرا قصور معاف کر اور مجھے ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو

۳۵ اسلامی روایتوں میں (جو نہ روایۃً ہی اعلیٰ درجہ کی ہیں اور نہ عقلاً آسانی سے قابل قبول) آتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے محل میں ۷۰ کی تعداد میں حرم تھے۔ اولاد کی خواہش خصوصاً غزا وجہاد کے اغراض سے دل میں پیدا ہونی قدرتی تھی۔ ایک روز آپ کے دل میں آیا کہ ایک شب میں اگر کل حرم حمل سے رہ جائیں، تو سو کڑیل جوان غزا و جہاد کے لیے ہاتھ آسکتے ہیں، ارادے پر عمل بھی فرمایا، لیکن نتیجہ حسب مراد نہ نکلا، صرف ایک خاتون کے حمل رہا اور ان سے بھی اولاد ناقص الخلقت پیدا ہوئی۔ (۷۰ یا ۱۰۰ بیویوں سے ایک ہی شب میں شب باش ہونا کیسے آسانی سے قابل قبول ہے؟) جس کا جسم لاکر کرسی پر ڈال دیا گیا۔

والقینا علیٰ کرسیه جسداً۔ اس کے تحت میں امام رازیؒ نے دو معنی اور بھی بلا قبول کیے لکھے ہیں: ایک یہ کہ کنایہ حضرت سلیمانؑ کے شدت مرض وغایت ضعف سے ہے۔

وذلك لشدة المرض، والعرب تقول فی الضعیف إنه لحم علی وضم وجسم بلاروح.

دوسرے معنی مجازی یہ کہ وہ خطرات سے گھر گئے، اور شدت خوف سے جسم بے جان ہو کر رہ گئے۔

ابتلاه اللّٰه تعالیٰ بتسلیط خوف أو توقع بلاء من بعض الجهات علیه، وصار بسبب قوة ذلك الخوف كالجسد الضعیف الملقی علی ذلك الكرسی.

اور پھر انھیں کی مناسبت سے ثم أناب کی بھی دو تعبیریں درج کی ہیں:

ایک یہ کہ ان کی تندرستی عود کر آئی۔

أی رجع إلی حال الصحة.

اور دوسرے یہ کہ وہ خوف اور اندیشہ دور ہو گیا، اور وہ قوت وبشاشت قلب کی طرف لوٹ آئے۔

أزال اللّٰه تعالیٰ عنه ذلك الخوف، وأعاده إلی ما كان علیه من القوة وطیب القلب. (كبیر، ج ۲٦، ص: ۱۸۲)

مِنۢ بَعۡدِیۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرۡنَا لَهُ الرِّيۡحَ تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖ

میسّر نہ ہو، بے شک تو بڑا ہی دینے والا ہے ۳۶ پھر ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے

رُخَآءً حَيۡثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيۡنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيۡنَ

جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی اور سرکش جنوں کو بھی (ان کا تابع کر دیا) یعنی تعمیر کرنے والوں کو اور غوطہ خوروں کو، اور دوسروں کو بھی

ثم اناب۔ آپؑ کو اپنی اس غفلت پر، کہ حق تعالیٰ پر بھروسہ کے بجائے اپنی تدبیر پر اعتماد کیا، معاً تنبہ ہوا، اور آپ نے فوراً توبہ واستغفار کیا۔ یہ لغزش کوئی معصیت کے درجہ کی چیز ہرگز نہ تھی، جیسا کہ ظاہر ہے، لیکن آپؑ کے مرتبۂ نبوت سے اتنی غفلت بھی فروتر تھی۔

بعض قصے اس سلسلے میں سرتاسر مہمل، ہماری کتابوں میں بار پا گئے ہیں۔ محققین ان کے یکسر منکر ہیں۔ امام رازیؒ نے فرمایا ہے:۔

اعلم أن أهل التحقيق استبعدوا هذاالكلام من وجوه. (كبير، ج۲۶/ص:۱۸۲)

"محققین نے اس کلام کو دلائل کے ساتھ رد کر دیا ہے۔"

اور ابن کثیر نے قصے کو نقل کرنے کے بعد لکھ دیا ہے:

وقد رويت هذه القصة مطولة عن جماعة من السلف رضى الله عنهم كسعيد بن المسيب وزيد بن أسلم و جماعة آخرين و كلها ملتقاة من قصص أهل الكتاب، والله سبحانه و تعالىٰ أعلم بالصواب. (ابن كثير، ج۴/ص:۳۳)

"میں نے یہ طویل قصہ سلف کی ایک جماعت مثلاً سعید بن مسیب اور زید بن اسلم اور متاخرین سے نقل کر دیا ہے، لیکن یہ سارے کا سارا اہل کتاب سے ماخوذ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جاننے والا ہے۔"

اور صاحب بحر نے قصہ کے بعض اجزا کی تردید وتغلیط کے بعد لکھا ہے:۔

وإنما هذه مقالة مسترقة من زنادقة السوفسطائية. (بحر، ج۷/ص:۳۹۷)

یہ مضمون (جو بعض تفسیروں میں بھی جگہ پا گیا ہے) سوفسطائی زندیقوں کے ہاں سے چرایا گیا ہے۔

۳۶ حضرت کو احساس اس کا ہوا کہ یہ جو یادِ الٰہی میں غفلت کسی درجہ میں بھی واقع

ہوئی، اس کا منشا سامانِ جہاد وغیرہ میں انہماک تھا، اور خود کثرتِ اولاد کی تمنا جو آپؑ کے دل میں پیدا ہوئی تھی، اس کا منشا بھی یہی خیال جہاد تھا۔

لیکن اگر کسی معاصر کے پاس زیادہ قوت و اقتدار ہی نہ ہو تو اس سے مقابلہ و مقاتلہ کے لیے بھی زیادہ ساز و سامان کی ضرورت نہ باقی رہ جائے، اس لیے آپؑ کی یہ دعا بھی درحقیقت دوسروں کے حق میں بددعا نہیں، بلکہ آپؑ کے کمال دینداری ہی کی شہادت دے رہی ہے۔

ھب...... بعدی۔ یعنی تا کہ جہاد و قتال کی، اور اس کے لیے زیادہ ساز و سامان کی ضرورت ہی باقی نہ رہے، اور یہ ساز و سامان خود میری نبوت پر ایک مستقل دلیل بن جائے۔

لیصیر اقتداری علیها معجزة تدل علی صحة نبوتی ورسالتی. (کبیر، ج۲۶/ص:۱۸۳)

من بعدی۔ بعد ہمیشہ تاخر زمانی ہی کے لیے نہیں آتا ہے "علاوہ" اور "سوا" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ خود قرآن مجید ہی میں ہے: فمن یهدیه من بعدالله (سورة الجاثیة: ۲۳)۔ یہاں بعد صاف غیر کے معنی میں ہے۔ چنانچہ یہاں من بعدی، من غیری کے مرادف ہے۔

أی سوای. (جلالین، ص:۶۰۲)

أی لا یصح لأحد غیری. (روح، ج۲۳/ص:۲۰۰)

أی دونی. (مدارك، ص:۱۰۲۲)

رب اغفرلی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمانؑ سے کوئی معصیت بھی صادر ہوئی ہو۔ حضرات انبیاء علیہم السلام تو غلبۂ خشیت سے استغفار بات بات پر کرتے رہتے ہیں، اور ہمارے حضور سرورِ کائنات تو دن میں ستر ستر بار استغفار کرتے تھے، یہ استغفار ہرگز عصمت نبوی کا قادح نہیں۔

هذا أدب الأنبیاء والصالحین من طلب المغفرة من الله هضماً للنفس وإظهاراً للذلة والخشوع وطلباً للترقی فی المقامات. (بحر، ج۷/ص:۳۹۷)

......ولأنهم أبداً فی مقام هضم النفس وإظهار الذلة والخضوع. (کبیر ج۲۶/ص:۱۸۲)

وھب لی ملکاً۔ اپنے لیے ملک و سلطنت تک کی تمنا کرنا، جب کہ غرض صحیح کے ساتھ ہو، مرتبۂ پیمبری کے بھی منافی نہیں، چہ جائے کہ مرتبۂ ولایت و مقبولیت عامہ کے۔

مُقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ﴿٣٨﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾

جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے ۳۷ یہ ہماری بخشش ہے سو خواہ کسی کو دو یا نہ دو، تم پر کچھ حساب نہیں ۳۸

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٠﴾

اور یقیناً ان کے لیے ہمارے ہاں (خاص) قرب اور نیک انجامی ہے ۳۹

وقف لازم ۴ع ۱۲

۳۷ (کسی جرم کی بنا پر)
مطلب یہ ہوا کہ ہم نے یہ سامان کثیر انھیں دے کر معاصر سلاطین کو ان سے پست و مغلوب کر دیا۔

فسخرنا...... أصاب۔ آپ کی تسخیر ہوائی پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ سورۂ سبا، آیت ۱۲ ولسلیمٰن الریح غدوها. الخ کے ماتحت اور سورۃ الأنبیاء میں آیت ۸۱ ولسلیمٰن الریح عاصفة.. الخ کے ماتحت۔

والشیطین ۔ آپؑ کی تسخیر جناتِ خبیث کا ذکر پہلے حاشیوں میں آچکا۔

بنّاء...... الأصفاد۔ بعض جنات تعمیرات کے ماہرین میں تھے، اور بعض غواصی کر کے موتی وغیرہ نکال لاتے تھے، اور انھی میں سے جو مجرم ہوتے تھے، وہ بطور سزا زنجیروں میں جکڑ دیے جاتے تھے۔

۳۸ یعنی تم اس سارے ساز و سامان، مال و جاہ کے محض خازن یا امین نہیں ہو، مالک ہو، اور ہر طرح تصرف کے مجاز و مختار، تم سے حساب کتاب نہ دینے پر ہوگا اور نہ، نہ دینے پر۔

أي لاحساب عليك فى ذلك. (مدارك، ص: ۱۰۲۳)

آیت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ شریعت اسلامی میں بادشاہ ہمیشہ اور لازمی طور پر خزائن ملک کا محض امین و متولی ہی نہیں ہوتا، مالک و مختار مطلق بھی ہو سکتا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ سالک کا بڑا سرمایہ جمعیت قلب ہے، اس لیے محققین صوفیہ کو اس کا بڑا اہتمام رہتا ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۴۰۹)

۳۹ اوپر ساز و سامان دنیوی کا بیان تھا، اب مقبولیت عند اللہ و اجر اخروی کا بیان ہے۔

حضرت سلیمانؑ کی مقبولیت و برگزیدگی کی یہ تصریحات بار بار اس لیے اور بھی آئی ہیں کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے نوشتوں میں آپؑ کو دل کھول کر بدنام کیا ہے، اور ہر طرح کی بدعقیدگی، برگشتگی وغیرہ کے الزامات آپؑ پر تھوپ دیے ہیں۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ

اور آپ ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجئے ۴۰ جب کہ انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج

وَّعَذَابٍ ؕ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾

وآزار پہنچایا ہے ۴۱ اپنا پاؤں زمین پر مارو، یہ ٹھنڈا پانی ہے نہانے کا اور پینے کا ۴۲

۴۰ ایوب علیہ السلام کا وطن علاقہ عوض میں تھا، جو فلسطین کا مشرقی حصہ، حدودِ عرب سے متصل ہے۔ روایات یہود سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ نے ۲۱۰ سال کی عمر پائی، اور آپؑ کا زمانہ فرزندان یعقوبؑ کے خروج (یعنی مصر سے بنی اسرائیل کی رہائی) تک کا عہد ہے۔

توریت میں آتا ہے:۔

''عوض کی سرزمین میں ایوب نامی ایک شخص تھا اور وہ شخص کامل اور صادق تھا، اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا''۔ (ایوب،۱:۱)

''پھر خداوند نے شیطان سے کہا کہ کیا تو نے میرے بندے ایوب کے حال پر غور کیا کہ زمین پر اس سا کوئی شخص نہیں ہے، وہ کامل اور صادق ہے، اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا ہے''۔ (۱:۸)

آپؑ پر حاشیے سورۃ الأنبیاء، آیت نمبر ۸۳ میں گزر چکے۔

۴۱ یعنی مجھے آلام دماغی وجسمانی میں مبتلا کر دیا ہے۔

أنـــی .... ــذاب۔ برائی کو بجائے حق تعالیٰ کے شیطان کی جانب منسوب کرنا، یہ عین خاصانِ حق کے آداب میں داخل ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ غیر معصیت میں شیطان کا تسلط کاملین پر بھی ممکن ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ ص: ۴۰۹)____انبیاء پر شیطان کا تسلط معصیت کے باب میں ممکن نہیں، باقی اور ہر باب میں ممکن ہے۔

بنصب و عذاب۔ نصب سے مراد عام دکھ اور تکالیف ہے، اور عذاب سے مراد بیماری ہے۔

نصب هو التعب والمشقة، والعذاب الألم يريد مرضه. (کشاف، ج ٤/ ص:٩٣)

۴۲ دعا، جو غایت تضرع اور ابتہال کے ساتھ کی گئی تھی، قبول ہوئی، حکم ملا کہ زمین پر ٹھوکر لگاؤ، چشمہ شفا یہیں جاری ہو جائے گا، آپؑ اسی پانی سے نہائے بھی اور اسے پیا بھی، بالکل اچھے ہو گئے۔

وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً مِّنَّا وَذِكۡرٰى لِاُولِى

اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا کیا اور ان کے ساتھ انھیں کے اتنے (اور بھی) اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے اور اہل عقل کے لیے

الۡاَلۡبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذۡ بِيَدِكَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ ؕ اِنَّا وَجَدۡنٰهُ

یادگار رہنے کے سبب سے ۴۳ اور اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لے لو، اور اسی سے مارو، اور اپنی قسم نہ توڑو ۴۴ ہم نے ان کو

روایتوں میں آتا ہے کہ یہ دو چشمے تھے: پہلا چشمہ امراض جلدی کے حق میں شافی تھا۔ دوسرا چشمہ چند قدم آگے بڑھ کر تھا، اس کا پانی امراض اندرونی کے حق میں آب حیات تھا۔

۴۳ یعنی تاکہ اہل عقل یاد رکھیں کہ حق تعالیٰ صابروں کو کیسی جزا دیتا ہے۔

ووهبنا له أهله ومثلهم معهم۔ توریت میں آتا ہے:۔

''اور خداوند نے ایوب کو آگے کی نسبت سے دونی دولت عنایت کی، اور اس کے سب بھائی اور سب بہن اور اس کے اگلے سب جان پہچان کے اس کے پاس آئے، اور اس کے گھر میں انھوں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا، اور اس پر افسوس کیا، اور ان ساری بلاؤں جو خداوند نے اس پر نازل کی تھیں، تسلی دی، اور ان میں سے ہر ایک نے اسے ایک قسیط اور ہر ایک نے اسے سونے کا ایک کرن پھول بخشا، اور خداوند نے ایوب کے آخر عمر میں ابتدا کی نسبت سے بہت برکت عطا کیا۔ اور وہ چودہ ہزار بھیڑوں اور چھ ہزار اونٹوں اور ایک ہزار جوڑے بیل اور ایک ہزار گدھوں کا مالک ہوا''۔ (ایوب،۴۲: ۱۰-۱۲)

۴۴ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے حالت مرض میں، جوش غیرت دینی میں آکر قسم کھالی تھی کہ بعد صحت اپنی نافرمان اور کمزور عقیدہ والی بیوی کو سو تازیانے لگائیں گے، (بائبل کی کتاب ''ایوب'' میں یہ قصہ بہ تفصیل آیا ہے اور قرآن کے ارشادات سے اس کی اجمالی تصدیق ہوتی ہے) اب آپ خاص رعایت و کرم کے مورد قرار پائے، اور حق تعالیٰ نے بطور خاص آپ کے لیے یہ راہ کشائش کی پیدا کردی۔ لیکن یہ خصوصیت تنہا حضرت ایوب علیہ السلام کی تھی، اس سے عامۂ مؤمنین کے لیے قسم پوری طرح پوری نہ کرنے کا جواز نہیں نکل آتا، ائمۂ سلف اور فقہائے مفسرین سب نے اس کی تصریح کردی ہے۔

''اس طرح سے قسم پورا ہو جانا یہ مخصوص تھا ایوب علیہ السلام کے ساتھ۔اب اگر کوئی ایسی قسم کھاوے تو بدون معنی متبادر کے واقع کیے ہوئے قسم پوری نہ ہوگی، البتہ جہاں سزا دینا واجب نہ ہو، وہاں قسم توڑ دینا جائز، اور جہاں جائز نہ ہو وہاں واجب ہوگا، اور اس قصہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ احکام میں ہر جگہ حیلہ جائز ہے۔اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس حیلہ سے کسی حکمت شرعیہ وغرض شرعی کا ابطال مقصود ہو وہ حرام ہے، اور جس میں یہ امر نہ ہو بلکہ کسی امر مطلوب شرعی کی تحصیل مقصود ہو وہ جائز ہے''۔(تھانوی، ج۲/ص:۴۰۸)

عن ابن عباس لايجوز ذلك لأحد بعد أيوب إلا الأنبياء عليهم السلام. (روح، ج۲۳/ص:۲۰۹)

محققین نے یہ تصریح بھی کردی ہے کہ احکام شرعی کے ابطال کے لیے جواز حیلہ کی کوئی سند اس آیت سے نہیں نکلتی۔

وكثير من الناس استدل بها على جواز الحيل وجعلها أصلاً لصحتها، وعندی أن كل حيلة أوجبت ابطال حكمة شرعية لاتقبل كحيلة سقوط الزكاة وحيلة سقوط الاستبراء.(روح، ج۲۳/ص:۲۰۹)

''بہت سے لوگوں نے اسے احکام میں حیلہ پیدا کرنے کی اصل ومدار ٹھہرالی ہے، حالانکہ ہر ایسا حیلہ ناجائز ہے جس سے حکم شرعی کا ابطال ہوتا ہو، مثلاً حیلہ سقوط زکوٰۃ وحیلہ سقوط استبراء وغیرہا۔''

ضغثاً۔ضغث خشک گھاس یا سینکوں کے مٹھے کو کہتے ہیں۔

قبضة ريحان أو حشيش. (راغب، ص:۳۳۳)

قبضة حشيش مختلطة الرطب واليابس. (أقرب، ص:۶۸۵، قاموس، ص:۱۷۰، تاج، ج۳/ص:۲۳۰)

فاضرب به۔فقہاء نے یہاں سے یہ استدلال کیا ہے کہ شوہر بہ غرض تادیب بیوی کو سزائے جسمانی دے سکتا ہے۔

وفی هذه الآية دلالة على أن للزوج أن يضرب امرأته تاديباً. (جصاص، ج۳/ص:۳۸۳)

حضرت ایوبؑ کے اس قصے پر حاشیے سورۃ الانبیاء میں گزر چکے۔

صَابِرًا ؕ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذۡکُرۡ عِبٰدَنَاۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡحٰقَ

(بڑا) صابر پایا، کیا اچھے بندے تھے اور بڑے رجوع کرنے والے تھے ۴۵ اور آپ یاد کیجیے ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق

وَیَعۡقُوۡبَ اُولِی الۡاَیۡدِیۡ وَالۡاَبۡصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّاۤ اَخۡلَصۡنٰہُمۡ بِخَالِصَۃٍ

اور یعقوب کو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے ۴۶ ہم نے ان کو ایک خاص حیات کے ساتھ مخصوص کیا تھا

ذِکۡرَی الدَّارِ ﴿ۚ۴۶﴾ وَاِنَّہُمۡ عِنۡدَنَا لَمِنَ الۡمُصۡطَفَیۡنَ

کہ وہ یاد آخرت ہے ۴۷ اور بے شک یہ لوگ ہمارے ہاں منتخب

۴۵ توریت میں جو مناجات ایوبی نقل ہوئی ہے اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

''میں اپنے ہی سے بیزار ہوں، اور خاک اور راکھ پر بیٹھا توبہ کرتا ہوں''۔ (ایوب، ۴۲: ۶)

نعم العبد۔ توریت میں ہے:

''اور خداوند نے ایوب کی طرف توجہ کی''۔ (ایوب۔ ۴۴: ۹)

''جیسے میرے بندے ایوب نے میری بابت حق باتیں کہیں ہیں تم نے نہیں کہیں''۔ (ایوب، ۴۲: ۹)

۴۶ یعنی قوت عملی کے بھی مالک تھے، اور قوت علمی کے بھی ــــــــ انبیائے کرام عموماً اپنے تمام قوائے علمی و نظری، عملی و جسمی کے لیے ممتاز رہے ہیں۔

عبدنا...... اضافت تشریف و تکریم کی ہے، اور عبدیت خاصہ و خالصہ پر دلالت کرتی ہے۔

الأیدی و الأبصار۔ دونوں اپنے مطلق مفہوم میں ہیں، اور اپنی ہر قسم کی قدرت، اور ہر قسم کی بینائی کو شامل ہیں، جو شایانِ بشر اور سزاوارِ پیغمبر ہو۔

بعض نے یہ معنی بھی کیے ہیں کہ صاحب قوت تھے، نفس اور شیطان اور شیطانی قوتوں کے مقابلے میں۔ اور صاحب بصیرت تھے، نفس اور عقل اور قلب اور روح کے معاملات میں۔

اور بعض نے اعمال ظاہری و باطنی کی جامعیت مراد لی ہے۔

أی اولی الأعمال الظاهرة و الفكر الباطنة. (مدارك، ص: ۱۰۲٤)

۴۷ خاصانِ خدا اور مقبولین حق کی اصلی اور امتیازی خصوصیت ان کی یہی یاد آخرت اور اس کا استحضار ہوتا ہے۔

الْاَخْيَارِ ۝٤٧ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَاالْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝٤٨

اور سب سے اچھے لوگوں میں ہیں ۴۸ اور اسمٰعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجیے، اور یہ سب اچھے لوگوں میں ہیں ۴۹

هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝٤٩ جَنّٰتِ عَدْنٍ

ایک نصیحت (کا مضمون) یہ ہوا، اور پرہیزگاروں کے لیے اچھا ٹھکانا ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات

الدار سے مراد دار الآخرت ہے کہ وہی دارِ حقیقی ہے۔

وتعريف الدار للعهد أى الدار الآخرة و فيه اشعار بأنها الدار فى الحقيقة وإنما الدنيا مجاز. (روح، ج۲۳/ص:۲۱۰)

فقہاء و متکلمین نے آیت سے مسائل ذیل کا بھی استنباط کیا ہے:۔

(۱) إنا أخلصنهم سے ظاہر ہو رہا ہے کہ فضائل نبوت وہبی ہیں، کسبی نہیں۔

(۲) أخلصنهم بخالصة ذكرى الدار سے یہ نکلتا ہے کہ انبیاء مخصوص و مامور ہدایت وحق نمائی ہی کے لیے ہوتے ہیں، دوسرے فنون کا ان سے استفادہ محض ایک ضمنی امر ہے۔

۴۸ یعنی منتخب مقبولانِ حق کی صف میں بھی افضل واعلیٰ ـــــــ علماء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ انبیاء بہترین خلق اللہ ہیں۔

ابراهیمؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، سب پر حاشیے پیشتر گزر چکے، حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ساتھ حضرت اسحاقؑ و یعقوبؑ کا ذکر انتہائی مدح کے موقع پر ایک اسمٰعیلی نبی کی زبان سے ادا کرانا بجائے خود ایک دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ہے۔

۴۹ (نہ کہ جیسا ان کے دشمنوں نے انھیں بدنام کر کے اسرائیلی نوشتوں میں لکھ دیا ہے)

اسمٰعیلؑ پر حاشیہ سورۃ البقرہ (آیت نمبر ۱۲۵) میں اور الیسع پر سورۃ الانعام (آیت نمبر ۸۶) میں اور ذوالکفل پر سورۃ الانبیاء (آیت نمبر ۸۵) میں گزر چکا۔ ذوالکفل سے اغلب مراد اسرائیلی نبی حزقیل سے لی گئی ہے۔ سال وفات غالباً ۵۷۰ ق،م ہے۔

الیسع۔ میں ال تعریف کا ہے، جو اصل اسم یسع پر داخل ہوا ہے۔

مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٔيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ

جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے ۵۰ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ان (باغوں) میں اور وہ وہاں بہت سے میوے

وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ

اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے، اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم سنیں ہوں گی ۵۱ یہی وہ (نعمت) ہے جس کا تم سے وعدہ

لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾

روز حساب کے آنے پر کیا جاتا تھا، بے شک یہ ہماری عطا ہے، اس کا کہیں خاتمہ ہی نہیں ۵۲

۵۰ جنتوں کے دروازے جنتیوں کے انتظار و اشتیاق میں پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے، انھیں کسی انتظار یا تقاضے کی نوبت نہ آئے گی۔ یہ تصریح متقین کے اظہار شرف و کرم و اعزاز کے لیے ہے۔

۵۱ یعنی حوریں۔

قال صاحب الغنيان: حور. (بحر، ج۷/ص: ۴۰۵)

اور ہو سکتا ہے کہ اہل جنت کی بیویاں مراد ہوں۔

قال ابن عباس يريد الآدميات. (بحر، ج۷/ص: ۴۰۵)

غرض یہ کہ اہل جنت کے لیے مادی عیش و راحت کے بھی کل سامان موجود ہوں گے، اور اس پر عقل سلیم کو اعتراض کی ذرا بھی گنجایش نہیں۔ مادی لذتوں سے لطف اٹھانا بجائے خود ہرگز شریعت اور قانونِ فطرت کی نظر میں معیوب نہیں، مذموم تو صرف ان کی ناجائز صورتیں ہیں۔

فاکھة پر حاشیہ اوپر گزر چکا، کھانے پینے کی ہر لذیذ و مرغوب چیز مراد ہے۔

قٰصرات الطرف۔ یعنی بجز اپنے مردوں کے اور کسی پر نظر نہ ڈالنے والیاں۔ دنیا میں یہ وصف خاص طور پر محمود سمجھا جاتا ہے، اس لیے اس کا ذکر جنت کی نعمتوں کے سلسلے میں بھی کر دیا گیا۔

أتــراب۔ محض ہم عمری یا سن و سال میں مطابقت مقصود نہیں، بلکہ شوق و پسند میں ہم آہنگی، عادات و جذبات میں یکسانی، غرض ہر ایسی باہمی مناسبت مراد ہے، جو ازدیادِ لطف و موانست کا باعث ہو۔

۵۲ (بخلاف دنیا کی نعمتوں کے، کہ ان کا ذخیرہ بہر حال کہیں ختم ہو ہی جاتا ہے)

هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝۵۵ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۵۶

یہ بات ہو چکی ۵۳ اور سرکشوں کے لیے بے شک بُرا ٹھکانا ہے یعنی دوزخ اس میں وہ داخل ہوں گے سو وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝۵۷ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ۝۵۸

یہ (موجود) ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ، سو یہ لوگ اس کو چکھیں، اور اور بھی اس کی جنس سے طرح طرح کی چیزیں ۵۴

لرزقنا میں رزق کی اضافت اپنی جانب کرنا اظہار تکریم واختصاص کے لیے ہے، یعنی یہ خاص ہمارا عطیہ ہوگا، جسے کسی طرح فنا وزوال نہیں، جتنا چاہو کھاؤ پیو، جس قدر چاہو صرف کرو، اڑاؤ، ان نعمتوں کے ذخیرے کم بھی نہ ہونے پائیں گے، تو ان کے ختم ہونے کا ذکر ہی کیا ہے!

جنت کی نعمتیں جس طرح مقدار میں بے نہایت اور تعداد میں بے شمار وعدد ہوتی ہیں، اسی طرح ہر نعمت ابدی، دائمی اور غیر منقطع بھی ہوگی۔

۵۳ یعنی یہ بشارتیں اہل سعادت سے متعلق بیان ہو چکیں، اب آگے ذکر اہل شقاوت کا آتا ہے۔

هذا خبر والمبتدأ محذوف، أی الأمر هذا أوهذا كما ذكر. (مدارك، ص: ۱۰۲۵)

قال الزجاج هذا خبر ابتداء محذوف أی الأمر هذا فيوقف على هذا. (قرطبی، ج۱۵/ص:۲۲۰)

۵۴ یعنی ایسی ہی ناگوار وموجبِ آزار چیزیں۔

فقرے کی ترکیب اصل قاعدۂ نحوی کے اعتبار سے یوں ہوگی: هذا حميم وغساق فليذوقوه۔

غساق۔ اس کا ترجمہ ''پیپ'' قول اکثریت کے مطابق درج کر دیا گیا، لیکن اس کے ایک معنی ناقابل برداشت حد تک سرد کے بھی ہیں۔

غساق الزمهرير. (ابو البقا، ص: ۱۰۷۰)

الشديد البرد. (لسان، ج۱۰/ص:۰۰ض

اور چونکہ ما قبل ذکر حمیم (انتہائی گرم) کا آ چکا ہے اس لیے یہاں زیادہ چسپاں بھی ''انتہائی سرد'' کے معنی معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ ابن جریر نے بھی اس معنی کا ذکر کیا ہے، اور بعض تابعین سے بھی اس کو نقل کیا ہے اور مفسرین نے بھی یہ معنی لیے ہیں۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾

یہ اوران کی جماعت جو تمھارے ساتھ گھس رہے ہیں، ان پر خدا کی مار، یہ بھی دوزخ ہی میں گھس رہے ہیں ۵۵

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا

وہ کہیں گے نہیں بلکہ تمھارے ہی اوپر خدا کی مار ہو، تمھیں تو یہ مصیبت ہمارے آگے لائے ۵۶ سو (جہنم) بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے، یہ لوگ دعا

هو البارد الذى لايستطاع من برده. (ابن جرير) بارد لايستطاع أو برد لايستطاع.

(ابن جرير۔ عن مجاهد) أبرد البرد. (ابن جرير۔ عن الضحاك، ج ۲۱/ص:۲۲۷)

أما الحميم فهو الحار الذى قد انتهى حرّه، وأما الغساق.........وهو البارد الذى لايستطاع من شدة برده المؤلم. (ابن كثير، ج ٤/ص:۳۸)

گویا دونوں صفات پانی ہی کی بیان ہوئیں، کہ یا تو وہ انتہائی گرم ہوگا اور یا انتہائی سرد۔ غرض دونوں صورتوں میں ایک نا قابل برداشت عذاب!

قيل الحميم يحرق بحرّه والغساق يحرق ببرده. (كشاف، ج ٤/ص:۹۷)

أزواج۔ یہاں اجناس واصناف کے معنی میں ہے۔

أى أجناس. (كشاف، ج ٤/ص:۹۷)

أى أشياء من هذا القبيل. (ابن كثير، ج ٤/ص:۳۸)

أى أصناف أُخر من العذاب. (معالم، ج ٤/ص:۷۵)

من شكله۔ یعنی اس نا قابل برداشت مشروب یا اس عذاب شدید و نا قابل برداشت ہی کی طرح۔

أى من مثل هذا المذوق أو العذاب فى الشدة والفظاعة. (روح، ج ۲۳/ص:۲۱۵)

من مثله أى مثل الحميم والغساق. (معالم، ج ٤/ص:۷۵)

شكله۔ ضمیر حمیم وغساق کے مجموعہ کے جانب ہے اور اسی لیے بجائے تثنیہ کے واحد ہے۔

۵۵ یہ کافروں کے سرغنہ اور سردار کہیں گے، جب اس جہنم میں اپنے پیرووں کی کسی ٹکڑی کو آتے دیکھیں گے۔

۵۶ (اور تمھیں نے تو ہم کو بہکایا)

رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِى النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا

کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جو ہمارے آگے یہ (مصیبت) لایا، سوا سے دوزخ میں دونا عذاب دیجیو، اور کہیں گے

مَالَنَا لَانَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا

یہ کیا بات ہے کہ ہم ان لوگوں کو (یہاں) نہیں دیکھتے، جنھیں ہم بُرے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے، کیا ہم ہی نے ان کی ہنسی کر رکھی تھی

اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ قُلْ ع ۴ ۱۲

یا ان (کے دیکھنے) سے نگاہیں چکرا رہی ہیں ۵۷ یہ یعنی اہل دوزخ کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے ۵۸ آپ کہہ دیجئے

اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

کہ میں تو محض ڈرانے والا ہوں، اور خدا تو کوئی بھی نہیں بجز اللہ واحد غالب کے ۵۹ (وہی) پروردگار ہے آسمانوں

یہ مقلدین اور عوام اپنے سرداروں سے کہیں گے، تقریباً انھیں کے الفاظ کو الٹ کر۔ غرض یہ کہ جہنم میں باہم دگر ملامت وشماتت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

۵۷ دوزخیوں کو اپنے اصلی عذاب کے علاوہ ایک عذابِ حسرت یہ بھی ہوگی کہ جب دوزخ میں کہیں اہل ایمان کا پتا نشان نہ پائیں گے، جنھیں دنیا میں مستحق صد تحقیر واستہزاء سمجھتے رہتے تھے، تو آپس میں کہیں گے کہ وہ لوگ تو کہیں دیکھ نہیں پڑتے، جنھیں ہم دنیا میں اتنا برا سمجھا کرتے تھے، کہیں ہماری ہی ہنسی تو سراسر بیجا نہ تھی، یا یہ بات ہے کہ وہ یہیں ہیں لیکن ہماری نظر ان پر نہیں جمتی!____ انتہائی حیرت کے وقت انسان اسی طرح کی باتیں کرتا ہے!

۵۸ یہ تمام تر حقائق ہیں، انھیں شاعری یا خطابت سمجھ کر نظر انداز نہ کرو، اور ہلکا نہ سمجھو۔

ذلك۔ یعنی یہی اہل جہنم کے درمیان منازعہ ومخاصمہ، جھگڑا اور تکرار، تو تو میں میں۔

أى الذى حكينا عنهم. (مدارك، ص:١٠٢٦)

دوزخی علاوہ اور ہر قسم کے عذاب کے، اس باہمی تو تکار، دنگے اور فساد میں بھی مبتلا ہوں گے۔

۵۹ (نعوذ باللہ مجھ میں کوئی شائبۂ الوہیت تھوڑے ہی ہے، اور میں کیا کوئی دعویٰ کسی معنی میں بھی اپنی خدائی کا کرتا ہوں! معبود تو وہی ایک سب پر غالب ہے، اور میں اس کی طرف سے محض تنبیہ کرنے والا)

وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا الۡعَزِيۡزُ الۡغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلۡ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيۡمٌ ﴿٦٧﴾

اور زمین کا اور ان کی درمیانی چیزوں کا، وہ بڑا زبردست ہے، بڑا بخشنے والا ہے ٦٠ آپ کہہ دیجیے یہ ایک عظیم الشان مضمون ہے

اَنۡتُمۡ عَنۡهُ مُعۡرِضُوۡنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِىَ مِنۡ عِلۡمٍۢ بِالۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰٓى اِذۡ

جس سے تم (بالکل) بے پروا ہو رہے ہو ٦١ مجھ کو عالم بالا کی کچھ بھی خبر نہ تھی جب کہ وہ (یعنی فرشتے)

من إله۔ من زائدہ، استغراق نفی کے لیے ہے۔

الواحد۔ وہ جس طرح اپنی صفات میں یکتا ہے، عددی حیثیت سے بھی یکتا ہے۔ نہ کوئی اس کا ثانی، نہ کوئی اس کا اوتار یا مظہر۔

القہار۔ وہی سب پر حاکم و غالب، اس پر کوئی بھی حاکم و متصرف نہیں۔ القہار کے معنی اردو کے ''قہر'' پر قیاس کر کے غضب ناک اور غصہ ور کے نہ سمجھے جائیں۔ القاہر کے معنی فقط غالب و بالا دست کے ہیں۔ هو القاهر فوق عباده.

قد قهر كل شيئ وغلبه. (ابن كثير، ج٤/ص:٣٩)

القاهر هو الغالب جميع الخلائق، قهار للمبالغة. (نهاية. ج٤/ص:١١٣)

٦٠ وہ اپنے ہر ارادے پر قادر ہے، ہر ایک کی مغفرت پر۔ کوئی قید، کوئی شرط نہ اس کی قوت و قدرت پر عائد ہوتی ہے، نہ اس کی صفت غفاری پر۔

یہ رد ہے ان گمراہ قوموں کا جنھوں نے خدا کی قدرت و قوت کو محدود سمجھا ہے، اور یہ عقیدہ پھیلایا ہے کہ وہ کرم (مکافات) کے قاعدے کے آگے خود مجبور ہے، کسی کو اپنی طرف سے معاف کر ہی نہیں سکتا، اور یا یہ کہ بغیر عوض و کفارے کے وہ مغفرت سے معذور ہے۔

٦١ (اور یہ بے پروائی تمھارے ہی آگے آئے گی)

ھو۔ یعنی یہی مضمون توحید و رسالت۔

يمكن أن يكون المراد أن القول بأن الإله واحد نبأ عظيم، ويمكن أن يقال المراد أن القول بالنبوة نبأ عظيم. (كبير، ج٢٦/ص:١٩٦)

بعض نے ھو سے مراد قرآن بھی لیا ہے۔

يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾ اِذْ قَالَ

گفتگو کر رہے تھے، میرے پاس وحی تو صرف اس لیے آتی ہے کہ میں بس ڈرانے والا (بنا کر بھیجا گیا) ہوں ۶۲ (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب آپ کے

رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿٧١﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ

پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں انسان کو پیدا کرنے والا ہوں گیلی مٹی سے، پھر جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی (طرف سے)

مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ

جان ڈال دوں تو تم اس کے روبرو سجدہ میں جھک جانا ۶۳ چنانچہ سارے کے سارے فرشتے

أنتم ۔ ضمیر جمع مخاطب کل منکر مخاطبین قرآن کی جانب ہے۔

۶۲ (اور مجھے اب جو خبر ہوئی ہے وہ محض وحی کے ذریعہ سے)

یختصمون۔ اللہ سے فرشتوں کی گفتگو میں سوال و جواب تو بہر حال واقع ہوا ہی تھا، اس کی اختصام سے تعبیر اسی ظاہری مشابہت کی بنا پر ہے۔

لاشك أنه جرىٰ هناك سؤال وجواب، وذلك يشابه المخاصمة والمناظرة والمشابهة علة لجواز المجاز، فلهذا السبب حسن إطلاق لفظ المخاصمة عليه. (كبير، ج۲۶/ص:۱۹۷)

إن......مبيــــن۔ رسول کے منصب کی ایک اور تشریح! پیمبر نہ فرشتہ ہوتا ہے نہ کوئی اور فوق البشر ہستی، وہ محض صاحب وحی، ڈرانے والا اور تنبیہ کرنے والا ہوتا ہے۔

۶۳ خلق آدم، گفتگوئے ملائکہ وغیرہ پر تفصیلی حاشیے سورۃ البقرہ (آیت:۳۰) میں گزر چکے، اور اس کے بعد سورۃ الاعراف وغیرہ میں۔

سٰجدین۔ سجدہ کے معنی یہاں بطور تواضع محض جھکنے کے بھی کیے گئے ہیں، اور سجدۂ تعظیمی کے بھی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تھا۔

قيل كان انحناء يدل على التواضع، وقيل كان سجدة لله أو كان سجدة التحية. (مدارك، ص:۱۰۲۷)

من روحی میں اضافت یا تو تملیکی ہے یعنی ہماری مملوک ومخلوق خاص، یا تشریفی یعنی وہ روح جو ہماری نسبت سے مکرم ومشرف ہے، یا تخصیصی یعنی وہ زندگی یا جان جس میں ہمارے سوا کوئی دوسرا تعلق نہیں۔

اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اِسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ

جھک گئے، مگر ہاں ابلیس (نہ جھکا) وہ غرور میں آگیا اور کافروں میں سے ہوگیا ۶۳(الف) (اللہ نے) فرمایا ابلیس

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ مـن روحـی میں اللہ نے روح کو اپنی جانب نسبت دے کر اس امر کو ظاہر کر دیا ہے کہ روح ایک جوہر شریف و معظم ہے۔

ولـمـا أضـاف الـروح إلـى نـفـسـه دل عـلـى أنـه جـوهـر شريف علوى قدسى (کبیر، ج ۲۶/ص:۱۹۹)

امام رازیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلقت انسانی کی تکمیل دو امور پر موقوف ہے: پہلے تسویہ جسد اور پھر نفخ روح پر۔ (کبیر، ج۲۶/ص:۱۹۸)

من طین۔ ''خلق آدم کا مادہ کہیں طین آیا ہے کہیں تراب کہیں صلصال من حمأ مسنون اور ان میں کچھ تعارض نہیں، کہیں مادۂ قریبہ بتا دیا، کہیں مادۂ بعیدہ''۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۴۱۲)

المادة البعيدة هو التراب، وأقرب منه الطين، وأقرب منه الحمأ المسنون، وأقرب منه الصلصال فثبت أنه لامنافاة بين الكل. (کبیر، ج ۲۶/ص:۱۹۸)

توریت میں ہے:

''اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا، اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا، سو آدم جیتی جان ہوا''۔ (پیدائش، ۲:۷)

۶۳ (الف) (اس صریح نافرمانی کی بنا پر)

ابلیس۔ ابلیس پر حاشیے سورۃ البقرہ (آیت ۳۴) اور سورۃ الکہف (آیت ۵۰) میں گزر چکے۔

کلهم أجمعون۔ أجمعون کسی معاملہ میں اجتماع ہو جانے کی تاکید کے لیے آتا ہے۔

وأجمعون يستعمل لتأكيد الاجتماع على الأمر. (راغب، ص: ۱۱۰)

اب یہاں کلھم کے ساتھ جو دُہری تاکید جمع ہوگئی، تو مفہوم یہ پیدا ہو گیا کہ فرشتے سب کے سب، بلا استثناء جھکے اور فوراً اور ایک ساتھ ہی جھکے۔

وسئل المبرّد عنها فقال: لو جاء ت كلّهم لأحتمل أن يكون سجدوا كلهم فى

مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ط أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ

تجھے کس چیز نے اس کے روبرو جھکنے سے روکا، جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟ ۶۴ کیا تو غرور میں آگیا، یا یہ کہ تو واقعی

مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ

بڑے درجہ والوں میں ہے؟ ۶۵ وہ بولا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا

أوقات مختلفات، فجاء ت أجمعون لتدل أن السجود كان منهم كلهم في وقت واحد فدخلت كلهم للإحاطة ودخلت أجمعون لسرعة الطاعة. (تاج، ج۱۵/ص:۶۵۹)

ملاحظہ ہو سورۃ الحجر کا حاشیہ نمبر ۲۷

۶۴ یعنی اس کی ایجاد کی طرف خاص عنایت ربانی متوجہ ہوئی، یہ تو اس کا شرف فی نفسہٖ ہوا، اور پھر اس کے روبرو سجدہ کرنے کا حکم بھی مل چکا۔ (تھانوی، ج۲/ص:۳۱۲)

بیدی ۔ ید کے معنی یہاں قدرت کے بھی کیے گئے ہیں اور نعمت کے بھی۔

أستعير اليد للنعمة. (راغب، ص:۶۱۶)

عبارة عن توليه لخلقه باختراعه الذي ليس إلّا له عز وجل. (راغب، ص:۶۱۲)

عند بعض أهل التأويل اليد بمعنى القدرة...... وعند بعض آخر منهم اليد بمعنى النعمة. (روح، ج۲۳/ص:۲۲۵)

عبارة عن القدرة والقوة وعبر باليد إذ كان عند البشر معتاداً أن البطش والقوة باليد. (بحر، ج۷/ص:۴۱۰)

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ جب کوئی سلطان اعظم کسی عمل کو اپنے دست خاص کی جانب منسوب کرتا ہے تو اس سے اس کی مراد عنایت خاص ہوتی ہے۔ (کبیر، ج۲۶/ص:۲۰۲)

یدی کے صیغۂ تثنیہ کی توجیہ میں بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ مراد صفات جمال و جلال ہیں، اور یہ ام الصفات ہیں۔ صفات لطف و قہر ہی کی ایک تعبیر قوائے ملکوتی و قوائے حیوانی سے بھی کی جاسکتی ہے۔

۶۵ (جسے سجدہ کا حکم ملنا ہی نہ تھا)

أستكبرت ۔ استکبار سے مراد یہ ہے کہ واقع میں تو بڑا نہیں تھا، لیکن اپنے کو بڑا سمجھ لیا۔

وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿٧٧﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ

اور اسے تو نے گیلی مٹی سے بنایا ٦٦ ارشاد ہوا تو پھر تو یہاں سے نکل، کیوں کہ بے شک تو مردود ہو گیا اور بے شک تجھ پر

لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٧٨﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٧٩﴾

میری لعنت رہے گی قیامت کے دن تک ٦٧ وہ بولا کہ اے میرے پروردگار! تو مجھے لوگوں کے جی اٹھنے کے دن تک مہلت دے ٦٨

٦٦ (اور آگ اس کے مقابلے میں عالی ولطیف ہے، تو سافل وکثیف کے روبرو عالی ولطیف کیسے جھکے؟)

ابلیس احمق اتنا نہ سمجھا کہ اول تو مٹی پر آگ کی ہر جہتی افضلیت واشرفیت ہی مسلّم نہیں، اور بالفرض ہو بھی تو کیا کسی مصلحت سے افضل کو غیر افضل اور اشرف کو غیر اشرف کے آگے نہیں جھکایا جا سکتا؟ ——— ایک مفسر نے اسی حقیقت سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ ابلیس جب اتنا کج فہم ہے تو انسان کو اس سے ڈرنا ہی کیا، بجز اس کے کہ انسان اپنی قوتِ ارادی سے کام نہ لے کر خود ہی اپنے کو نور عقل سے محروم کر دے!

٦٧ (اور جو اس وقت تک ملعون رہا، اس کے لیے اس کے بعد مغفوریت کا احتمال ہی نہیں)

إلى يوم الدين۔ محاورے میں دوام اور ہمیشگی کے اظہار کے لیے ہے، یہ مراد نہیں کہ قیامت کے بعد ملعونیت مغفوریت سے بدل جائے گی۔

ولا يظن أن لعنته غايتها يوم الدين ثم تنقطع لأن معناه أن عليه اللعنة فى الدنيا وحدها فإذا كان يوم الدين اقترن بها العذاب. (مدارك، ص:١٠٢٨)

منها۔ ضمیر مؤنث غائب جنت کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور سماوات کی طرف بھی۔

أى من الجنة أو من السموات. (مدارك، ص:١٠٢٨)

٦٨ (موت سے)

اتنی طویل مہلت زندگی ابلیس نے یہ خیال کر کے مانگی کہ اس وقت تک خوب انتقام آدمؑ واولاد آدمؑ سے اپنے مردود ہونے کا لیتا رہوں۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ

ارشاد ہوا جا تجھے مہلت دی جائے گی، وقت معین کے دن تک ۶۹ بولا کہ مجھ کو

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾

بھی تیرے ہی اقبال کی قسم ہے کہ میں سب کو گمراہ کر ڈالوں گا بجز ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لیے گئے ہیں ۷۰

۶۹ (کہ تو بھی خوب اپنے دل کے حوصلے نکال دیکھ)

يوم الوقت المعلوم سے مراد قیامت کا دن ہے۔

۷۰ ابلیس اپنے سارے دم خم، اور اتنے بلند بانگ دعووں کے باوجود حق تعالیٰ کے ان بندوں کے سامنے شروع ہی سے ہار مانے ہوئے ہے، جو اپنے کو اس کے اثرات سے بچانے کی فکر و اہتمام میں لگے رہتے ہیں۔

إلا ......المخلصين۔ امام رازیؒ نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ ابلیس نے یہ استثناء کر کے اپنی سچائی کو قائم رکھا، یعنی اندھا دھند یہ دعویٰ نہیں کر بیٹھا کہ میں سارے ہی انسانوں کو گمراہ کر ڈالوں گا، بلکہ اللہ کے نیک و پارسا بندوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا۔ جھوٹ ایسی گندی چیز ہے جس سے ابلیس تک کو حیا آئی تو اس مسلمان کی حالت پر حیف ہے جو مومن ہو کر جھوٹ سے پرہیز نہ کرے!

وعند هذا يقال إن الكذب شيئ يستنكف منه إبليس فكيف يليق بالمسلم الاقدام عليه؟ (کبیر، ج ۲۶/ص: ۲۰۴)

بعزتك۔ اس کا مفہوم ٹھیٹھ اردو میں یوں ادا ہوگا: "سرکار ہی کے عزت و جلال کی قسم ہے"۔

لأغوينهم أجمعين۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ شیطان اس فقرے میں اغوا کو اپنی ذات کی جانب منسوب کر رہا ہے، گویا مذہب قدریہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ لیکن دوسرے موقع پر رب بما أغويتني کہہ کر اغوا کو حق تعالیٰ کا فعل قرار دے چکا ہے، گویا مسلک جبریہ کا اظہار کر چکا ہے۔ اور دونوں مقولوں کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں وہ حیران و متردد ہی ہے۔

وهذا يدل على أنه متحير في هذه المسئلة. (کبیر، ج ۲۶/ص: ۲۰۴)

قَالَ فَالۡحَقُّ ۡ وَالۡحَقَّ اَقُوۡلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ

ارشاد ہوا کہ سچ یہ ہے، اور سچ تو میں (ہمیشہ) کہتا ہی ہوں کہ میں بھی تجھ سے اور ان میں سے جو تیرا ساتھ دیں

مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۸۵﴾ قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّمَاۤ اَنَا

ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا ا؎ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (قرآن) پر کوئی بھی معاوضہ نہیں چاہتا ہوں اور نہ میں

ع ۵ ۱۴ مِنَ الۡمُتَكَلِّفِيۡنَ ﴿۸۶﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ ﴿۸۸﴾

بناوٹ کرنے والوں میں ہوں ۲؎ یہ (قرآن) تو دنیا جہاں والوں کے لیے ایک نصیحت ہے اور تھوڑے ہی دن بعد تم اس کا حال معلوم کر کے رہو گے ۳؎

ا؎ یعنی تو اگر اپنے دعوے میں کامیاب ہو بھی گیا تو اس میں حق تعالیٰ کا کیا ضرر۔ تو خود اور تیرے چیلے چانٹے، جو بھی ترا دم بھریں گے، خود ہی سزا بھگتیں گے۔

منك۔ مرادِ جنسِ شیطانی سے ہے۔

أی من جنسك، وهم الشياطين. (كبير، ج ۲٦/ ص: ۲۰۵)

اسی سے ملتا ہوا مضمون سورۃ الاعراف (رکوع: ۲) میں اور سورہ حجر (رکوع: ۳) میں آچکا ہے وہاں کے حاشیے بھی ملاحظہ کر لیے جائیں۔

۲؎ (کہ اپنی عادتِ تصنع کے مطابق جھوٹا دعویٰ نبوت کر دیا ہو)

وماأنا من المتكلفين۔ اور نہ بناوٹی لوگوں میں سے ہوں۔

جھوٹے دعوئے نبوت کے محرک دو ہی ممکن تھے: یا جاہ و مال کی قسم سے کسی معاوضہ کا خیال، تو اس کی نفی ماأسئلكم عليه من أجر میں آگئی، اور یا محض عادت یا اقتضائے طبعی، سو اس کی نفی وماأنا من المتكلفين سے ہو رہی ہے۔

۳؎ یعنی مرنے کے ساتھ ہی حقیقت کھل جائے گی، لیکن اس وقت نفع کچھ بھی نہ ہوگا۔

مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس سورت میں قرآن مجید کی مدح تین جگہ آئی، اور تینوں جگہ اس کو ذکر سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ شروع میں ذی الذکر سے، درمیان میں لیتذکر سے اور آخر میں سب سے بڑھ کر مصرّح اور مفصل ذکر للعالمین سے۔ (تھانوی، ج ۲/ ص: ۴۱۲)

إن.....للعٰلمين۔ یعنی یہ کلام تو تمھارے ہی نفع کے لیے ہے، اور میں اس کی تبلیغ پر مامور ہوں۔

ذکر للعلمین۔ اتنے ذرا سے ٹکڑے میں صاف اشارہ دو چیزوں کی طرف آ گیا:۔

ایک یہ کہ قرآن اصلاً ایک نصیحت نامہ ہے، لائحہ عمل ہے، دستورِ حیات ہے۔ اسے دنیوی علوم وفنون کی کسی پُر تکلف، پُر تصنع کتاب پر قیاس نہ کرنا۔

دوسرے یہ کہ یہ دنیا جہاں کے اور قیام قیامت کے لیے ہے، اسے کسی محدود ملک وقوم کے لیے، اور کسی مخصوص زمانے کے لیے نہ سمجھو۔

بعد حین۔ مرتے ہی انکشاف حقیقت ہونا ہی ہے۔

عند الموت. (کشاف، ج٤/ص:١٠٥)

بعد الموت۔ (بیضاوی، ج٥/ص:٢٣، مدارك، ص:١٠٢٩)

(۳۹)

سُوۡرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ

اٰیَاتُهَا ۷۵ — ۷۵ آیتیں
رُکُوۡعَاتُهَا ۸ — ۸ رکوع

سورۂ زمر مکّی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

تَنۡزِیۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَكِیۡمِ ① اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الۡكِتٰبَ

یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے، اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ۱ بے شک ہم نے آپ کی طرف (اس) کتاب کو

بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّیۡنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ط

ٹھیک ٹھیک نازل کیا ہے، سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کی عبادت کرتے رہیے ۲ یاد رکھو! عبادت خالص اللہ ہی کے لیے ہے

۱ (اور ان رسولؐ کی گڑھی ہوئی نہیں)

العزیز الحکیم۔ اسم عزیز کا تقاضا تو یہ تھا کہ انکار و تکذیب کرنے والوں کو سزا فوراً مل جاتی، اسم حکیم کے تقاضے نے مہلت طویل کو ممکن کر دیا۔

تنزیل الکتب۔ ترکیب نحوی میں مبتدا ہے اور من اللہ خبر۔

الکتب۔ قرآن مجید کی حیثیت ایک ''کتاب'' یا ''نوشتہ'' کی شروع ہی سے ہے، یہ نہیں کہ بعد کو لوگوں نے لکھ لکھالیا۔

۲ (جیسا کہ اب تک بھی کرتے رہے ہیں)

بالحق۔ یعنی حکمت و مقصد کے ساتھ، یوں ہی بلا مقصد نہیں۔

أنزلنا۔ ابھی ابھی قرآن مجید کے لیے تنزیل آچکا ہے، جس کے مفہوم میں تدریج داخل ہے اور اب صیغۂ انزال آگیا، جس سے بظاہر دفعۃً نزول معلوم ہوتا ہے۔ امام رازیؒ نے از خود یہ سوال پیدا کر کے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جہاں انزال آیا ہے وہاں مراد یہ ہے کہ آپؐ پر کتاب نازل کرنے کا

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ

اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور شرکاء تجویز کر رکھے ہیں (کہ) ہم تو ان کی پرستش بس اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا

زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ

مقرب بنا دیں ۳۔ بے شک اللہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا جس بات میں یہ باہم اختلاف کر رہے ہیں، بے شک اللہ

حکم ایک کلی صورت میں ہوگیا، اور جہاں تنزیل ہے وہاں مراد یہ ہے کہ واقعۃً وعملاً کتاب کا نزول تدریج ہی کے ساتھ ہوا ہے۔ (کبیر، ج ۲۶/ص: ۲۰۸)

الکتٰب۔ قرآن کی مکتوبی حیثیت کی ایک اور تصریح!

۳ (اور باقی ان کی عبادت کو کچھ مقصود بالذات تھوڑے ہی سمجھتے ہیں)

مانعبدھم......زلفیٰ۔ اس مختصر سے فقرے کے اندر شرک کا سارا فلسفہ آگیا۔ حضرات انبیاء کی مسلسل تعلیم وتبلیغ توحید کا اثر دنیا پر یہ پڑا ہے کہ اب کوئی بڑے سے بڑا مشرک فرقہ بھی کھلم کھلا دو یا زائد خداؤں کا قائل نہیں رہا ہے، بلکہ ہر ایک۔ اپنے کو مشرک کہلاتے شرمانے لگا ہے، اور اپنے شرک کی طرح طرح تاویل کرنے پر مجبور ہوگیا ہے ــــــ تو اب مشرکین کہتے ہیں کہ خدائے عظیم وبرتر تو بس ہمارا بھی ایک ہی ہے، لیکن بات یہ ہے کہ کائنات کے ہر ہر شعبہ کا انتظام وتصرف تو الگ الگ دیوی دیوتا یا خدائے اصغر کے سپرد ہے، اور ہم تو ان دیوی دیوتاؤں کو محض ایک واسطہ یا وسیلہ اسی معبود اعظم تک رسائی کے لیے بنائے ہوئے ہیں، کچھ ہم اس کی توحید کے منکر تھوڑے ہی ہیں ــــــ قرآن کے اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ شرک وبت پرستی کی آج جو فلسفیانہ اور عقلی توجیہیں پیش کی جارہی ہیں، یہ کوئی نئی نہیں، قدیم مشرکین بھی یہی سب کچھ کہہ چکے ہیں، اور قرآن مجید اس قسم کے عذرات کو تمام تر رد و مسترد کر چکا ہے، اگر مشرکوں کی اس توجیہ، تاویل کو مانا جائے تو سارے ہی کا سارا شرک توحید کے اندر داخل ہو جاتا، اور دنیا میں کوئی مشرک باقی ہی نہیں رہ جاتا۔

مسیحی ومشرکانہ عقائد کے لیے ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔

ألا للہ الدین الخالص۔ یعنی اور کوئی اس کی معبودیت میں شریک نہیں۔

الا للّٰہ یفید الحصر، ومعنی الحصر أن یثبت الحکم فی المذکور وینتفی عن غیر المذکور. (کبیر، ج ۲۶/ص: ۲۰۹)

لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝٣ لَوۡ اَرَادَ اللّٰهُ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا

اسے راہ پر نہیں لاتا جو جھوٹا ہو، ناشکرا ہو۴ اگر اللہ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا

والذین ......أولیاء۔ آیت کا مضمون ہم مسلمانوں کے لیے بہت ڈرنے کا ہے۔ پیروں، بزرگوں، اولیاء وصالحین کو زندگی کے مختلف شعبوں میں (رزق دلانے میں، شفا بخشنے میں، مقدمہ جتانے میں، وغیرہا) حاکم ومتصرف سمجھ لینے کا عقیدہ ہمارے اندر بھی کس کثرت وشدت سے شائع ہوگیا ہے!

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ”خواص باری تعالیٰ میں غیر کے لیے اثبات مطلقاً مذموم ہے، اور اس میں مابالذات اور مابالغیر کا فرق معتبر نہیں“۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۴۱۴)

فقہاء نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کی عبادت بہر صورت حرام ہے، خواہ بطور توسل اور بہ گمان رضائے الٰہی ہی ہو۔ فقہاء نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ توسل غیر اللہ اگر صرف درجۂ تدبیر میں ہو تو بالکل جائز ہے، مثلاً مریض کا دوا پینا، اہل حاجت کا حکام وامراء سے رجوع کرنا، لیکن اگر کسی کو فاعل حقیقی، قادر، نافع وضار سمجھ کر دعا کی، یا دعا کرائی، تو یہ صریح حرام ہے ـــــــ صالحین وانبیائے کرام کی تعظیم صرف انھیں طریقوں سے جائز ہے، جن پر دلائل شرعی قائم ہیں، خواہ نصاً خواہ استنباطاً۔

۴ (اس لیے کہ وہ یافت حق کا قصد ہی نہیں کرتا)

بینھم۔ یعنی اہل توحید واہل شرک کے درمیان۔

إنّ......یختلفون۔ یہ فیصلہ یعنی عملی مشاہد فیصلہ اس صورت میں قیامت میں ہوگا کہ اہل ایمان جنت میں جگہ پائیں گے، اور اہل کفر دوزخ میں جھونک دیے جائیں گے ـــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دی گئی ہے کہ آپ ان اہل باطل کی ہٹ دھرمی پر زیادہ غم وفکر نہ کریں، انھیں قیامت کے دن پوری سزا مل کر رہے گی۔

کاذب کفّار۔ یعنی زبان پر عقیدۂ باطل، اور دل سے عقیدۂ کفریہ کا قائل۔

صوفیہ نے کہا ہے کہ اس میں اس شخص کے لیے بھی تہدید نکل آئی، جو اپنے لیے ولایت کے کسی مرتبہ کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے، اور لا یھدی میں اس کے حرمان کی طرف اشارہ ہے۔

علمائے محققین نے کہا ہے کہ توفیق الٰہی مومن، راست باز کے لیے ہے نہ کہ کافر حیلہ ساز کے لیے۔

لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کرلیتا، وہ پاک ہے ۵؎ وہ اللہ واحد ہے سب پر غالب ہے ۶؎

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ

آسمان وزمین اسی نے حکمت سے پیدا کیے ہیں، وہ رات کو گھما کر لپیٹتا ہے دن پر اور دن کو گھما کر

النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

لپیٹتا ہے رات پر اور اسی نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک وقت مقرر تک چلتا رہے گا ۷؎

۵؎ (کہ اس کو کسی ارادے کی ضرورت لاحق ہو)

انسان کو اولاد کی ضرورت اور خواہش جن جن اغراض سے بھی ہوتی ہے، حق تعالیٰ ان سب سے پاک وبرتر ہے۔

۶؎ (تو اس میں کسی آدمی، کسی دوسرے کی شرکت کی گنجایش ہی کہاں ہے؟)

الواحد القهار۔ اہل تحقیق نے کہا ہے کہ اسم الواحد میں اشارہ ہے توحید ذاتی وعددی کی طرف اور القہار میں توحید صفاتی کی جانب، کہ ہر چیز اسی کے تابع ہے۔

الواحد الأحد، الفرد الصمد. (ابن کثیر، ج ٤/ص: ٤١)

القهار الذی قد قهر الأشياء فدانت له وذلت وخضعت. (ابن کثیر، ج ٤/ ص: ٤١)

أنه سبحانه واحد حقيقي والواحد الحقيقي يمتنع أن يكون له ولد. (کبیر، ج ٢٦/ص: ٢١١)

اردو میں قہر اور قہار، غضب اور غضبناک کے مرادف سمجھے جاتے ہیں، عربی میں القہار غالب وزبردست کے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۵۸ سورۂ ص۔

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ واقعۃً بھی ایک اور یکتا ہے، اور چونکہ کوئی اس کا سا غلبہ وقوت والا نہیں، اس لیے کسی میں صلاحیت بھی اس کے شریک بننے کی نہیں۔

۷؎ آسمان، زمین، رات، دن، سورج، چاند، سب اس کے مخلوق اور سرتاسر اس کے تابع ومحکوم ہیں، معبود یا دیوی دیوتا بننے کی صلاحیت ان میں سے ذرہ بھر بھی کسی میں نہیں ــــــ مشرک قوموں نے ان سب کی پوجا کی ہے۔

خلق...... بالحق۔ اس فقرے میں دو حقیقتوں کا اثبات ہے: ایک یہ کہ یہ سارا کارخانۂ عالم مخلوق ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی تخلیق مقصد و حکمت کے ساتھ ہوئی ہے، اور بطور ایک حقیقت کے ہے، نہ بطور ایک وہم وخیال کے، جیسا کہ فلاسفۂ سوفسطائیہ کا مسلک ہے۔

یکور اللیل...... علی اللیل۔ علامہ ابن حزم اندلسی (متوفی ۴۵۶ھ، ۱۰۶۴ء) نے اپنی کسی تفسیری تصنیف میں تو اغلباً کچھ لکھا نہیں، لیکن اپنی ایک اور مشہور کتاب الملل والنحل میں ایک عنوان ''کرات زمین'' کا قائم کر کے اس میں خاص استدلال اسی آیت سے کیا ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ نے تین جلدوں میں مولانا عبداللہ عمادی مرحوم سے کرایا تھا۔ جلد اول کے ص: ۵۹۷ پر ''کرات زمین'' کے زیر عنوان علامہ ابن حزم لکھتے ہیں:

''اب وقت آ گیا ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ان لوگوں کے بعض اعتراضات کا ذکر شروع کریں، ان لوگوں نے کہا ہے کہ براہین سے ثابت ہے کہ زمین کروی (گول) ہے، اور اکثر لوگ اس کے خلاف کہتے ہیں۔ ہمارا جواب اللہ کی توفیق سے یہ ہے کہ ائمۂ مسلمین سے کسی ایسے شخص نے جو امام عالم کے نام کا مستحق ہے، زمین کے کروی ہونے کا انکار نہیں کیا ہے، اور نہ ایک کلمہ بھی اس کے خلاف ان سے یاد کیا گیا ہے، بلکہ قرآن وحدیث کی براہین، تکویر زمین ہی کو بیان کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یکوّر اللیل علی النهار ویکور النهار علی اللیل. (رات کو گھما کے دن میں اور دن کو گھما کے رات میں داخل کر دیتا ہے) بعض کی بعض کے ساتھ تکویر میں یہ واضح ترین بیان ہے، جو کور العمامة سے ماخوذ ہے، یعنی عمامہ کے پیچ سے کور عمامہ کو گھماتا اور گول کرتا ہے۔ یہ نص ہے تکویر زمین کی۔'' (الملل والنحل (عربی ایڈیشن) ج ۲/ص: ۹۷)

تکویر کا ترجمہ افسوس ہے کہ اردو مترجمین قرآن نے ''لپیٹنے'' سے کر دیا ہے، حالانکہ تکویر کا جو مفہوم عربی میں ہے، وہ محض یا مطلق ''لپیٹنے'' سے ادا نہیں ہوتا، بلکہ گھما کر لپیٹنے، یا گھمانے اور اس کے ایک حصہ کو دوسرے سے ملانے سے ادا ہوتا ہے، جیسے عمامہ پیچ لے کر لپیٹا جاتا ہے، اور اسی کو عربی میں ''کور العمامة'' کہتے ہیں، لغت کی شہادت ملاحظہ ہو:۔

کور الشیئ إدارته وضم بعضه إلی بعض ككَوْر العمامة. (راغب، ص: ۴۹۴)

آلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا

یادرکھووہ زبردست ہے بڑا بخشنے والا ہے ۸ اسی نے تم لوگوں کوایک ذات سے پیدا کیا، پھراسی سے اس کا

زَوْجَهَا وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ الْأَنْعَامِ

جوڑا بنایا ۹ اور تمھارے لیے اس نے چارپایوں کے

و کل دَوْرٍ کَوْرٌ. (جوھری، ج۲/ص:۸۰۹)

کارالعمامة علی رأسه یُکورها کوراً لاثها علیه وأدارها. (أقرب، ج۲/ص:۱۱۱۲)

قال اللیث الکَوْر: لَوْثُ العمامة وھو إدارتها علی الرأس. (تاج، ج۷/ص:۴۶۱)

کراتِ ارض پر استدلال ابن حزم نے لفظ تکویر کے اسی مفہوم استدارت سے کیا ہے۔

کل......مسمی۔ سب میں حرکت حشر کے وقت موعود تک رکھ دی ہے، جس کے بعد ایک نیا نظامِ عالم مرتب ہوگا۔

۸ اپنے اسم عزیز کے تقاضے سے ہر وقت ہر سزا پر قادر۔ اور اپنے اسم غفار کے تقاضے سے ہر پچھلے کفر وطغیان کو معاف کردینے والا ـــــــ مشرکوں کے دیویوں دیوتاؤں کی طرح معذور، مجبور، پابند کسی حال میں نہیں۔

۹ یعنی حضرت حواؑ، زوجِ آدمؑ کو پیدا کیا۔

منھا۔ یعنی اسی ذاتِ واحد سے۔ ضمیر مؤنث لفظ ''نفس'' کی طرف ہے ـــــــ ملاحظہ ہو، اسی مضمون کی (آیت:۱) پر، سورۃ النساء کے حاشیے۔

خلقلکم من نفس واحدۃ۔ آیت میں خطاب عام نسل انسانی کو ہے۔ ''دانایانِ فرنگ'' جن کی ہر دانائی پر نادانی خندہ زن ہے، مدتوں اسی میں سرگرداں رہے کہ نسلِ انسانی کا مورث کوئی ایک ہی ہے یا مختلف ومتعدد ہیں، اوراب کہیں جا کر وحدتِ نوع کے قائل ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم نے صدیوں پیشتر یہ فیصلۂ ناطق سنا دیا تھا کہ گورے اور کالے، مشرقی اور مغربی، زرد اور سرخ سب ایک ہی مورث کی اولاد ہیں ـــــــ وحدتِ نوعِ انسانی کو اس سے زیادہ واضح طور پر اور کیسے بتایا جاسکتا ہے کہ وطن کتنے ہی مختلف ہوں، تمھارے رنگ روپ میں کتنا ہی اختلاف ہو، تمھاری زبانیں

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ

آٹھ (کی تعداد میں) جوڑے پیدا کیے۱۰ وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ میں بناتا ہے ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر

فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

تین تین تاریکیوں میں ۱۱ یہی ہے اللہ تمھارا پروردگار، اسی کی حکومت ہے، کوئی خدا بجز اس کے نہیں

ایک دوسرے سے کیسی ہی اجنبی ہوں، سارے نسلی، قومی، وطنی، لسانی اختلافات کے باوجود بھی تم سب ہو ایک ہی مورث کی اولاد۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۱۰ مفسرین نے چوپایوں کے ان آٹھ جوڑوں سے مراد بھیڑ اور بکری، اور اونٹ اور گائے کے نر اور مادہ لیے ہیں، اس لیے کہ خود قرآن میں بھی تفصیل سورۃ الانعام میں آچکی ہے۔

أنزل۔ انزال سے مراد یہاں آسمان سے اتارنا نہیں، بلکہ مجازاً صرف پیدا کرنا اور مہیا کر دینا ہے۔

والإنزال مجاز عن القضايا والقسمة. (روح، ج۲۳/ص: ۲۴۰)

يعنى الإنزال هٰهنا الإحداث والإنشاء. (معالم، ج ٤/ص: ٨٠)

مراد یہ ہے کہ تمھارے کھانے پینے کو اور کام لینے کو اتنے جانور پیدا کر دیے ہیں۔

۱۱ (اور یہ سب اس کے حکیم ہونے کے شواہد و دلائل ہیں)

فی ظلمٰت ثلٰث۔ جنین خود ایک جھلی کے اندر رہتا ہے، جھلی رحم کے اندر ہوتی ہے، اور خود رحم شکم کے حصۂ زیریں میں چھپا ہوا ہے، یہ تین تین پردے اور تاریکیاں ہوئیں۔

فی بطون۔ بطن کے معنی پیٹ کے ہیں یعنی اس بڑے جوف یا ظرف کے، جس میں رحم، انثیین رحم، احشاء، امعاء سب کچھ شامل ہیں۔ سیاق میں اس لفظ کی وسعت قابل غور ہے، تاریکیوں یا تغیراتِ جنینی کا تعلق رحم سے یا ملحقات رحم سے ہے۔ یہ جدید و قدیم طبی تحقیقات کے ماتحت جو کچھ بھی ہو، بہرحال جو کچھ بھی ہوتا ہے سب بطن ہی کے حدود کے اندر ہوتا ہے۔

خلقاً من بعد خلق۔ ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت، ایک تغیر کے بعد دوسرا تغیر، جو شخص بھی جنین کے تغیرات سے واقف ہے، اس پر روشن ہے کہ نو مہینے تک کتنے تغیرات ہر روز ہوا کرتے ہیں!

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۶ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنْكُمْ ۫ وَلَا يَرْضٰى

سو تم کہاں پھرے چلے جا رہے ہو ۱۲؎ اگر تم کفر کرو گے تو اللہ بے نیاز ہے تم سے ۱۳؎ اور نہ وہ اپنے بندوں کے لیے

لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۗ

کفر کو پسند کرتا ہے، اور اگر تم لوگ شکر کرو گے تو اسے تمھارے لیے پسند کرتا ہے ۱۴؎ اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۱۵؎

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ ۢ

پھر تمھیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہوگا سو وہ تم کو تمھارے (سارے) اعمال بتلا دے گا، بے شک وہ دلوں تک کی

۱۲؎ (اے مشرکو!)

ذلك۔ یعنی ان صفات اور اس قوت وقدرت کا مالک۔

له الملك......ہو۔ یہ جتنے تغیرات خلقتِ انسانی سے متعلق بیان ہوئے، ان میں قطعاً کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ــــــ معبودیت، مالکیت، حاکمیت سب کا سزاوار وہی ہے، کسی اور میں اس کی صلاحیت ہی کہاں ہے!

۱۳؎ (وہ تمھارا حاجت مند کسی معنی میں بھی نہیں)

اس میں بھی رد ہے ایک مشرکانہ عقیدے کا، بہت سی جاہلی قوموں کا اعتقاد یہ رہا ہے کہ ان کے ٹھاکر اور دیوتا خود اپنے پجاریوں کی پوجا اور بھینٹ کے محتاج ہیں، اور یہ خود پجاریوں کے اختیار میں ہے کہ جب جسے چاہیں دیوتا بنا لیں، اور جب جسے چاہیں اس منصب سے معزول کر دیں۔

۱۴؎ مشیتِ الٰہی کا قانون تکوینی دوسرا ہے، یہاں بیان مرضیاتِ الٰہی کے قانون تشریعی کا ہو رہا ہے۔ بندوں ہی کے نفع و مصلحت کی خاطر اسے پسند صرف طریق ایمان ہے، طریق کفر سرتاسر ناپسند اور نامقبول ہے۔

وإن تشكروا۔ مراد طریق توحید و ایمان ہے۔

۱۵؎ (قیامت میں)

مسیحی عقیدہ کفارے کی تردید میں خصوصیت کے ساتھ یہ قانون بیان ہو رہا ہے۔ دوسرے مذاہب بھی کم وبیش اسی گمراہی کے شکار ہیں۔

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ

باتوں کا جاننے والا ہے ۱۶ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پروردگار کو اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے

ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ

پھر جب اللہ اس کو اپنے پاس سے نعمت عطا کر دیتا ہے تو وہ پیشتر جس کے لیے (اس کو) پکار رہا تھا بھول جاتا ہے

وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖۗ

اور اللہ کے شریک بنانے لگتا ہے جس سے وہ اللہ کی راہ سے (دوسروں کو بھی) گمراہ کرتا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اپنے کفر کا مزہ کچھ دن اور اٹھالے

اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا

تو دوزخیوں میں سے تو ہونے والا ہی ہے ۱۷ بھلا جو شخص رات کے اوقات میں سجدہ و قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو

يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ

آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید کر رہا ہے ۱۸ آپ کہئے کہ کیا علم والے اور بے علمی والے کہیں

۱۶ (اس کے لیے تمہارے ظاہر و باطن دونوں پر اطلاع کامل کیا دشوار ہے)

آخرت کی یاد اور ذمہ داری کا احساس قرآن مجید کس کثرت سے اور کتنے طریقوں سے دلاتا رہتا ہے۔

۱۷ آیت میں انسان سے مراد ناشکر گزار، کافر و مشرک قسم کے انسان کا ہے کہ جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے جب تو وہ اخلاص کے ساتھ توحید کا قائل ہو جاتا ہے، اور اللہ کو پکارنے لگتا ہے، اور جب وہ تکلیف دور ہو جاتی ہے، اور اس کے بجائے نعمت و راحت و امن اسے مل جاتا ہے، تو وہ اپنی اس تکلیف کو بھول بھال کر نہ صرف یہ کہ خود بدستور پھر گمراہی میں پڑ جاتا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے لگتا ہے، ایسے لوگوں کے لیے مہلت چندروزہ ہے اور انجام کار دوزخ ہے۔

۱۸ (کہیں ایسا شخص اور مشرک برابر ہو سکتے ہیں؟)

مراد ایسے شخص سے ہے جس کے عقائد بھی درست ہوں اور اعمال بھی، باطن بھی آراستہ ہو اور ظاہر بھی۔ عقائد میں وہ توحید اور یوم جزا پر ایمان رکھتا ہو، اور اعمال میں یہ کیفیت ہو کہ رات جو عموماً غفلت کا وقت ہوتا ہے، اس وقت بھی وہ سجود و قیام یعنی نماز و عبادت میں مشغول ہو۔ خلاصہ یہ کہ تمام

ع ۱ ۹ ۱۵

وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ

برابر بھی ہوتے ہیں؟ نصیحت تو بس وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہوتے ہیں ۱۹ آپ کہہ دیجیے اے میرے ایمان

اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ

والے بندو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو، جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لیے نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین

وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ

فراخ ہے ۲۰ ثابت قدم رہنے والوں ہی کو ان کا اجر

آداب عبودیت کی ادائی کا اہتمام رکھتا ہو، بلا قصور و بلا فتور ظاہراً بھی باطناً بھی۔

یحذر ...... ربہ۔ مقام خوف پر نام صرف آخرت کے آنے اور محل رجاء میں رب کے ذکر آنے سے محققین عارفین نے یہی سمجھا ہے کہ حضرت حق میں رجاء کا پہلو خوف پر غالب رہنا چاہیے۔

هذا يدل على أن جانب الرجاء أكمل وأليق بحضرة الله تعالىٰ. (كبير، ج ٢٦/ص: ٢١٩)

۱۹ (اور جو اپنی عقل و فہم کو کام ہی میں نہیں لانا چاہتے، وہ ساری حکمتوں اور دانائیوں کو سنی اَن سنی کر دیتے ہیں)

الذين يعلمون۔ والذين لا يعلمون۔ محاورۂ قرآنی میں علم سے مراد علم حقائق سے ہوتی ہے، اور بے علمی سے مراد اسی علم سے محرومی ہے۔

الذين يعلمون کا لفظ قانت اور ساجد اور قائم کے لیے آیا ہے، یعنی ان لوگوں کے لیے جو صاحب عمل ہوتے ہیں، اور اس کے مقابلے میں جو لوگ بے عمل ہوتے ہیں، انھیں الذين لا يعلمون سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ عمل کی کتنی فضیلت اسلام میں ہے، اور جو لوگ صرف علم پر بلا عمل قانع رہتے ہیں، انھیں قرآن بے علم یا جاہل ہی قرار دیتا ہے۔

وهو تنبيه على أن من لم يعمل فهو غير علم. (كشاف، ج ٤/ص: ١١٣، كبير، ج ٢٦/ص: ٢١٩)

وفيه ازدراء عظيم بالذين يقتنون العلوم ثم لا يقتنون، ويفتنون فيها ثم يفتنون بالدنيا فهم عند الله جهلة. (كشاف، ج ٤/ص: ١١٣، كبير، ج ٢٦/ص: ٢١٩)

۲۰ (اس لیے اگر کسی خاص سرزمین میں احکام دین پر عمل کا موقع نہیں ملتا، تو ترک

بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ⑪

بے شمار ملے گا ۲۱ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی عبادت خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے کروں

وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ⑫ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ

اور مجھے یہ بھی حکم ملا ہے کہ میں سب مسلمانوں میں اول ہوں ۲۲ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو (اپنے لیے)

وطن کر کے کسی اور ملک میں چلے جاؤ، یا اگر کسی ملک کے تکوینی حالات ایسے ہیں کہ وہاں رہ کر خیر و عافیت بدرجۂ ضروری بھی نہیں ملتی، تو کسی اور ملک کا تجربہ کر دیکھو)

للذین......حسنة ۔ یہ صلۂ نیک آخرت میں تو ملتا ہی ہے، باقی دنیا میں بھی نیک کاروں کو تسکین و راحت خاطر کی حد تک ضرور مل جاتا ہے۔

یا......ربکم۔ یہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم کن کو مل رہا ہے؟ ان کو جو پہلے ہی سے مومن ہیں، اور یہ خود ایک قوی دلیل ہے (معتزلہ و خوارج کے خلاف) اس حقیقت پر کہ ایمان، عدم تقویٰ یا فسق یا معصیت کے ساتھ جمع رہ سکتا ہے۔

هذا من أوّل الدلائل على أن الإيمان يبقى مع المعصية. (کبیر، ج۲۶/ص: ۲۲۰)

وذلك يدل على أن الفسق لايزيل الإيمان (کبیر، ج۲۶/ص: ۲۲۰)

۲۱ إنما کے کلمۂ حصر سے یہ نکتہ نکالا گیا ہے کہ بلا صبر کے کوئی اجر نہیں، اور ہر اجر کے مقابلے میں کوئی نہ کوئی درجہ صبر کا تو بہر حال ہونا چاہیے ـــــ اور ہر عمل عبادت میں نفس کی آزادی پر صبر و مجاہدے کا بند کسی درجہ میں تو لگانا ہوتا ہی ہے۔

الصابرون۔ یعنی دین پر ثابت قدم رہنے والوں کو ـــــ ابھی ذکر بالواسطہ ہجرت کا تھا، لیکن کون مہاجر ایسا ہے جسے کم و بیش صعوبتوں کے اندر سے ہو کر نہ گزرنا پڑتا ہو، اس لیے معاذ کر ان کے اجر، اور اجر بے حساب کا کر دیا گیا۔

والمراد الذين صبروا على مفارقة أوطانهم وعشائرهم، وعلى تجرع الغصص واحتمال البلايا في طاعة الله تعالىٰ. (کبیر، ج۲۶/ص: ۲۲۱)

۲۲ پیمبر کو یہاں دو حکم مل رہے ہیں: پہلا حکم یہ ہے کہ خالص توحیدی عبادت پر

رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾

ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں ۲۳ آپ کہہ دیجیے میں اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنے دین کو اس کے لیے خالص رکھتا ہوں

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا

سو تمہارا دل جس چیز کو چاہے اس کی عبادت کرو، اللہ کو چھوڑ کر ۲۴ آپ کہہ دیجیے کہ پورے زیاں کار وہی لوگ ہیں جو

اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾

اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارے میں پڑے، یاد رکھو کہ یہی صریح خسارہ ہے ۲۵

بلا شائبۂ شرک قائم رہو، یہ حکم بحیثیت مسلم کے ملا۔ دوسرا حکم یہ کہ طبقۂ مسلمین میں سب سے اول رہو، یہ حکم بحیثیت پیمبر کے ملا۔

۲۳ یعنی یوم قیامت کے عذاب کا۔

پیغمبر تو عصمت کے اس درجہ پر ہوتے ہیں کہ ان سے ترک توحید کا احتمال ہی نہیں، تو جب اندیشۂ عذاب ان تک کے لیے ہے، تو امت کے غیر معصوموں کا ظاہر ہے کہ کیا ذکر ہے!

إني أخاف۔ الفاظ سے یہ نکتہ بھی پیدا کیا گیا ہے کہ معصیت پر جو شے لازمی طور پر مرتب ہوتی ہے، وہ اندیشۂ عذاب ہے، نہ کہ نفسِ عذاب۔

دلت الآية على أن المرتب على المعصية ليس حصول العقاب بل الخوف من العقاب. (کبیر، ج ۲۶/ص: ۲۲۲)

۲۴ (قیامت کے دن اس کا انجام آپ ہی دیکھ لو گے)

ظاہر ہے کہ یہ پورا فقرہ تہدید کے لہجہ میں ہے، یہ مراد نہیں کہ مشرکوں کو اختیار دیا جا رہا ہے۔

مخلصا له ديني۔ یعنی اسی کے حکم کے مطابق بلا شائبۂ شرک۔

محققین نے کہا کہ اس سے وجوب عبادت و اخلاص دونوں کا ثابت ہوتا ہے ـــــ اخلاص محض، جسد بے روح ہے، اور خالی عبادت، روح بے جسد۔

۲۵ (کہ آخری فیصلے کے دن خسارہ ہی خسارہ ہے، اور جان اور متعلقین جو دنیا میں نفع و راحت و تمتع کا ذریعہ رہتے ہیں، وہ قیامت کے دن ذرا بھی یہ کام نہ دے سکیں گے)

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ

ان کے لیے اوپر سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے اوران کے نیچے بھی محیط شعلے ہوں گے، یہ وہی (عذاب) ہے، جس سے

اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ

اللہ اپنے بندوں کوڈراتا ہے ۲۶ اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو ۲۷ اور جولوگ اس سے بچے رہتے ہیں کہ

اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ

شیطان کی پرستش کریں اوراللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں ان کے لیے بشارت ہے سوآپ بشارت دے دیجیے میرے انھیں بندوں کو

يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ

جو (اس) کلام کوکان لگا کر سنتے ہیں، پھراس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں ۲۸ یہی ہیں جن کواللہ نے ہدایت کی

ألا ......المبین۔ یہاں خسران کی شدید تاکید ملحوظ رہے، ایک تو فقرے کی ابتدا ہی کلمۂ تنبیہ سے کی، پھر خسران کو معرفہ بنا کر الخسران کیا، اور پھر وصف مبین کا اضافہ کیا۔

الخسرین سے مراد ہر جہتی خسران کامل اٹھانے والوں سے سمجھی گئی ہے۔

أی الکاملین فی الخسران الجامعین لوجوهه وأسبابه. (کشاف، ج٤/ص:١١٥)

۲۶ (اوراس سے بچنے کی تدبیریں بتاتا ہے، تاکہ وہ عذاب سے بچے رہیں)

ظلل۔ کے لفظی معنی سائبان کے ہیں۔ سائبان کا اوپر ہونا ظاہر ہے، اور سائبان کا نیچے ہونا اس معنی میں ہے کہ وہ ان سے نیچے والوں کے حق میں سائبان ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اہل جہنم ہر طرف سے آگ میں گھرے ہوں گے، اوڑھنا بچھونا سب آگ کا ہوگا۔

ذلک۔ یعنی یہی عذاب ہولناک۔

جن صوفیہ نے شاعری کا لباس پہن کر خوف دوزخ پر مضحکہ کیا ہے، کاش وہ اس قسم کی ساری آیات قرآنی کو پیش نظر رکھتے!

۲۷ یعنی دین حق پر عمل کرو، تاکہ ہر عذاب سے محفوظ رہو۔

یٰعباد۔ کالفظ خود شفقت وکرم کی طرف مشیر ہے۔

۲۸ (اوراس کی سب باتیں اچھی ہی ہیں)

وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝١٨ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ

اور یہی ہیں جو اہل عقل ہیں ۲۹ بھلا جس پر عذاب کی بات تحقق ہو چکی

اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ۝١٩ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا

تو کیا آپ ایسے شخص کو جو دوزخ میں ہوگا، چھڑا سکتے ہیں؟ ۳۰ البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے بالاخانے ہیں

یستمعون ۔ استماع کے معنی سمجھنے کے طور پر سننے کے ہیں۔

القول سے مراد کلام حق ہے۔

أحسنه ۔ أحسن سے مراد یہاں حسن ہے۔

لھم البشریٰ ۔ ترکیب کلام سے معنی حصر کے پیدا ہو گئے ہیں، یعنی بشارت ایسوں ہی کے حق میں ہے، سب کے لیے نہیں۔

أی لھم لا لغیرھم. (کبیر، ج ۲٦/ص:۲۲٦)

البشریٰ ۔ ال بھی اسی حصر کی تاکید مزید کے لیے ہے۔

فیفید أن هذه الماهیة بتمامها لهؤلاء ولم یبق منها نصیب لغیرهم. (کبیر، ج ۲٦/ص:۲۲٦)

الطاغوت ۔ طاغوت ہر وہ ہستی ہے جو طغیان میں حد سے تجاوز کر جائے، مراد یہاں شیطان یا شیاطین سے لی گئی ہے۔

فسره هنا بالشیطان مجاهد ویجوز تفسیرها بالشیاطین جمعاً. (روح، ج ۲۳/ص:۲۵۲)

۲۹ قرآن مجید نے بار بار اہل عقل و فہم انھیں کو قرار دیا ہے، جو راہِ ہدایت اختیار کرتے اور اس پر قائم رہتے ہیں ــــــــ واقعہ ہے بھی یہی کہ جن لوگوں کو اپنی فکر نجات تک نہ ہو، اور دل میں تحقیق حق کا اہتمام ہی نہ ہو، انھیں عقل کی مبادی سے بھی بہرہ ور کیسے تسلیم کیا جائے۔

أولٰئك ...... الله ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی اپنی طرف سے حصول ہدایت کا اہتمام رکھتا ہے، اس پر راہِ ہدایت ضرور کھل جاتی ہے۔

۳۰ مطلب یہ ہوا کہ جو ایمان کا قصد ہی نہ کرے، اور اپنے کو اسباب ہلاکت سے بچانے کی فکر ہی نہ رکھے، اسے ایمان پر مجبور کر دینا، اور ایمان پر لے آنا، آپ کے امکان و اختیار

غُرَفٌ مَّبۡنِیَّةٌ ۙ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۬ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخۡلِفُ اللّٰهُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۲۰﴾

جن کے اوپر بنے بنائے (تیار) بالاخانے ہیں ان کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہیں (یہ) اللہ کا وعدہ ہے (اور) اللہ وعدے کے خلاف نہیں کرتا ۳۱

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَهٗ یَنَابِیۡعَ فِی الۡاَرۡضِ

کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اُسے زمین کے سوتوں میں داخل کر دیا

ثُمَّ یُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیۡجُ فَتَرٰىهُ مُصۡفَرًّا

پھر وہ اس کے ذریعہ سے کھیتیاں پیدا کر دیتا ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں، پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے

ثُمَّ یَجۡعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۱﴾ ع ۲ ۱۲ ۱۶

پھر اس کو چورا چورا کر دیتا ہے، اس (نمونۂ قدرت) میں بڑی نصیحت ہے اہل عقل کے لیے ۳۲

ہی سے خارج ہے، ان پر تاسف وتردد ہی بے کار ہے۔

۳۱ خیال رہے کہ مشرک قوموں میں دیوی دیوتاؤں پر ایفائے عہد مطلق لازم نہ تھا۔ خدائے اسلام اسی لیے اپنے اس وصف کو بھی بار بار نمایاں کرتا جاتا ہے۔

الذین اتقوا ربھم۔ جنت کے مراتب عالیہ اہل تقویٰ ہی کے لیے ہیں۔

۳۲ اس آغاز اور اس انجام پر انسان غور کرے تو ایک کھلا ہوا نمونہ تو حیات انسانی کے آغاز وانجام کا مل جاتا ہے، زندگی کے کیسے کیسے دور گزرتے ہیں، لیکن سب کا انجام وحاصل، آخر فنا! یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ان میں سے ایک ایک تغیر کتنی حکمتوں، مصلحتوں، صنعت کاریوں کا حاصل ہوتا ہے، اور پھر سب سے آخری تغیر کتنی زبردست حکمت اور کاریگری پر دلیل ہے۔

السمآء۔ سابق کے حاشیوں میں کئی بار یہ امر صاف کیا جا چکا ہے کہ السمآء کی وسعت مفہوم کا کوئی لفظ اردو میں موجود نہیں۔ بارش کے سلسلے میں جہاں جہاں یہ لفظ قرآن میں آیا ہے، بے تکلف معنی بادل کے لیے جا سکتے ہیں۔ سمآء عربی میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں، جو انسان کے اوپر واقع ہو، یہاں تک کہ مکان کی چھت بھی۔

ماءً ...... الأرض۔ یہ پانی وہی ہے جو کنوؤں اور چشموں کے ذریعہ سے انسان کے کام میں

أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ؕ

سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا، اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر چل رہا ہے (کیا ایسا شخص اور اہل قساوت برابر ہو سکتے ہیں؟)

فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ أُولٰٓئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۲۲﴾

سو بڑی خرابی ان لوگوں کے لیے، جن کے دل اللہ کے ذکر کی طرف سے سخت ہیں، یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہیں ۳۳

آتا ہے، اور یہ سارا نظام آبی زمین پر بغیر کسی انسان کی صلاح ومشورے کے محض حکیم مطلق کے حکم سے روزِ ازل سے جاری ہے۔

حطام۔ یہ وہی چیز ہے جسے ہماری زبان میں بھوسا کہتے ہیں۔

۳۳ پہلا شخص وہ ہے جو ہدایت کے مقتضا پر چل رہا ہے، اور یقین صحیح پیدا کر کے اس کے مطابق عمل کر رہا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو کھلے ہوئے دلائل وشواہد کے باوجود ایمان نہیں لاتا، اور اس سے بڑھ کر اس کے قساوت قلب کی دلیل اور کیا ہوگی!

أفمن......ربہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابیؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی، تو ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ شرح صدر کیوں کر ہوتا ہے؟ فرمایا: جب دل میں نور داخل ہو۔ عرض کی کہ اس کی کیا علامت ہے؟ ارشاد ہوا کہ دارالخلو د یا باقی کی طرف رغبت والتفات، اور دارالغرور یا فانی کی طرف سے بے التفاتی، اور موت کی طرف آمادگی۔ (معالم، ج۴/ص:۸۵)

فَوَیْلٌ۔ اس بڑی خرابی کا ظہور آخرت میں ہوگا۔

للقٰسیۃ قلوبھم۔ یہ قساوتِ قلب، شرح صدر کے مقابلے میں آئی ہے، رقت قلب کی طبعی کمی یا فقدان کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ شرح صدر کے جو خصوصیات بتائے گئے ہیں، اِس میں اُس کے برعکس پیدا ہو جاتے ہیں۔

محققین نے آیت کے مضمون سے دو نکتے اور پیدا کیے ہیں:

ایک یہ کہ ہر مومن، کسی درجہ میں بھی سہی، بہر حال صاحب معرفت ونور ہے۔

دوسرے یہ کہ جس اسلام سے معرفت ونورانیت پیدا ہوتی ہے وہ، وہ ہے جو شرح صدر یعنی رغبت تام اور یقین کامل کے ساتھ ہو، نہ وہ جو منافقت یا جبر یا رسم وعادت کا ثمرہ ہو۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ

اللہ نے بہترین کلام نازل کیا ہے ایک کتاب باہم ملتی جلتی ہوئی اور بار بار دہرائی ہوئی ۳۴ اس سے ان لوگوں کی جلد جو

جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی

اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں کانپ اٹھتی ہے، پھر ان کی جلد اور ان کے قلب اللہ کے ذکر کے لیے

ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ

نرم ہو جاتے ہیں ۳۵ یہ اللہ کی (طرف سے آئی ہوئی) ہدایت ہے، جسے چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کر دیتا ہے

۳۴ اللہ نزّل أحسن الحدیث۔ اس میں اس دعوے کا اثبات ہے کہ قرآن مجید بہترین کلام ہے، کوئی دوسرا کلام اس کی ٹکر کا نہیں، نہ باعتبار لفظ وعبارت، نہ بلحاظ معنی ومفہوم۔

کتابا۔ اس کلام کا نزول گو بتدریج کہیں ۲۲-۲۳ سال میں ہوا، تاہم اس پر اطلاق ایک ''کتاب'' ہی کا رہا۔

متشابھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت، اجر، برکت، معنویت کے لحاظ سے یہ کلام شروع سے آخر تک یک رنگ اور آپس میں ہم رنگ ہے۔

مثانی۔ اس کے اندر احکام واخبار، مسائل وحکایات، بار بار تکرار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں کہ کسی کو عذر قصورِ فہم وسمع کا نہ رہے۔

۳۵ یعنی وہ کتاب اللہ پر عمل کرنے لگتے ہیں، اور اعمال قلب واعمال جوارح میں خشوع وانقیاد کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں۔

تقشعر ...... ربھم۔ محققین نے تصریح کر دی ہے کہ یہ مطلق خوف سے کنایہ ہے، یہ لازمی نہیں کہ خوف کے آثار جسم پر بھی اسی طرح نمایاں ہونے لگیں۔ محض فعلی وایمانی خوف کافی ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنی مشہور ومحققانہ کتاب احیاء علوم الدین میں لکھا ہے کہ بہت سے صوفیہ ایسے ہیں جن پر شاعروں کا کلام سن کر وجد طاری ہو جاتا ہے، اور قرآن مجید کی آیتوں سے نہیں ہوتا، اور اس کے بعد ان لوگوں کی اس کیفیت کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ (احیاء، ج ۲/ص: ۳۷۴)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ

اور اللہ جسے بے راہ کر دے اس کے لیے ہادی کوئی نہیں ۳۶ بھلا جو شخص قیامت کے دن عذاب سخت کو اپنے چہرے پر

الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾

لے گا اور (ایسے) ظالموں سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو (تو کیا ایسا شخص اور جو ایسا نہ ہو، برابر ہو سکتے ہیں؟) ۳۷

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾

ان کے قبل والوں نے بھی (حق کو) جھٹلایا تھا، سو ان پر عذاب ایسے طور پر آپڑا کہ ان کو گمان بھی نہ تھا ۳۸

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ

سو اللہ نے انھیں دنیوی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھا دیا، اور آخرت کا عذاب تو اور سخت ہے

امام رازیؒ اس جانب اشارہ کر کے لکھتے ہیں کہ

وأنا أقول إن خلقت محروماً عن هذا المعنى فإني كلما تأملت في أسرار القرآن اقشعر جلدي ووقف عليّ شعري وحصلت في قلبي دهشة وروعة، وكلما سمعت تلك الأشعار غلب الهزل علي وما وجدت البتة في نفسي منها أثراً وأظن أن منهج القويم والصراط المستقيم هو هذا. (كبير، ج ٢٦/ص: ٣٣٧-٣٣٨)

۳۶ یعنی حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی پر غالب اور اس پر حاکم کوئی اور قانون نہیں۔

ومن يضلل الله۔ اوپر کئی بار گزر چکا کہ اضلال کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب صرف تکوینی حیثیت سے، یا بحیثیت علت العلل (مسبب الاسباب) ہی ہوتی ہے۔ ہدایت یاب اور گمراہ دونوں کی مثالیں ابھی اوپر کی آیتوں میں گزر چکی ہیں۔

۳۷ پورے پورے جملوں اور عبارتوں کا محذوف و مقدر رہنا عربی اسلوب انشاء میں منافی بلاغت نہیں، بلکہ اپنے موقع پر داخل حسن ہے، اور یہاں تمام اہل فن نے اسی قسم کا کوئی فقرہ مقدر مانا ہے۔

۳۸ (سو اگر عذاب الٰہی نہیں آیا ہے تو یہ کافر و منکر بے فکر نہ ہو جائیں، اگلی قوموں پر بھی عذاب جب آیا ہے، ان کے گمان و زعم کے خلاف ہی آیا ہے)

لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدۡ ضَرَبۡنَا لِلنَّاسِ فِيۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ

کاش یہ لوگ سمجھتے ۳۹ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لیے ہر قسم کے مضمون بیان کردیے ہیں

لَّعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۷﴾ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا غَيۡرَ ذِيۡ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۲۸﴾

تاکہ لوگ نصیحت حاصل کرتے رہیں، قرآن واضح جس میں کوئی کجی نہیں، تاکہ لوگ ڈرتے رہیں ۴۰

۳۹ آخرت کے معمولی اور ہلکے سے عذاب کا بھی دنیا کے بڑے سے بڑے عذاب کا کیا مقابلہ! وہ تو اس سے کہیں شدید تر ہوگا، کاش یہ منکرین اس کا کچھ سرسری سا اندازہ بھی رکھیں!

الخزی......الدنیا۔ یعنی وہ قومیں یا تو جہاد میں اہل ایمان کے ہاتھوں مغلوب ومنہزم ہوئیں، یا اور کسی عذاب ناگہانی سے ہلاک ہوگئیں۔

۴۰ (ہر نافرمانی سے)

قرآناً۔ یہاں پہلا وصف القرآن کا یہ بیان ہوا کہ وہ ایک پڑھی جانے والی چیز ہے، چنانچہ قیامت تک مسجدوں میں پڑھا جائے گا، محرابوں میں سنایا جائے گا، گھروں میں اور مدرسوں میں اس کی تلاوت ہوتی رہے گی، معتقدوں کا نہیں، بلکہ منکروں کا بیان ہے کہ ”قرآن دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے“۔(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، مقالہ ”قرآن“ طبع یازدہم)

عربیاً۔ یعنی فصیح وبلیغ، واضح حد اعجاز تک۔

والمراد أنه أعجز الفصحاء والبلغاء عن معارضته. (کبیر، ج۲۶/ص:۲۴۰)

یہ القرآن کا دوسرا وصف ہوا۔

غیر ذی عوج۔ یعنی جس کے اندر کجی کسی طرح کی ہے ہی نہیں، نہ لفظی نہ معنوی، یہ قرآن مجید کا تیسرا وصف بیان ہوا۔

عَوَج (بہ فتح عین) وہ کجی ہے جو مادی آنکھوں سے دیکھ لی جائے، اور عِوَج (بہ کسر عین) وہ کجی ہے جس کا ادراک چشم وبصیرت سے نہ ہوسکے۔

العَوج۔ یقال فیما یُدرك بالفکر والبصیرة. (راغب، ص:۳۹۲)

لعلّھم یتذ کرون۔ مقصود تمام مضامین کے لانے سے یہی ہے کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا

اللہ مثال بیان کر رہا ہے کہ ایک شخص ہے، جس میں کئی ساجھی ہیں، آپس میں باہم ضد رکھنے والے اور ایک اور شخص ہے کہ پورا ہی ایک شخص کی

لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾

(ملک) ہے، تو کیا دونوں کی حالت یکساں ہے؟ ۴۱ الحمد للہ، مگر ہے یہ کہ ان میں سے اکثر سمجھتے ہی نہیں ۴۲

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

آپ کو بھی مرنا ہے اور انھیں بھی مرنا ہے، پھر قیامت کے دن تم (دونوں فریق) اپنے پروردگار کے رُوبرو مقدمہ پیش کرو گے ۴۳

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ

تو اس سے بڑھ کر بے انصاف کون ہے جو اللہ پر جھوٹ لگائے اور سچی بات کو جھٹلائے جب کہ وہ اس کے پاس پہنچے

۴۱ (ظاہر ہے کہ نہیں ہے، بلکہ دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے)

مومن مخلص ساری فکروں کو چھوڑ چھاڑ کر صرف ایک سے لو لگائے رہتا ہے، مثال کے ذریعہ سے بندۂ مومن و مشرک کے درمیان تقابل اور ان کے فرق کو واضح کرتا ہے۔

رجلا......متشکسون۔ ایسا شخص ایک تو غلام و محکوم، اپنے ہر ذاتی ارادے سے محروم، اور پھر مالک ایک نہیں متعدد، غلام حیران و متردد کہ کس کا کہا مانوں، کس کا نہ مانوں۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اللہ سے غافل ملحد و مشرک، دنیا میں سخت ترین کشاکش میں گرفتار رہا کرتا ہے۔

رجلا سلماً لرجل۔ مومن مخلص ساری فکروں کو چھوڑ چھاڑ صرف ایک سے لو لگائے رہتا ہے؟ ع

جو غم ہوا اسے غمِ جاناں بنالیا!

۴۲ (قرآن مجید مشرکوں کی اس بدفہمی پر (جو محض غفلت و بے غوری سے پیدا ہوتی ہے) بار بار تاسف کرتا ہے کہ شرک و توحید کے درمیان، انسان کے اپنے ذہنی اعتبار سے بھی جو زمین و آسمان کا فرق ہے، ان کی سمجھ میں نہیں آتا!

۴۳ (اور وہ دن عملی فیصلے کے صدور و ظہور کا ہوگا)

أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ

کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہوگا؟ ۴۴ اور جو سچی بات لے کر آئے

وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿٣٣﴾ لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ

اور (خود بھی) اس کو سچ جانا تو یہی لوگ تو پرہیز گار ہیں، وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے

ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٤﴾ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا

یہ صلہ ہے نیک کاروں کا ۴۵ تاکہ اللہ ان سے ان کے ہر عمل کی برائیوں کو دور کردے

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشفی دی ہے کہ آپ زیادہ غم وتردد کو راہ نہ دیں، آپ کو بھی عالم ناسوت سے گزر کر اپنے رب تک پہنچنا ہے، اور ان منکرین کو بھی یہیں آنا ہے، یہ خود آ کر اپنے کیے کو بھگت لیں گے۔

إنك ميت۔ خطاب ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

ضمناً موافق ومخالف، دوست ودشمن سب کو یہ تعلیم مل گئی کہ نبی مرسل غیر فانی بن کر اور عمر جاودانی لے کر اس دنیا میں نہیں آتا، سارے بندوں کی طرح وہ بھی فانی ہی ہوتا ہے۔

۴۴ یعنی ضرور ہوگا۔

استفہام انکاری سے اثبات قطعی کے معنی پیدا کرنا انگریزی اور اردو وفارسی کی طرح عربی میں بھی عام ہے۔

فمن۔ف۔ یعنی جب کہ اخیر فیصلہ یہی ہونا ہے کہ اہل کفر کو جہنم نصیب ہو اور اہل ایمان کو اجر ونجات۔

كذب على الله ۔ اللہ پر شدید جھوٹ لگانا سب سے بڑھ کر یہی ہے کہ اس کی صفت تفرد وتوحد کا انکار کر کے کسی کو اس کا شریک قرار دیا جائے۔

كذب......جاء ہ۔ پیام حق پہنچنے کا ذریعہ خود رسول یا اُن کے کوئی نائب ہی ہوتے ہیں۔

بعض اکابر نے کہا ہے کہ آیت اپنے عموم لفظ سے ان لوگوں کو بھی شامل ہے، جو دعوئے ولایت میں کاذب ہیں، اور شریعت کو پس پشت ڈال کر اسے محض قشر بتاتے ہیں۔

۴۵ جنت کی نعمتیں بے شمار اور لامتناہی ہیں۔ یہاں حیرت انگیز ایجاز وجامعیت کے

ساتھ بیان کردیا کہ اہل جنت کو وہ سب کچھ مل جائے گا، جو وہ چاہیں گے۔ بعض نافہم جو فلاں فلاں نعمتوں کے نام لے کر سوال کیا کرتے ہیں کہ آیا جنت میں یہ بھی موجود ہوں گی، ان کا پورا جواب آیت میں آگیا، جنت میں ایک دو نہیں، سو پچاس بھی نہیں، ساری ہی کی ساری نعمتیں موجود ہوں گی۔

الذی جاء بالصدق۔الصدق یعنی پیغام حق۔ یہاں مراد قرآن ہے اور اس کے لانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

قال مجاهد وقتادة والربيع بن أنس وابن زيد هو الرسول. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٨)

قال ابن عباس يعنى رسول الله صلى الله عليه وسلم. (معالم، ج٤/ص:٨٩)

الذی۔ جس طرح مفرد کے لیے آتا ہے، اسی طرح جمع کے لیے بھی۔

يكون للجنس والعهد. (روح، ج٢٤/ص:٣)

المعنى على الجمع. (عكبرى، ج٢/ص:١١١١)

حضرت علیؓ سے روایت آئی ہے کہ الذی جاء بالصدق سے اشارہ رسول کریم کی جانب ہے، اور وصدق به سے اشارہ آپ کی تصدیق کرنے والے حضرت ابوبکرؓ کی جانب ــــــ ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرات شیخینؓ کے مناقب کی روایتیں حضرت علیؓ ہی کی زبان سے آئی ہیں!

الذی......به۔ یعنی رسول اللہ اور ان کے متبعین۔

فالذى جاء بالصدق الأنبياء، والذى صدق به الأتباع. (كبير، ج٢٦/ص:٢٤٣)

وهم الرسول الذى جاء بالصدق، وصحابته الذين صدّقوا به. (كشاف، ج٤/ص:١٢٤)

قال ابن زيد ومقاتل وقتادة (الذى جاء بالصدق) النبى صلى الله عليه وسلم (وصدق به) المؤمنون. (قرطبى، ج١٥/ص:٢٥٦)

لهم مايشاؤون۔ حد کردی ہے عطا و بخشش کی، اہل جنت جو کچھ بھی چاہیں گے، وہ سب ہی ان کو مل جائے گا۔ مایشاؤون میں اعلان و وسعت کو درجۂ کمال پر پہنچادیا ہے۔

المتقون۔المحسنين۔ ان تصریحات نے یہ صاف کردیا کہ تقویٰ و احسان کا لازمی اور قدرتی صلہ نعمہائے جنت ہیں، اور خود یہ تقویٰ و احسان کیا ہے؟ تعمیل شریعت اپنی مکمل صورت میں۔

وَيَجۡزِيَهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ الَّذِيۡ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۞ اَلَيۡسَ اللّٰهُ

اوران کے عمل کی نیکیوں کا انھیں (پورا) اجردے ۴۶ کیا اللہ اپنے بندۂ (خاص) کے لیے

لهم......ربهم۔ آج اس عالم ناسوت میں جس کسی نے اپنے نفس کو امتثال امر الٰہی کے ماتحت کرلیا، کل عالمِ جزا میں وہ اپنے کو محکوم نہیں، حاکم پائے گا۔ وہ جو کچھ بھی چاہے گا، بس چاہنے کی دیر ہوگی، سب کچھ اسے مل جائے گا۔

ذلك جزاء المحسنين۔ اصولی قاعدہ بیان فرمادیا۔ نیک کاروں کو، حُسن عمل والوں کو ایسا ہی بدلہ ملا کرتا ہے۔

۴۶ أسوأ الذی عملوا۔ اہل اخلاص کو اجر کا پورا پورا ملنا تو ظاہر ہی ہے، لیکن یہاں تصریح ایک دوسری چیز کی بھی ہے، یعنی ان کے کفارۂ ذنوب کی ـــــــ گویا اہل اخلاص (محسنین) بھی ذنوب ومعاصی سے خالی نہ ہوں گے۔

اس میں رد نکل آیا ایک طرف تو ان غالی صوفیہ ومشائخ کا جو اولیاء وصالحین کو ذنوب ومعاصی سے ماوراء ومنزّہ سمجھنے لگتے ہیں اور دوسری طرف ان خارجی اور نیم خارجی فرقوں کا جو زلّات ومعاصی کی بنا پر مؤمنین کو دائرۂ ایمان سے خارج کردیا کرتے ہیں! ـــ جنتی ہونے، بلکہ جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ پر بھی فائز ہونے سے یہ لازم ہرگز نہیں آتا کہ یہ لوگ دنیا میں مُعصوم اور ہر گناہ سے پاک رہے تھے۔

ويجزيهم......يعملون۔ مقاتل بن سلیمان نے اس کے معنی یہ کیے ہیں کہ انھیں محاسن کا معاوضہ ملے گا، سیئات کی سزا نہ ملے گی۔

قال مقاتل يجزيهم بالمحاسن أعمالهم ولا يجزيهم بالمساوى. (کبیر، ج ۲۶/ ص: ۲۴۴، معالم، ج ۴/ص: ۹۰)

لیکن امام رازیؒ نے اس قول کو یہ کہہ کر رد کردیا ہے کہ مقاتل تو فرقہ مرجئہ کا سردار تھا، جن کے نزدیک کافر کو کوئی طاعت نفع نہ دے گی، مومن کو بھی کوئی معصیت مضر نہ ہوگی۔

واعلم أن مقاتلاً كان شيخ المرجئة وهم الذين يقولون لا يضر شيئ من المعاصى مع الإيمان، كما لا ينفع شيئ من الطاعات مع الكفر. (کبیر، ج ۲۶/ص: ۲۴۴)

بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

کافی نہیں؟ اور یہ لوگ آپ کو ان سے ڈراتے ہیں جو اللہ کے علاوہ ہیں ۴۷ اور جسے اللہ گمراہ کردے

۴۷ مشرکین عرب کے کمال نافہمی کا بیان ہے۔ اللہ کے نام سے ایک معبود اعظم کے وہ بھی قائل تھے، باوجود اس کے رسول اللہ کو اپنے گڑھے ہوئے دیوی دیوتاؤں کے قہر وغضب وانتقام سے ڈراتے تھے۔ ان دیوتاؤں کا اصلاً تو وجود ہی فرضی اور وہمی تھا، اور پھر اگر حقیقی بھی ہوتا تو خود انھیں لوگوں کے مسلمات کے لحاظ سے یہ خدائے اعظم کے مقابلے میں تو پست اور ہیچ ہی تھے۔

آیت کا مفہوم وسیع تر اطلاق بھی رکھتا ہے، اہل حق کو اہل باطل طرح طرح کی دھمکیاں اور ڈرانے آتے ہیں، کبھی اپنے دیوی دیوتاؤں سے ڈراتے ہیں، اور کبھی دنیوی حکومت وقوت سے۔ قرآن مجید جواب دیتا ہے کہ کائنات کی ہر ممکن مخالفانہ قوت سے دفاع کے لیے حق تعالیٰ خود کافی ہے۔

کافِ۔ اصل میں کافی تھا، ی اپنے سکون کی بنا پر نیز تنوین کے سکون کی بنا پر ساقط ہوگئی۔ (قرطبی، ج۱۵/ص:۲۵۷)

عبدہ۔ عبد سے مراد جیسا کہ سیاق کلام سے بالکل ظاہر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو خدائے قادر وتوانا اپنے ہر بندے کی حفاظت کے لیے کافی ہے، کیا اس بندۂ خاص کی حفاظت کے لیے کافی نہ ہوتا؟

کبھی جائز ہے کہ لفظ عبد یہاں بطور اسم جنس استعمال ہوا ہو۔

ویحتمل أن یکون العبد لفظ الجنس. (قرطبی، ج۱۵/ص:۲۵۷)

اور امام بلاغت جرجانی نے کہا ہے کہ اللہ کافی ہے ہر عبد کے حق میں، مومن کے حق میں ثواب کے لیے، کافر کے حق میں عذاب کے لیے۔

وقال الجرجانی إن اللّٰہ کاف عبدہ المؤمن وعبدہ الکافر، ھذا بالثواب وھذا بالعذاب. (قرطبی، ج۱۵/ص:۲۵۷)

ألیس اللہ بکاف عبدہ۔ استفہام انکاری اثبات میں زور اور تاکید پیدا کرنے کے لیے ہے۔

استفھام انکار للنفی مبالغة فی الإثبات. (بیضاوی، ج۵/ص:۲۸)

فَمَالَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ

اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ۴۸ کیا اللہ

بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

زبردست (اور) سزا پر قادر نہیں؟ ۴۹ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا

دونہ ''اللہ کے علاوہ'' یا ''اللہ سے پست وفروتر''، دون کے معنی ''علاوہ'' بھی ہیں اور ''پست'' بھی۔

من دونكم أي ممن لم يبلغ منزلته منزلتكم......مادون ذلك أي ما كان أقلّ من ذلك. (راغب، ص:۱۹۶)

۴۸ ہدایت وضلالت اپنے اسباب قریب وظاہری کے لحاظ سے بندے کے افعال اختیاری ہیں اور اسی لیے ان پر ثواب وعذاب بھی مرتب ہوتے ہیں، لیکن اپنے اسباب بعید وحقیقی کے لحاظ سے تمام تر مشیت تکوینی الٰہی کے ماتحت ہیں اور اسی لیے ان کا انتساب مسبب الاسباب اور علت العلل کی حیثیت سے حق تعالیٰ ہی کی جانب درست ہے ـــــــ اور ان حواشی میں اس کی صراحت کئی بار کی جاچکی ہے۔

۴۹ کیوں نہیں قادر ہے اور ضرور قادر ہے ـــــــ استفہام انکاری اثباتِ قطعی کے مفہوم میں۔

اسلام کا خدا اپنے ہر ارادے پر پوری طرح قادر، متصرف، حاکم ہے۔ جاہلی مذہبوں کے دیوتاؤں کی طرح معذور و بے بس نہیں۔ اس قسم کی ساری آیتیں ان مذہبوں کی تردید میں ہیں جنھوں نے اپنے خداؤں کو عاجز اور ناقص القدرۃ اور بے بس مانا ہے، اور یا اُن کی صفات، قہر وغضب سے یکسر خالی تسلیم کیا ہے، اور اقرار سو فی صدی صرف ان کی شفقت، لینت اور عفو و درگزری کا کیا ہے۔

انتقام کا لفظ جب حق تعالیٰ کے لیے آتا ہے تو اردو میں اس کا مفہوم ''سزا'' ہی سے ادا ہوگا ـــــــ یوں بھی عربی میں ''انتقام'' اردو کے ''بدلہ'' سے وسیع تر ہی مفہوم رکھتا ہے۔

النقمة العقوبة. (راغب، ص:۵٦۰).

لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ

تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے، آپ کہہ دیجئے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اللہ کے سوا تم جنھیں پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی

بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ

تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کی (دی ہوئی) تکلیف کو دور کرسکتے ہیں، یا اللہ مجھ پر عنایت کرنا چاہے تو یہ اس کی عنایت کو

رَحْمَتِهٖ ۭ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

روک سکتے ہیں؟ ۵۰ کہہ دیجئے کہ میرے لیے تو اللہ کافی ہے توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں ۵۱ کہہ دیجئے کہ اے میری قوم والو!

عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ

تم اپنی حالت پر عمل کیے جاؤ میں بھی عمل کررہا ہوں، سو عنقریب تم جان لوگے کہ کون شخص ہے جس پر اُسے رسوا کرنے والا عذاب

يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

آیا چاہتا ہے، اور جس پر عذاب مستقل نازل ہوگا ۵۲ ہم نے آپ پر یہ کتاب لوگوں کے لیے اتاری ہے

۵۰ بعض جاہلی مذاہب ایک خالق کائنات کے تو مقر اور معترف ہیں، لیکن ساتھ ہی کائنات میں دخل، تصرف وحکومت کے لیے دوسرے دوسرے دیوی دیوتا بھی مان رکھتے ہیں، پانی فلاں دیوتا برساتے ہیں، شفا فلاں دیوتا کے ہاتھ میں ہے، مال فلاں دیوی دلواتی ہیں، وقس علی ہذا ــــ مشرکین قریش کا مذہب بھی اسی قسم کا شرک تھا۔ قرآن مجید نے ان کے اس مسلمۂ اول کو بار بار یاد دلا کر اور توحید کے مطالبات ومضمرات کو ان پر واضح کرکے ان پر جرح کی ہے، اور ہر بار یہ یاد دلایا ہے کہ نفع وضرر کا اختیار تمام تر باری تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

۵۱ (جس کے بعد تمھاری اور تمھارے بتوں کی مخالفت کی کچھ پروا باقی نہیں رہ جاتی) حسبی اللہ۔ جب خدا پر تکیہ کرلیا، تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے ماتحت کائنات میں جتنی بھی مخلوقات ہے، اب کسی کی طرف سے کھٹکا نہ رہا۔ اہل توکل کی شان یہی ہوتی ہے، اسباب ظاہری کی رعایت وہ جتنی بھی کرتے رہیں، اصل بھروسا ان کا مسبب الاسباب ہی پر ہوتا ہے۔

۵۲ یعنی جس طرح سے تم اپنا طریقہ نہیں چھوڑتے، میں بھی اپنا طریقہ نہیں چھوڑنے

الربع

لِلنَّاسِ بِالۡحَقِّ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰى فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا ۚ

حق کے ساتھ، سو جو کوئی راہ ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے ہی لیے، اور جو کوئی بے راہ ہوگا تو اس کی بے راہی بھی اسی پر پڑے گی

وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ۝٤١ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا

اور آپ ان پر ذمہ دار نہیں کیے گئے ہیں ۵۳ اللہ ہی جانوں کو قبض کرتا ہے ان کی موت کے وقت

وَالَّتِىۡ لَمۡ تَمُتۡ فِىۡ مَنَامِهَا ۚ فَيُمۡسِكُ الَّتِىۡ قَضٰى عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ

اور ان (جانوں) کو بھی جن کی موت نہیں آئی ہے ان کے سونے کے وقت ۵۴ پھر وہ جن پر موت کا حکم کر چکا ہے ان (جانوں) کو تو روک لیتا ہے

کا۔ تم اپنے طریق پر عمل کیے جاؤ، میں اپنے طریق پر۔ عنقریب معلوم ہوا جاتا ہے کہ بدراہ اور مستحق عذاب کون سا فریق ہے!

من...... یخزیہ۔ مراد عذابِ دنیوی سے ہے۔ چنانچہ یہ عذاب مشرکین مکہ پر فتح بدر کی صورت میں نازل ہوا جس نے اکابر قریش کا زور ایک مدت کے لیے بالکل توڑ دیا ــــــ مدتوں قبل سے خلاف اسباب ظاہر اعیان قریش کے زوال کی خبر یقین کے ساتھ دے دینا کلام الٰہی ہی کا کام ہو سکتا تھا۔

و...... مقیم۔ مراد عذاب آخرت ہے۔ صفت مقیم یا مستقل کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ عذاب دائمی و غیر منقطع ہوگا۔

المراد بمقيم دائم. (روح، ج ٢٤/ص: ٧)

۵۳ (تو جس کا جی چاہے اسے مانے اور جس کا نہ چاہے نہ مانے، آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں)

للناس ۔ یعنی لوگوں کے نفع و افادہ کے لیے۔

أى لأجلهم و لأجل حاجتهم إليه. (مدارك، ص: ١٠٣٩)

ناس کا عموم بالکل ظاہر ہے، للعرب ارشاد نہیں ہوا ہے۔

بالحق۔ یعنی عین حق و حکمت کے ساتھ، دلائل و شواہد اور مقصد صحیح کے ساتھ۔

الکتب ۔ نزول ایک مسلم کتاب کا ہوا ہے، گو بتدریج و باقساط۔

۵۴ نفس کا مفہوم بہت وسیع ہے، وہ روح کے مرادف ہے اور اس کی دو موٹی قسمیں

وَيُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ

اور باقی (جانوں) کو ایک میعاد معین کے لیے رہا کر دیتا ہے ۵۵ بے شک اس (سارے تصرف) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے

ہیں: ایک نفس حیاتی (یا فزیکل لائف) دوسرے نفس ذہنی (یا سائکولاجیکل لائف)۔

یتوفی......موتھا۔ یہ سلب روح من کل الوجوہ ہوتا ہے جس کے بعد نہ حیات جسمانی باقی رہ جاتی ہے، نہ شعور، نہ ادراک۔

والتی......منامھا۔ یہ سلب روح صرف جزئی حیثیت سے ہوتا ہے، جس سے حیات جسمانی جوں کی توں باقی رہتی ہے، لیکن شعور و ادراک باقی نہیں رہتا۔ نیند کے وقت سلب صرف حیات شعوری کا ہوتا ہے۔

ولكل إنسان نفسان: إحداهما نفس الحياة وهى التى تفارقه عندالموت فتزول بزوالها النفس، والأخرىٰ نفس التمييز وهى التى تفارقه إذا نام وهو بعد النوم يتنفس (معالم، ج ٤/ص: ٩١، مدارك، ص: ١٠٣٩)

"ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں: ایک تو نفس حیاتی، جو موت کے وقت اس سے سلب ہو جاتا ہے کہ اس کے جانے سے جان چلی جاتی ہے۔ اور دوسرا نفس ادراک، وہ نیند کے وقت اُس سے جدا ہو جاتا ہے اور نیند کے بعد واپس آ جاتا ہے۔"

۵۵ (سو وہ معطل روحیں جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہے، نیند سے جاگ کر بدستور تصرفات جسمی میں مصروف ہو جاتی ہیں)

فیمسک......الموت۔ سو یہ روحیں پھر تصرفات جسمانی کی طرف واپس نہیں آتیں۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ:۔

تخرج الروح عندالنوم ويبقى شعاعهٗ فى الجسد، فبذلك يرى الرؤيا فإذا انتبه من النوم عاد الروح إلىٰ جسده بأسرع من لحظة۔ (معالم، ج ٤/ص: ٩١ ۔ مدارك، ص: ١٠٤٠)

"اصل روح تو نیند کے وقت بھی جسم سے نکل جاتی ہے، لیکن اس کا تعلق جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے (جیسے آفتاب کا شعاعی تعلق کروڑوں میل دُور ہونے کے باوجود زمین سے قائم رہتا ہے) اور

يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا

جو سوچتے رہتے ہیں ۵٦ اچھا، تو کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا (دوسروں کو) سفارشی قرار دے رکھا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ (سفارشی)

سوتا ہوا انسان (اسی جزئی تعلق کی بنا پر) خواب دیکھتا رہتا ہے، پھر جب بیداری کا وقت آتا ہے تو یہ روح چشم زدن سے بھی کم میں جسم میں واپس آجاتی ہے"۔

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ:۔

فی ابن آدم نفس وروح، بینهما شعاع مثل شعاع الشمس، فالنفس هی التی بها العقل والتمییز والروح هی التی بها النفس والتحرك، فإذا نام العبد قبض اللّٰه نفسهٗ ولم يقبض روحهٗ. (مدارك، ص: ١٠٤٠)

"ابن آدم میں نفس بھی ہوتا ہے اور روح بھی، اور دونوں کے درمیان ایک شعاعی تعلق مثل شعاع آفتاب کے ہوتا ہے، پس نفس تو وہ ہے جو ادراک وشعور کا مبداً ہے، اور روح وہ ہے جس سے تنفس وحرکت قائم ہے، اور انسان جب سوتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے نفس کو قبض کر لیتا ہے نہ کہ اس کی روح کو"۔

آیت سے موت اور نیند کی گہری مشابہت اور یکسانی پر اچھی خاصی روشنی پڑ جاتی ہے، اور آیت کے بین السطور میں ان لوگوں کا رد موجود ہے، جو موت کو ہر حال میں اور فی نفسہٖ شدید تکلیف دہ کہتے ہیں۔ موت تو نیند ہی کی طرح کی ایک کیفیت، ایک عالم سے دوسرے عالم کو منتقل کر دینے والی ہے۔ موت کے شدائد کا جو ذکر دوسری آیات قرآنی میں ہے، وہ تو کافروں، منکروں، نافرمانوں کے سلسلے میں ہے ـــــ ملاحظہ ہو سورۂ ق، حاشیہ نمبر ١٤۔

بعض اہل اشارات نے ان روایتوں سے استنباط یہ کیا ہے کہ سونے والوں کی روحیں عالم منام میں مرنے والوں کی روحوں کے ساتھ جمع ہو جاتی ہیں اور پھر زندوں کی روحیں وہاں سے صحیح وسالم اِسی عالم ناسوت میں واپس آجاتی ہیں اور جنھیں مرنا ہو وہ وہیں روک لی جاتی ہیں۔

۵٦ یعنی دلائل وشواہد اس حقیقت کے کہ اللہ حکیم وقدیر ہی ہر دقیق وخفی تصرف پر قادر ہے ـــــ نشانیاں کیسی ہی واضح ہوں، ہوتی انھیں کے حق میں ہیں، جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں۔ لقوم یتفکرون۔

لَا یَمْلِكُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا ؕ لَهٗ

کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور نہ کچھ سمجھتے بوجھتے ہوں؟ ۵۷ آپ کہہ دیجئے سفارش تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے، اسی کی

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ

سلطنت آسمانوں اور زمین میں ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے ۵۸ اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے

نینداور خواب کی باریکیوں پر ماہرینِ فن نے جو دفتر کے دفتر لکھ ڈالے ہیں، وہ سب حکمت خداوندی ہی کی شرحیں اور تفسیریں ہیں۔

۵۷ یعنی سفارشی بھی کون؟ ـــــ وہ بت اور مورتیاں جو عقل وقدرت تک سے محروم ہیں!

أم...... شفعاء ۔ مشرکوں نے ان ''سفارشیوں'' کو صرف عملاً ہی نہیں معبود قرار دے رکھا تھا، بلکہ عقیدۃً بھی ایسا ہی سمجھ رکھا تھا۔

۵۸ (نہ کہ کسی اور مستقل شفیع وشافع کی جانب)

ارشاد ہے کہ اِس وقت بھی کائنات کے طول وعرض میں حکومت اسی اللہ کی ہے، اور آخرت میں بھی فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہوگا۔

قل...... جمیعاً ۔ مشرک قوموں نے تو علی العموم، اور اہل کتاب میں سے مسیحیوں نے شفاعت کو بھی ایک شعبہ الوہیت کا قرار دے کر شافع کو مستقلاً ایک قادر ومتصرف ہستی سمجھ لیا ہے، اور عملاً اسی سے اپنا تعلق جوڑے رکھنا کافی سمجھتے ہیں، جس کے بعد خالق کائنات سے تعلق قائم رکھنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ شفاعت اسی معنی میں اور اس مفہوم کے ساتھ ایک تمام تر مشرکانہ عقیدہ ہے، اور قرآن مجید نے اس معنی میں کسی غیر اللہ کے شافع ہونے سے تمام تر انکار کیا ہے، اور بتایا ہے کہ اختیار وتصرف یکسر حق تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

مسئلہ شفاعت انبیاء وغیرہم جس محدود ومقید معنی میں حق ہے، اس کی وضاحت ان حواشی میں جابجا کی جا چکی ہے۔

قل للہ الشفاعة جمیعا کی صراحت بڑی ہی اہم، واضح وقطعی ہے۔ شفاعت دنیا میں جو قبول کی جاتی ہے، وہ یا دباؤ سے ہوتی ہے یا شدت سے، حق تعالیٰ کے یہاں گزر ان دونوں چیزوں کا

اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ

تو جولوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے ان کے دل بجھ سے جاتے ہیں، اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر

مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کیا جاتا ہے تو اس وقت یہ لوگ کھل اٹھتے ہیں ۵۹ آپ دعا کیجئے کہ اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے

عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ

باطن اور ظاہر کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کردے گا جن امور میں

يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ

یہ اختلاف کرتے رہتے تھے ۶۰ اور اگر شرک کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اور بھی

کہاں؟ شفاعت تو اللہ یہی بس دوسروں سے کرا دیتا ہے۔

۵۹ توحید کامل کے ماننے والوں اور شرک آمیز عقیدۂ خدائی کے تسلیم کرنے والوں کے درمیان جو فرق عظیم ہوتا ہے، اسے یہاں خوب واضح کر دیا گیا ہے۔

خیر جو کھلے ہوئے مشرک ہیں، ان کا حال تو ظاہر ہی ہے لیکن خود ہماری قوم میں جو جھوٹے پیروں، فقیروں، جنّ، پری ''شہید مرد'' اور شیخ سدّو وغیرہ کے قائل ہیں، ان کا کیا حال ہے؟ ''یا شیخ شیئاً للہ'' کا وظیفہ پڑھنے والے، مصیبت کے وقت ''یاغوث'' اور ''یاعلی'' پکارنے والے، اجمیر کی درگاہ کے اردگرد، ''یا خواجہ تو ہی دیتا ہے تو ہی دلواتا ہے'' کی صدائیں لگانے والے ہمارے درمیان بھی کس کثرت سے موجود ہیں! یہ سب توحید کا منہ چڑھانا نہیں تو اور کیا ہے؟

۶۰ الفاظ دعا کے اندر توحید کی اعلیٰ تعلیم نہایت حکیمانہ انداز سے آ گئی ہے، دعا کا حاصل بس یہی ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش میں کوئی تیرا شریک نہیں، علم غیب میں کوئی تیرا شریک نہیں، قادر و حاکم ہونے میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ خالق تو ہے، عالم الغیب تو ہے، مالک روز جزا تو ہے، ہمہ تو اں، ہمہ نیں، تو ہی ہے۔

فاطر السمٰوات والأرض۔ قدرت کامل میں کوئی تیرا شریک نہیں۔

لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

توان سب کو وہ قیامت کے دن عذاب سخت کے فدیہ میں دینے لگیں ۶۱ اور اللہ کی طرف سے انھیں وہ پیش آکر رہے گا

مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ

جس کا انھیں گمان بھی نہ تھا ۶۲ (اس وقت) ان پر ان کے (تمام) برے اعمال ظاہر ہو کر رہیں گے اور انھیں وہ (عذاب) گھیر لے گا

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ؗ

جس پر وہ استہزاء کیا کرتے تھے ۶۳ جس وقت آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ ہم کو پکارتا ہے

عالم الغیب والشھادۃ۔ علم کامل میں کوئی تیرا شریک نہیں۔

أنت......یختلفون۔ فیصلۂ روز جزا میں کوئی تیرا شریک نہیں۔

توحید میں غلطی وگمراہی کے عموماً یہی تین راستے رہے ہیں، آیت نے سب کی تردید کردی۔

۶۱ یہ قیامت کی شدت اور ہولناکی کا نقشہ ہے۔

للذین ظلموا۔ مراد کافروں سے ہے۔

أی کفروا. (مدارك، ص:۱۰۴۲)

أی کذبوا وأشرکوا. (قرطبی، ج ۱۵/ص:۲٦۵)

ما......مثلہ۔ انسان کے محدود پیرایۂ بیان میں مال کی زیادہ سے زیادہ ممکن مقدار کے لیے یہی پیمانہ ہوسکتا تھا۔

۶۲ یہ بے شان وگمان وقوع دو چیزوں کا پیش آئے گا:۔ ایک تو نفس قیامت کہ وہ اسی کے منکر تھے، اور اسے ''خلافِ عقل''، ''خلافِ عادت'' قرار دیتے رہتے تھے ــــــ اور دوسرے عذاب کا خود اپنے اوپر وقوع کہ وہ اپنے کو تو نیک کار اور برسر صواب سمجھ رہے تھے۔

وبدا لھم......یحتسبون۔ بڑی عبرت وخشیت کا مضمون اس آیت کے اندر ہے ــــــ آج بھی کتنے ''مہذب''، ''اہل عقل'' اپنے وفورِ عقل پر نازاں دکھائی دیتے رہتے ہیں، انھیں اپنے مہذب ہونے کا کبھی گمان بھی نہیں گزرتا!

۶۳ یہ غفلت کے پردے بس اسی دنیا کی حد تک ہیں، آخرت میں انکشاف تام

ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلٰى عِلْمٍ ۚ بَلْ هِىَ

لیکن جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ یہ کہتا ہے کہ یہ تو بس مجھے (اپنی) تدبیر سے ملی ہے ۶۴ اصل یہ ہے کہ نعمت

فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٩﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

ایک آزمائش ہوتی ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ۶۵ یہ بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پیشتر ہو گزرے ہیں

بڑے سے بڑے منکر کو بھی ہو کر رہے گا۔

وبدا...... کسبوا۔ اپنے اعمال اور کرتوتوں کی اصل برائیاں اور شناعتیں جن پر آج پردے پڑے ہوئے ہیں، اس روز نمایاں اور روشن ہو کر رہیں گی ـــــــ جو آگ آج نفس کے اندر چھپی ہوئی ہے، کل وہ باہر سے شعلہ زن ہوتی ہوئی نظر آنے لگے گی۔

ما کانوا به یستهزءون۔ انکار کی آخری اور بدترین شکل یہی تمسخر اور استہزاء ہوتا ہے۔

۶۴ (اس میں کسی بخشش خداوندی کا کیا ذکر)

الإنسان۔ محاورۂ قرآنی میں مطلق لفظ الإنسان کثرت سے منکر و کافر، بدسرشت و بدفطرت انسان کے لیے آیا ہے۔

علی علم۔ یعنی یہ جو کچھ مجھے ملا ہے، سب اپنی حکمت و قابلیت، جدوجہد، سعی و کاوش سے ملا ہے ـــــــ مجازی واسطوں، وسیلوں کا ذکر مطلق صورت میں ممنوع نہیں، صرف اسی صورت میں حرام ہے، جب نظر فاعل حقیقی سے ہٹ جائے۔

الإنسان۔ بطور اسم جنس آیا ہے۔ اس لیے آگے أكثرهم میں ضمیر جمع اس کی جانب آ رہی ہے۔

۶۵ هی۔ نعمة۔ لفظاً مونث ہے، اور معنی کے اعتبار سے مذکر۔ اس کے لیے ضمیریں مونث و مذکر دونوں جائز ہیں۔

اُوتیته میں ضمیر مذکر بھی اُسی کی جانب ہے، اور هي ضمیر مونث بھی اُسی کی طرف۔

والضمير للنعمة باعتبار لفظها كما أن الأول لها باعتبار معناها. (روح، ج ۲۴/ص: ۱۲)

حملاً على المعنىٰ أولاً، وعلى اللفظ آخراً. (كشاف، ج ٤/ص: ۱۲۹)

یعنی ہر نعمت خدا کی دی ہوئی اور واسطۂ اسباب سے حاصل کی ہوئی دراصل بندوں کے حق

فَمَآ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوۡا ؕ

سو ان کی کارروائی ان کے کچھ بھی کام نہ آئی ۶۶ بلکہ ان کی (ساری) بدعملیاں ان پر آپڑیں

وَالَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيۡبُهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوۡا ۙ وَمَا هُمۡ

اور ان میں جو لوگ ظالم ہیں ان پر بھی ان کی بدعملیاں ابھی آپڑنے والی ہیں اور وہ

بِمُعۡجِزِيۡنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ

ہرا نہیں سکتے ۶۷ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی جس کا چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور وہی تنگ بھی کردیتا ہے

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا

بے شک اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے واسطے ۶۸ آپ (میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جو

میں آزمائش ہوتی ہے کہ نظر علت حقیقی پر رہتی ہے یا علت قریبی صوری پر ـــــــ اور یہ مشرکین اس ایمانی حقیقت سے بھی جاہل ہیں۔

۶۶ (اور یہی حشر آج کے منکرین کا بھی ہونا ہے)

قد...... قبلھم۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ مغالطۂ نفس بہت قدیم ہے، کچھ آج کا اور نو پیدا نہیں۔

۶۷ (خدا تعالیٰ کو اور خدائی تدبیروں کو)

یعنی انھیں سزا بہر حال مل کر رہے گی، جیسا کہ ان کے قبل والوں کو ملتی رہی ہے۔

الذین ظلموا سے مراد مشرکین ہیں اور من ھؤلاء میں من صرف بیانیہ ہے۔

أی المشرکین ومن للبیان فإنھم کلّھم کانوا ظالمین. (روح، ج ۲۴/ص: ۱۳)

أی من ھؤلاء المشرکین. (بیضاوی، ج ۵/ص: ۳۰)

۶۸ یعنی اس قانون رزق، اس ضابطۂ معاشیات کی باگ بھی ایک فاعل مختار، ایک قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے، نادان مشرک واسطہ کو مقصود سمجھ بیٹھتا ہے، اور اہل ایمان کہ اہل فہم بھی ہوتے ہیں، علت حقیقی کو سمجھے رہتے ہیں ـــــــ اسلام کا خدا محض الٰہ المعاد نہیں، الٰہ المعاش بھی ہے، اور قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار بیان کیا ہے۔

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ

اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو ۶۹

آیت سے رداس گروہ کا بھی نکل آیا، جو بندوں کے معاشی ضابطے کو ایک خشک مشین کی طرح محض چند مادّی قوانین کے تابع ومحکوم سمجھے ہوئے ہیں۔ اسلام نے بار بار سمجھایا ہے کہ جس طرح صحت کی، زندگی کی، کائنات کی ہر چیز کی آخری کنجی خدائے حکیم وقادر کے ہاتھ میں ہے، رزق بھی کسی میکانکی عامل کا معمول نہیں، بلکہ اس کے بھی آخری اور حقیقی اسباب تمام تر خدائے حکیم وقادر ہی کے ہاتھ میں ہیں۔

۶۹ (یہ خیال کر کے کہ اللہ تعالیٰ کفر وشرک کے معاف کرنے پر قادر نہیں)

یہ رد ہے اُن مذاہب پر جو خدا کے وجود کے تو قائل ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ وہ عفوذنوب پر قادر نہیں۔

الـذیـن......أنفسهم۔ محققین نے کہا ہے کہ آیت میں دعوت ہے ہر قسم کے کافروں کو، کہ ان کے گناہ کتنے بھی عظیم وکثیر ہوں، وہ اب توبہ ورجوع کرلیں تو سب معاف ہوسکتے ہیں۔

هـذه الآية الـكريمة دعوة لجميع العصاة من الكفرة وغيرهم إلى التوبة والإنابة وإخبـار بأن الله تبارك وتعالىٰ يغفر الذنوب جميعاً لمن تاب منها ورجع عنها وإن كانت مهما كانت وإن كثرت وكانت مثل زبد البحر. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٥٢)

یـاعبـادی میں صیغۂ واحد متکلم بجائے صیغۂ جمع متکلم کے (جو عموماً اظہار عظمت وشوکت کے لیے آتا ہے) اظہار شفقت وخصوصیت کے لیے آیا ہے۔

امام رازیؒ نے یہ خطاب اور اس کے بعد کا وعدۂ رحمت ومغفرت مومنین کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے اور الـذیـن أسـرفوا علی أنفسهم سے انھیں مومنین کے معاصی مراد لیے ہیں، اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اسی نقطۂ نظر کی تائید کی ہے۔ (کبیر، ج ۲۷/ص: ۴)

واضافة العباد تخصصه بالمؤمنين على ما هو عرف القرآن (بیضاوی، ج ۵/ص: ۳۰)

إنـا بينا فی هذا الكتاب ان عرف القرآن جارٍ بتخصيص اسم العباد بالمؤمنين.

(کبیر، ج ۲۷/ص: ۳)

وحمل غير واحد الإضافة في عبادي على العهد أو على التشريف، وذهبوا إلى أن المراد بالعباد المؤمنون فكأنه قيل أيها المؤمنون المذنبون. (روح، ج ٢٤/ص:١٣)

بہرصورت آیت میں وعدۂ رحمت ومغفرت ہے، بڑی تاکید وشدت کے ساتھ۔ لا تقنطوا من رحمة الله خود ہی ادائے مقصود کے لیے کافی تھا، اس پر دوسرے فقرے کا اضافہ پُرقوت الفاظ کے ساتھ کیا۔ إن الله يغفر الذنوب جميعاً.

أعاد اسم الله وقرن به لفظة إن المفيدة لأعظم وجوه التأكيد، وكل ذلك يدل على المبالغة في الوعد بالرحمة. (كبير، ج٢٧/ص:٥)

حسن بصری تابعیؒ نے کہا ہے کہ اس وسعت کرم وشفقت کی کوئی انتہا ہے کہ جنھوں نے اللہ کے دوستوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے، انھی کو دعوت توبہ ومغفرت دی جارہی ہے!

قال الحسن بصري رحمة الله عليه: انظروا إلى هذا الكرم والجود قتلوا أولياء ه وهو يدعوهم إلى التوبة والمغفرة والآيات في هذا كثيرة جداً. (ابن كثير، ج ٤/ص:٥٣)

عن أنس بن مالك قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول والذي نفسي بيده لو أخطأتم حتى تملأ خطاياكم مابين السماء والأرض ثم استغفرتم الله تعالىٰ لغفرلكم، والذي نفس محمد بيده لو لم تخطئوا لجاء الله عزوجل بقوم يخطئون ثم يستغفرون فيغفرلهم.

"انس بن مالک صحابیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم لوگ اگر اتنے گناہ کرو کہ آسمان وزمین کا درمیان تمھارے گناہوں سے بھر جائے، اور پھر تم اللہ سے استغفار کرلو تو بھی اللہ تمھاری مغفرت کردے گا، اور قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ اگر تم گناہ نہ کروگے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لا کھڑا کردے گا، جو گناہ کریں گے پھر استغفار کریں گے، اور بخش دیے جائیں گے۔"

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس مقام پر نفی قنوط کی جو احادیث نبوی جمع کردی ہیں، وہ سب اصل تفسیر مذکور میں پڑھنے کے قابل ہیں، یہاں صرف ایک بطور نمونہ کے درج کی گئی۔ (ابن کثیر، ج۴/ص:۵۳)

اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی

بے شک اللہ سارے گناہ معاف کردے گا ۷۰ بے شک وہی تو غفور، رحیم ہے ۷۱ اور اپنے پروردگار کی

رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

طرف رجوع کرو اور ان کی فرماں برداری کرو، قبل اس کے کہ تم پر عذاب واقع ہونے لگے جب تمھیں کوئی مدد نہ پہنچ سکے ۷۲

۷۰ (اسلام کی برکت سے)

یعنی اب جب تم کفر و شرک ترک کر کے ایمان لا رہے ہو، تو اب کیا ڈر ہے!

دوسرے مذاہب کی تنگی کا تو ذکر ہی نہیں، خود مسیحیت جسے اپنی محبت و شفقت و ترحم پر ناز ہے اس کا حال انجیل کی زبانی سنئے:۔

''میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو معاف کیا جائے گا، مگر جو کفر روح کے حق میں ہو وہ معاف نہ کیا جائے گا، اور جو کوئی ابن آدم کے خلاف کوئی بات کہے گا، وہ تو اسے معاف کی جائے گی، مگر جو کوئی روح القدس کے برخلاف کوئی بات کہے گا، وہ اسے معاف نہ کی جائے گی، نہ اس عالم میں نہ آنے والے میں''۔ (متی۔۱۲:۳۲، نیز مرقس۔۳:۲۹، لوقا۔۱۲:۱۰)

۷۱ وہ کسی اور برتر قانون کا پابند و محکوم ہرگز نہیں، وہ رحمت و مغفرت میں کسی رنگ سے معذور نہیں، وہ بغیر کسی ''کفارہ'' کے جس کو چاہے بخش دے، اس کی صفت رحم پر کوئی قید عائد نہیں، بجز اس کی مشیت و ارادے کے ـــــــ وہ یکسر مغفرت ہے ''الغفور''، یکسر رحمت ہے ''الرحیم''۔

عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں سے منقول ہے کہ قرآن مجید بھر میں سب سے زیادہ پُر امید اور تسلی والی آیت گناہ گاروں کے حق میں یہی ہے۔

وقال عبدالله بن عمر: وهذه أرجى آية في القرآن. (قرطبی، ج۱۵/ص:۲۶۹)

وقال علي بن أبي طالب: ما في القرآن أوسع من هذه الآية. (قرطبی، ج۱۵/ص:۲۶۹)

اور یہی اس سیاہ محرّر سطور کا بھی عین ایمان و ایقان، رزاق واحد اللہ ہی ہے، چنانچہ وہ اپنے وارثوں سے وصیت کیے جاتا ہے کہ اس کی قبر پر بطور کتبہ کے یہی آیت کندہ کردی جائے۔

۷۲ یعنی اس مغفرت و رحمت کے لیے شرط بس یہی ہے کہ کفر سے رجوع کرو اور

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

اور اپنے پروردگار کی طرف سے اُترے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو، قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب

الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى

آپڑے اور تم کو اس کا خیال بھی نہ ہو، (یہ حکم اس لیے دیا جاتا ہے کہ) کہیں کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ افسوس

عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کے جناب میں کی اور میں تو تمسخر ہی کرتا رہا

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ

یا کوئی یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ نے مجھے ہدایت دے دی ہوتی تو میں (بھی) پرہیزگاروں میں ہوتا یا کوئی

تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى

عذاب کو دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ کاش میرا (دنیا میں) پھر جانا ہو جائے، پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں ۳۷ کیوں نہ ہو!

اسلام قبول کرو، قبل اس کے کہ اسلام نہ لانے کی صورت میں عذاب سے دوچار ہونا پڑے۔

۳۷ یہ سب کافروں کی طرف سے قیامت میں پیش ہونے والے ممکن عذرات ہیں، یہاں ان سب کی جڑ ہی کاٹ دی گئی۔

أحسن ماأنزل إليكم۔ مراد قرآن مجید ہے۔ اضافت محض بیانیہ ہے، یعنی وہ أحسن جو ماأنزل إليكم کی طرف منسوب ہے، یا قرآن کو غیر قرآن سے ممتاز کرتی ہے۔

من ربكم۔ رب کا لفظ لانے میں خود ایک بڑا ترغیبی پہلو آ گیا ہے، یعنی وہ کلام تو اس کا نازل کیا ہوا ہے، جو خود تمھارے حق میں سب سے زیادہ خیر خواہ ہے۔

أن تقول۔ أن یہاں لئلا کے مرادف ہے۔

أي لئلّا تقول. (مدارك، ص:١٠٤٣)

اور یہاں حال أو تقول کا ہے۔

نفس۔ نفس صیغۂ نکرہ میں اس لیے ہے کہ صرف نفس کا فرد مراد ہے۔

قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٩﴾

تجھ پر تو میری نشانیاں یقیناً پہنچ چکی تھیں، تو نے ان کو جھٹلایا اور تو نے بڑائی جتائی اور تو کافروں میں شامل ہو رہا ۴۷ے

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ

اور آپ قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنھوں نے اللہ پر جھوٹ بولا تھا

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٦٠﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

کیا (ان) متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟ ۵۷ے اور جو لوگ بچے رہے تھے، اللہ ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ

إنما نكرت لأن المراد بها بعض الأنفس وهی نفس الكافر (مدارك، ص:١٠٤٣)

فی جنب اللہ۔ یعنی احکامِ خداوندی میں۔

أی فی أمر الله أو فی طاعته. (مدارك، ص:١٠٤٣)

فی أمر الله. (معالم عن مجاهد، ج ٤/ص:٩٨)

فی حق الله. (معالم عن سعيد بن جبير، ج ٤/ص:٩٨)

أی فی أمره وحدّه الذی حدّه لنا. (راغب، ص:١١٢)

لو أن الله...... المتقين۔ امام ابو منصور ماتریدیؒ نے فرمایا ہے کہ معتزلہ سے زیادہ سمجھ دار تو یہ کافر ہی ہیں، جو ہدایت کو تمام تر عطیۂ خداوندی سمجھتے ہیں۔

قال الإمام أبو منصور: هذا الكافر أعرف بهداية الله من المعتزلة. (مدارك، ص:١٠٤٣)

وإن كنت لمن الساخرين۔ کافر حسرت کرے گا کہ میں ان حقائق پر تمسخر ہی کرتا رہا، کبھی انھیں سنجیدگی سے قابلِ غور نہ سمجھا!

۴۷ے جواب یہ ملے گا کہ ہدایت کا سامان تو دنیا میں پورا مل چکا تھا، پھر جو تو ایمان نہیں لایا، اس کی تہ میں کوئی اشتباہ عقلی نہ تھا، صرف تیرے نفس کی شرارت وخباثت تھی۔

آیاتی۔ آیات یا نشانیاں بہ صیغۂ جمع، نشانی تیرے پاس ایک آدھ ہی نہیں پہنچی، بلکہ متعدد پہنچیں اور پھر بھی تو تکذیب پر اڑا رہا۔

واستکبرت۔ تو نے عبدیت کی راہ نہ اختیار کی، اور تیرا نفس اپنی بڑائی پر تلا رہا۔

۵۷ے (ہے اور ضرور ہے)

بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ

نجات دے گا، ان کو نہ تکلیف پہنچے گی اور نہ یہ غمگین ہوں گے، اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے

كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا خبر گیر ہے ۶۷ اسی کے اختیار میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں

الذین کذبوا علی اللہ ،اللہ پر جھوٹ کی دو صورتیں ہیں:۔ایک یہ کہ جو بات نہیں فرمائی گئی ہے وہ اس کی جانب منسوب کردی جائے۔دوسرے یہ کہ جو اس نے کہا ہے اسے اس کی جانب نسبت دینے سے انکار کردیا جائے۔

وجوھھم مسودۃ ۔ یہ چہرے کی سیاہی آگ سے جلنے کا اثر بھی ہو سکتی ہے،اور خوف رسوائی کا نتیجہ بھی،اور قلب کی سیاہی کا عکس بھی۔

قیل ھو سواد قلوبھم ینعکس علی وجوھھم. (روح،ج ۲۴/ص:۳۸)

''ہوسکتا ہے کہ یہ سیاہی اُن کے قلوب کی ہو جو چہرے پر منعکس ہوگئی ہو۔''

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ عالم معاد کشف حقائق ہی کا تو عالم ہوتا ہے،اس لیے اس میں عجب کیا، جو چہرے پر عکس قلب کا نظر آنے لگا ہو۔(تھانویؒ،ج ۲/ص:۴۲۶)

۶۷ مشرکوں کی سمجھ میں یہی موٹی بات نہیں آتی تھی کہ حق تعالیٰ جس طرح دنیا کا خالق اکیلا ہے،اسی طرح متصرف،مدبّر بھی اکیلا ہی ہے بغیر کسی شریک وسہیم کے۔

ہندو مذہب علاوہ خالق اکبر (برہما) کے دو اور مستقل خداؤں کا قائل ہے: ایک محافظ ومُنجی (وشنو) اور دوسرے مہلک ومفنی (شیو)۔قرآن مجید اس قسم کے ہر شرک کی تردید قدم قدم پر کرتا جاتا ہے ——— یہاں اس نے صراحتاً دو صفات باری کا اثبات کیا ہے: ایک یہ کہ وہی سب کا خالق وآفریدگار ہے، دوسرے وہی سب کا منتظم ومدبر۔

اللہ خالق کل شیئ۔ نور وظلمت،خیر وشر،سعادت وہدایت،سب کا خالق وہی ایک ہے، اس کے یہاں گزر تعدد کا کیا ہوتا،ثنویت کا بھی نہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ اَفَغَيْرَ

اور جولوگ اللہ کی آیتوں سے (اب بھی) انکار کیے جاتے ہیں وہی لوگ بڑے گھاٹے میں پڑنے والے ہیں ۷۷ آپ کہہ دیجئے کہ

اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّیْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَيْكَ وَاِلَى

اے جاہلو! کیا پھر بھی تم مجھ سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو؟ ۷۸ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی طرف بھی اور جو آپ سے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ

قبل گزر چکے ہیں ان کی طرف بھی یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ (اے مخاطب) اگر تو نے شرک کیا تو تیرا عمل (سب) غارت ہو جائے گا اور تو

ابن قیمؒ نے کہا ہے کہ معتزلہ نے ایسی ہی آیات سے استدلال کیا ہے کہ قرآن بھی ایک شے ہے، اور اس لیے مخلوق ہی ہے۔

احتج المعتزلة على خلق القرآن بقوله تعالىٰ خالق كل شيئ ونحو ذلك من الآيات. (تفسير القيم، ص:۴۲۳)

بمفازتهم۔ ب سببیہ سمجھی گئی ہے، اور مفازۃ (کامیابی) سے مراد ایمان لی گئی ہے۔

أي ينجيهم بسبب منجاتهم وهو الإيمان. (روح، ج ۲۴/ص: ۲۰)

لا يمسهم......يحزنون۔ آیت متعدد دوسری آیتوں کی طرح اس باب میں وعدۂ صریح ہے کہ مؤمنین کو قیامت میں کوئی وحشت اور گھبراہٹ نہ ہوگی۔

دلت الآية على أن المؤمنين لا ينالهم الخوف والرعب في القيامة وتأكد هذا بقوله لا يحزنهم الفزع الأكبر. (كبير، ج ۲۷/ص: ۱۰)

هم آمنون من كل فزع مزحزحون عن كل شيئ نائلون كل خير. (ابن كثير، ج ۴/ص: ۵۵)

۷۷ (آخرت میں جو کشفِ حقائق کا وقت ہوگا)

آیات اللہ۔ آیاتِ الٰہی سے یہاں مراد اصول دین ہیں ——— عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، عقیدۂ حشر۔

له......الأرض۔ ساری کائنات کے ہر قسم کے اختیارات اسی ایک کو حاصل ہیں۔

۷۸ یعنی اے مشرکو! اب تمہارا اندھا پن اتنا بڑھ گیا ہے کہ تم مجھ سے فرمائش کرنے

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۶۵ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۶۶ وَمَا قَدَرُوا

خسارے میں پڑ کر رہے گا تو تو اللہ ہی کی عبادت کرنا اور شکر گزار رہنا ۷۹ اور ان لوگوں نے اللہ کی عظمت

اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ

نہ کی، جیسی عظمت کرنا چاہیے تھی ۸۰ اور حال یہ ہے کہ ساری زمین اسی کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان

لگے ہو کہ میں توحید جیسے فطری اور سادہ دین کو چھوڑ کر شرک کی احمقانہ و جاہلانہ و سفیہانہ راہ اختیار کرلوں!

أيها الجاهلون۔ جاہل سے مراد اَن پڑھ یا امی نہیں، بلکہ توحید و ایمان کو چھوڑ کر راہ شرک و جاہلیت پر پڑا رہنے والا ہے، جس کو عرب اپنی تہذیب و تمدن سمجھ کر اس پر فخر کررہے تھے، وہ ان کا یہی نظام جاہلیت تھا، آج کے فرنگی نظام سے اخلاقی اصول میں بہت کچھ ملتا جلتا ہوا۔

۷۹ مطلب یہ ہوا کہ یہ توحید کی دعوت تو بالکل بنیادی اور عین مرکزی دعوت ہے، ہمیشہ ہی سے انبیاء کا معمول رہی ہے۔

وکن من الشاکرین۔ شکر گزاری کی بڑی فرد توحید پر ایمان ہے۔

خسرون اور خاسرین۔ ابھی دو جگہ آچکا ہے، دونوں جگہ (اور اسی طرح اور بھی جہاں قرآن مجید میں آیا ہے) مراد ہمیشہ ''خسران'' اخروی ہی ہے، اسی سے ظاہر ہے کہ قرآن نے دنیوی، مادی نقصان مال کا کیا درجہ رکھا ہے، اسے کتنا ہلکا سمجھا ہے، اور آخرت کو اس دنیا کے مقابلے میں کتنا زیادہ اہم قرار دیا ہے۔

۸۰ (اپنی وسعت ظرف کے اعتبار سے)

مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ کی ذاتِ کاملہ کے حق، اس کے مرتبۂ کمال کے لحاظ سے تو کوئی ادا ہی نہیں کرسکتا، لیکن بندے اپنی وسعتِ ظرف کے لحاظ سے جس حد تک اس کے مکلف ہیں، ان ظالموں بدبختوں نے اتنا بھی تو نہ کیا، اور اس حق کا مرتبۂ اقل قلیل عقیدۂ توحید ہے ــــــ یہ تعریض ہے مشرکین مکہ پر کہ زبان سے اللہ کا اقرار کرتے تھے، لیکن نہ اس کی تنزیہ و تقدیس ان کے دل میں

مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِينِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٧﴾ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ

اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے، وہ پاک ہے اور برتر، ان لوگوں کے شرک سے ۸۱ اور صور پھونکا جائے گا

فَصَعِقَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ

تو ان سب کے ہوش اڑ جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں بجز اس کے کہ جس کو اللہ چاہے

ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ

پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو دفعۃً سب کے سب اٹھ کھڑے ہوں گے

تھی، نہ اس کے صفات جمال وکمال کے قائل تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دوسرے خداؤں کو بھی اس کے ساتھ شریک کردیتے تھے۔

۸۱ (اور ہر قسم کی مادیت اور تجسیم کے شائبہ سے)

قبضته...... بیمینه۔ قبضة سے مراد قبضۂ قدرت، قبضۂ اختیار ہے، اور یمین سے بھی مراد دست قدرت لی گئی ہے۔

فالقبضة......مجاز عن الملك أو التصرف كما يقال: بلد فلان فى قبضة فلان، واليمين مجاز عن القدرة التامة. (روح، ج ٢٤/ص:٢٦)

آیت سے مقصود محاورۂ بشری کے مطابق عظمت واجلال الٰہی کی تصویر کھینچ دینا ہے اور ساتھ ہی یہ پہلو بھی اس میں آگیا کہ ایسی حقیر مخلوقات کے فنا کردینے میں اسے دقت ہی کیا ہوسکتی ہے۔ اس لیے قبضہ ویمین کے حقیقی اور مجازی معنی کی بحث میں زیادہ پڑنے کی ضرورت بھی نہیں۔

والمراد بهذا الكلام تصوير عظمته والتوقيف على كنه جلاله لاغير من غير ذهاب بالقبضة ولا باليمن إلى جهة حقيقة أو جهة مجاز. (مدارك، ص:١٠٤٦)

تنبيه على عظمة وحقارة الأفعال العظام التى تتحيّر فيها الأوهام بالإضافة إلى قدرته ودلالة على أن تخريب العالم أهون شيئ عليه على طريقة التمثيل والتخييل من غير اعتبار القبضة واليمين حقيقة ولا مجازاً. (بيضاوى، ج٥/ص:٣٢)

يَنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ

دیکھتے بھالتے ہوئے ۸۲ؔ اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا

وَجِایْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ

اور پیغمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور سب میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا

ذرا بھی ظلم نہ ہوگا ۸۳ؔ اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور اللہ سب کے کاموں کو

جمیعاً کی اہمیت بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں، ممکن ہے کہ ساتوں زمینیں مراد ہوں یا اور کوئی پہلو تعدد یا وسعت کا اس سے نکلتا ہو۔

۸۲ؔ قیامت کے دونوں منظروں کا بیان ہے۔ پہلا منظر نفخ اول کا، جب سب غش کھا کر ہلاک ہو جائیں گے، اور منظر دوم نفخ ثانی کا جب سب نئے سرے سے جی اٹھیں گے۔

إلا من شاء اللّٰہ۔ یعنی مخلوق میں سے اللہ جس کو چاہے گا، غشی اور موت سے محفوظ رکھے گا۔ یہ کون لوگ ہوں گے؟ بہتر ہوگا کہ اسے یوں ہی مجمل رہنے دیا جائے، جیسا کہ اسے قرآن وحدیث نے اسے مجمل رکھا ہے۔

قال قتادة: اللّٰه أعلم بأنهم من هم؟ وليس في القرآن والأخبار مايدل على أنهم من هم؟ (كبير، ج۲۷/ص:۱۷)

السمٰوات سے یہاں مراد صرف بلندی کی سمت لی گئی ہے۔

ويراد بالسمٰوات على أكثر الأقوال جهة العلو. (روح، ج۲٤/ص:۲۸)

۸۳ؔ (یوں کہ کسی کی جزائے خیر میں کمی ہو جائے، یا کسی کی سزا میں زیادتی، یا کسی کا عمل نیک غائب کر دیا جائے اور کسی کا عمل بد بڑھا دیا جائے)

وأشرقت الأرض بنور ربها۔ یہ کوئی تجلی خصوصی اُس وقت ہوگی۔

امام ماتریدیؒ نے فرمایا کہ ممکن ہے حق تعالیٰ اس وقت کوئی خاص نور پیدا کرے، اور اس سے زمین موقف کو منور کر دے۔

يَفْعَلُونَ ۝٧٠ وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتَّىٰٓ إِذَا

خوب جانتا ہے ۸۴ اور جو کافر ہیں وہ گروہ گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے ۸۵ یہاں تک کہ جب

وقال الامام أبو منصورؒ يجوز أن يخلق الله نوراً فينور به أرض الموقف. (مدارك،ص:۱۰۴۷)

ووضع الكتاب۔ کتاب بطور اسم جنس آیا ہے اور مراد نامۂ اعمال ہیں۔

أى صحائف الأعمال ولكنه اكتفىٰ باسم الجنس. (مدارك،ص:۱۰۴۷)

الشهداء۔ شہید کے تحت میں ملائکہ و مومنین سب آگئے جو اس وقت گواہی دیں گے۔

الذين يشهدون للأمم وعليهم من الملائكة والمؤمنين. (بيضاوى،ج٥/ص:۳۳)

بنور ربها۔ نور کی اضافت رب کی طرف اضافت تخصیصی ہے، جیسے بیت اللہ، وناقة اللہ میں۔

واضافته إليه تعالىٰ للتخصيص كبيت الله وناقة الله. (مدارك،ص:۱۰۴۷)

وقضى......يظلمون۔ داورِ حشر کی معدلت گاہ کو دنیوی رئیسوں، نوابوں، راجاؤں، مہراجوں، بادشاہوں، تاجداروں کے دربار پر ہرگز نہ قیاس کیا جائے، جہاں ہر طرح کا اندھیر، ہر قسم کا گڑبڑ ممکن ہے، وہاں ادنیٰ سے ادنیٰ ناانصافی کا احتمال نہیں ہوسکتا۔

قرآن مجید میں وجد آفریں ٹکڑے ایک دو نہیں، بہت سے ہیں، لیکن اس بے علم راقم سطور کا جن چند مقامات کی فصاحت و بلاغت پر بے اختیار جھوم جانے اور وجد کرنے کو جی چاہتا ہے، ان میں سے ایک مقام اسی سورۃ کا یہاں سے آخر تک کا حصہ ہے!

۸۴ (اس کی عدالت میں یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی کی جزائے خیر میں کچھ بھی کمی رہ جائے) حق تعالیٰ کے علم کامل و محیط کا بار بار تذکرہ اُن جاہلی مذاہب کی تردید میں ہے، جو خدا کے علم کو ناقص و محدود سمجھتے تھے۔

۸۵ (ذلت وخواری کے ساتھ)

زمراً کافروں کے یہ گروہ یا تو اقسام وانواع کفر کے لحاظ سے ہوں گے اور یا پھر مراتب ومدارج کفر کے لحاظ سے۔

على تفاوت اقدامهم فى الضلالة والشرارة. (بيضاوى،ج٥/ص:۳۳)

جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ

اس تک پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور ان سے دوزخ کے محافظ کہیں گے، کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیمبر

مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ط

نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے پروردگار کی آیتیں پڑھ کر سناتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے؟ ۸۶

قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧١﴾

وہ (کافر) کہیں گے ہاں (کیوں نہیں) لیکن عذاب کی بات (آخر) کافروں پر پوری ہو کر رہی ۸۷

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ج فَبِئْسَ مَثْوَى

(پھر) کہا جائے گا دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو (اور) اس میں (ہمیشہ) پڑے رہو تو غرض کہ بڑا ابرا ٹھکانا ہے

الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ

تکبر کرنے والوں کا ۸۸ اور جو لوگ اہل تقویٰ تھے وہ جنت کی طرف گروہ گروہ روانہ

۸۶ دوزخیوں سے یہ ساری گفتگو انھیں قائل کرنے کے لیے اور ان کی حسرتوں میں اضافہ کے لیے بطور زجر و ملامت ہوگی۔

رسل منکم۔ اور پیمبر بھی کون ہے؟ تمھاری ہی جنس کے، تمھیں جیسے انسان، تمھارے ہی ہم قوم، ہم نسل، ہم وطن، جن سے حصول ہدایت میں کوئی دشواری ہی تمھیں نہیں ہونا تھی۔

۸۷ یہ آخری فقرہ بھی اگر دوزخیوں ہی کی زبان سے ادا ہوگا، تو یہ ان کی طرف سے اعتراف ہے کہ پیمبروں کی تبلیغ بلیغ کے باوجود ہم نے کفر و انکار سے کام لیا، اور جو عذاب موعود تھا، وہ ہمارے ہاتھوں ہمارے سامنے آیا۔

قالوا بلیٰ۔ وہ کہیں گے کہ ہاں کیوں نہیں آئے، آئے اور ضرور آئے، اور تبلیغ کا حق بھی پوری طرح ادا کر گئے۔

۸۸ یعنی اُن لوگوں کے لیے جو اپنی ہوائے نفس اور اپنی چھوٹی سی عقل کو احکام الٰہی کے سامنے جھکانے میں عار محسوس کرتے تھے ــــــ غور کیا جائے تو وحی سے انکار کا سبب اکثر صورتوں میں استکبار نفس ہی نکلے گا۔

زُمَرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡهَا وَ فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَا

کیے جائیں گے ۸۹ یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوں گے اور وہاں کے محافظ ان سے کہیں گے

سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡهَا خٰلِدِیۡنَ ﴿۷۳﴾ وَ قَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ

سلام علیکم، مزہ میں رہو، سو اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ ۹۰ اور وہ کہیں گے اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے

الَّذِیۡ صَدَقَنَا وَعۡدَهٗ وَ اَوۡرَثَنَا الۡاَرۡضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الۡجَنَّةِ حَیۡثُ

جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہمیں (اس) زمین کا مالک کر دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام

نَشَآءُ ۚ فَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ﴿۷۴﴾ وَ تَرَی الۡمَلٰٓئِکَةَ حَآفِّیۡنَ

کریں تو غرض کہ عمل کرنے والوں کا کیسا اچھا انعام ہے! ۹۱ اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ حلقہ باندھے ہوں گے

ادخلوا...... فیها۔ چنانچہ اس کے بعد دوزخ کے دروازے دوزخیوں پر ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے۔ علیهم نار مؤصده۔

خالدین فیها۔ یعنی بس اسی میں ہمیشہ کے لیے پڑے رہو، (أعاذنا الله منه) شدت یاس اور غایت ناامیدی کے اس منظر کو لفظ و عبارت میں کون بیان کرسکتا ہے؟

۸۹ (بڑی قدر و منزلت کے ساتھ)

إلی الجنة زمراً۔ مدارج کفر و اقسام شرک کی طرح قرب کے بھی مدارج و مراتب، اور تقویٰ کے بھی اصناف و انواع ہیں، اہل جنت کی یہی ٹکڑیاں ایسی ہی کسی ترتیب کے ساتھ قائم ہوں گی۔

۹۰ (کہ اب اس جنت عیش سے کبھی باہر ہونے کا کوئی کھٹکا ہی نہیں)

وفتحت أبوابها۔ یہ دروازے اہل جنت کے اکرام میں تو پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے اور انھیں توقف و انتظار ذرا سا بھی نہ کرنا پڑے گا۔ مفتحة لهم الأبواب۔

قال لهم خزنتها۔ جنت کے دربان، چوبدار، داروغہ وغیرہ کس کس طرح بڑھ کر اہل جنت کا استقبال کریں گے اور کس کس طرح انھیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے، اس گھڑی کے لطف و مسرت کا بھلا کیا ٹھکانا ہوگا!

۹۱ اہل جنت جوش مسرت سے بے خود ہو کر یہ نعرہ لگائیں گے۔

الأرض۔ أرض سے مراد سطح جنت ہے جس پر اہل جنت چلتے پھرتے ہوں گے۔

مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ

عرش کے گرداگرد اپنے پروردگار کی تسبیح وحمد کرتے ہوئے اور بندوں کے درمیان ٹھیک فیصلہ کردیا جائے گا

وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور آواز آئے گی کہ ساری خوبیاں اللہ پروردگار عالم ہی کے لیے ہیں ۹۲

عبارة عن المكان الذي أقاموا فيه واتخذوه مقراً ومتبواً. (كشاف، ج ٤/ص: ١٤٢)

یوں بھی أرض کا مفہوم عربی میں نہایت وسیع ہے، اور جس طرح سماء کے اندر ہر وہ چیز داخل ہے جو سر کے اوپر ہو، اسی طرح أرض کے اطلاق میں ہر وہ چیز شامل ہے، جو پیروں کے نیچے ہو۔

يعبر بها عن أسفل الشيئ. (راغب، ص: ٢٢)

اس لیے قرآن مجید میں کہیں اگر أرض یا الأرض سے مراد کوئی اور زمین ہو (ارض جنت، ارض ماہتاب، ارض کواکب وغیرہ) تو اس سے فرط استعجاب کی بنا پر انکار ہرگز نہ ہونا چاہیے۔

نتبوا...... نشاء۔ جنت میں ہر شخص کے لیے الگ الگ مقام اس کے مرتبۂ تقویٰ و درجۂ تقرب کے لحاظ سے ہوگا، لیکن سیر کی آزادی جنت بھر میں حاصل ہوگی، اور چونکہ رشک مفقود ہوگا، اس لیے اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی شخص اپنے مقام سے غیر مطمئن، دوسرے کے مرتبہ پر رشک کرتا ہوگا، پھر مقام کا تعین ہر شخص کی عین صلاحیت کے مطابق اور اس کے حسب حال ہوگا، اس لیے ہر شخص اس پر خوش ہوگا۔

۹۲ (جس نے اتنا بہتر فیصلہ کیا!)

حافين من حول العرش۔ یہ عدالت حشر کے عین اجلاس کے وقت ہوگا۔

يسبحون بحمد ربهم۔ یہ تسبیح وتحمید تو فرشتوں کی گویا غذا ہی ہے۔

بينهم۔ ضمیر هم بندوں یا مخلوقات کی طرف ہے۔

أي بين العباد كلهم. (روح، ج ٢٤/ص: ٣٧)

وقيل...... العلمين۔ اس نعرۂ مسرت وانبساط میں فرشتے اور انسان سب ہی شریک ہوں گے، اور عجب نہیں جو اسی پر اجلاس عدالت برخواست ہو ــــــ دنیوی بادشاہوں کے بھی دربار جم سکتے ہیں تو کچھ اسی قسم کا اعلان ہے، ان بادشاہوں کی جے لگادی جاتی ہے۔

(۴۰)

آیاتہا ۸۵ — ۸۵ آیتیں

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ

رکوعاتہا ۹ — ۹ رکوع

سورۂ مومن مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ بڑے رحمت والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْبِ

حا۔میم ؎۱ یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے علم والا ہے، گناہ کا بخشنے والا ہے

وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ

اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا ہے، قدرت والا ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں

اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اسی کے پاس (سب کو) جانا ہے ؎۲ اللہ کی آیتوں میں بس وہی لوگ جھگڑے نکالتے ہیں جو کافر ہیں

؎۱ حروف مقطعات پر حاشیہ سورۃ البقرہ کے شروع میں گزر چکا۔

حٰم کے تین معنی ابن عباس صحابیؓ سے نقل ہوئے ہیں: ایک یہ کہ اللہ کا اسم اعظم یہی ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ قسم کے معنی میں ہے، تیسرا یہ کہ یہ الرحمٰن کا مخفف ہے، اور یہی قول زجاج لغوی کا بھی ہے (روح)

سعید بن جبیرؒ تابعی اور عطاء خراسانی سے مروی ہے کہ ح مخفف ہے اسمائے الٰہی حکیم، حمید، حی، حلیم، حنان کا اور م مخفف ہے اسمائے الٰہی ملک، مجید، منّان کا۔ (معالم، ج۴/ص:۱۰۴)

؎۲ قرآن مجید کے نازل کرنے والے کے اتنے اسمائے صفاتی قرآن کے اندر یکجا کہیں اور موجود نہیں بجز سورۂ حشر کے آخر کے۔ ہر صفت بجائے خود بھی قابل غور ہے، اور کسی نہ کسی شرکیہ عقیدے کی اصلاح کرنے والی بھی۔

العزیز۔ وہ سب پر غالب وبالا دست ہے ـــــ کوئی اس پر حاکم وغالب نہیں۔

العلیم۔ کتاب جس پر اتاری ہے اس سے، جس غرض وحکمت سے اتاری ہے اس سے، اور جو اس کے مخاطب ہیں ان سے، غرض سب سے خوب واقف ہے ـــــ اس کی صفت علم ناقص ومحدود کہیں سے نہیں۔

العزیز العلیم۔ دونوں صفات ذاتی سمجھی گئی ہیں۔

صفتان دالتان على المبالغة فى القدرة و الغلبة و العلم و هما من صفات الذات. (بحر، ج۷/ص:٤٤٧)

غافر الذنب۔ ہر گناہ کو محض اپنے ارادے سے معاف کردینے پر قادر ـــــ نہ کسی قانون ''مکافات'' سے مجبور، نہ کسی ''کفارہ'' کا محتاج۔

قابل التوب۔ جب اور جس کسی کی توبہ چاہے قبول کرلے ـــــ وہ معطل اور محدود الاختیار خدا نہیں۔

غافر وقابل۔ یہ دونوں صفات بھی مستقل ومستمر ہیں۔ کسی زمانے کے ساتھ مقید ومحدود نہیں۔

لا یراد بهما التجدد و التقييد بزمان بل أريد بهما الاستمرار و الثبوت. (بحر، ج۷/ص:٤٤٧)

ایک معتزلی کا یہ قول نقل کرکے کہ ان دونوں صفات کا ذکر عطف کے ساتھ اس لیے آیا ہے کہ ذنب (گناہ) توبہ کے بعد ہی معاف ہوتے ہیں صاحب بحر لکھتے ہیں کہ

وهى نزغة اعتزالية و مذهب أهل السنة جواز غفران الله للمعاصى و إن لم يتب إلا الشرك. (بحر، ج۷/ص:٤٤٩)

یہ مغالطہ اعتزالی ہے، مذہب اہل سنت یہ ہے کہ ہر گناہ بجز شرک کے، بلا توبہ بھی اللہ معاف کرسکتا ہے۔

شدید العقاب۔ حسب ضرورت ومصلحت سزا بھی شدید ترین دے سکتا ہے ـــــ بے حس وجامد نہیں۔

ذی الطول۔ بڑی قدرت والا ہے ـــــ اس کی قدرت پر کہیں سے بھی حد بندی نہیں ہوسکتی۔

لا إله إلا هو۔ ہر طرح واحد ومتفرد وبلا شریک ـــــ نہ کوئی اس کا اقنوم، نہ کوئی اس کا بروز۔

إليه المصير۔ واپسی سب کی اسی کے پاس ہوگی ـــــ یہ نہیں کہ کوئی ''فرزند خدا'' یا کسی اور کے پاس چلا جائے۔

فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ④ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ

سوان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا کہیں آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے ۳؎ ان سے قبل قوم نوح تکذیب کر چکی ہے

وَّ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۪ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ

اور ان کے بعد کے گروہ بھی، اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے گرفتار کرنے کا قصد کیا

یہ جتنے اسمائے صفاتی یہاں بیان ہوئے ہیں، سب میں کسی نہ کسی عقیدۂ شرکیہ کا ردّ موجود ہے ـــــ ان کا استحضار برابر رہنا چاہیے۔

تنزیل الکتاب۔ یہ صحیفہ نازل شدہ ہے، پیمبر نے اسے اپنے دل سے نہیں گڑھ لیا ہے، اور پھر یہ محفوظ مکتوبی شکل میں رہے گا۔ یہ ایک مستقل کتاب ہے، محض زبانی یادداشتوں کا مجموعہ نہیں۔

۳؎ (دھوکا یہی کہ یہ باوجود انکار شدید وعناد کے جب اس آزادی وفارغ البالی کے ساتھ تجارت، حکومت، سیر وتفریح کے لیے زمین پر چل پھر رہے ہیں، تو کہیں ایسا تو نہیں کہ سزا سے ہمیشہ ہی کے لیے بچ جائیں)

منکروں، ملحدوں، اور مشرکوں کی ظاہری کامیابیاں، کامرانیاں، ترقیاں، آج بھی کمزور مسلمانوں کے دلوں میں کیسی مرعوبیت اور ان کی آنکھوں میں کیسی خیرگی پیدا کیے ہوئے ہے!

ومـا...... کفروا۔ توحید، معاد، رسالت کے بنیادی عقیدوں سے انکار کرنا کسی سلیم الفطرت انسان کا کام تو نہیں ہوسکتا، ان سے انکار تو بس وہی لوگ کرتے ہیں جن کی فطرت ہی مسخ ہو چکی ہے۔

مـایجادل کے ظاہر سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جدال اپنی مطلق صورت میں ممنوع ومذموم ہے، جدال ممنوع صرف وہ ہے جو باطل کی نصرت وحمایت میں ہو۔ باقی جو جدال حق کی نصرت وحمایت میں اور طریق صحیح پر ہو وہ تو عین مطلوب ہے، جیسا کہ متعدد آیتوں میں یہ صراحت ہے: وجـادلهم بالتي هي أحسن۔ وجادلوا بالباطل ليدحضوا به الحق۔ وغیرہا۔

فأما الجدال فيها لإيضاح ملتبسها، وحلّ مشكلها، واستنباط معانيها وردّ أهل الزيغ بها، فأعظم جهاد في سبيل الله. (مدارك، ص:۱۰۵)

وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ

اور ناحق کے جھگڑے نکالے، تاکہ اس ناحق سے حق کو دبالیں سو میں نے ان کی گرفت کی، سو میری طرف سے انھیں کیسی

عِقَابِ ۞ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ

سزا ملی ۴ اور اسی طرح آپ کے پروردگار کی بات (تمام) کافروں پر پوری ہو چکی کہ وہ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۞ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ

اہل دوزخ ہوں گے ۵ جو (فرشتے) کہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور (فرشتے) اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے پروردگار کی تسبیح

بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ

حمد کے ساتھ کرتے رہتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان والوں کے لیے استغفار کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت

كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ

وعلم ہر چیز کو شامل ہے ۶ سو تو ان لوگوں کو بخش دے جنھوں نے توبہ کر لی ہے اور تیرے راستے پر چلتے ہیں

۴ (سو یہ ساری پچھلی تاریخ انبیاء، عبرت اور سبق حاصل کرنے کے لیے ہے)

وھمّت...... لیأخذوہ، یعنی ہر قوم نے یہی چاہا کہ اپنے پیمبر کو پکڑ کر قید یا قتل یا جلاوطن کردے۔

أمۃ۔ امت سے۔ یہاں ظاہر ہے کہ منکرین امت مراد ہیں۔

والأحزاب من بعدھم۔ مراد منکرین کے وہ گروہ اور جتھے ہیں جو حضرت نوحؑ کے زمانے کے بعد گزرے ہیں۔ قوم عاد، قوم ثمود وغیرہا۔

۵ یعنی جس طرح یہاں سزا ملی، آخرت میں بھی سزا مل کر رہے گی ـــــ جن لوگوں نے اپنے ارادے سے کفر اختیار کیا، اور اس پر جمے رہے، ان کے لیے عذاب جہنم یقینی ہے۔

۶ (تو ان کا ایمان تو تجھ پر بدرجۂ اولیٰ روشن ہوگا، اور تو انھیں اپنی رحمت سے بدرجۂ اولیٰ سرفراز کرے گا)

ویستغفرون للذین آمنو۔ اللہ اللہ! ان مؤمنین کے مرتبۂ قرب کا کیا ٹھکانا، جن کے حق میں ملائکۂ حاملانِ عرش استغفار کرتے رہتے ہیں!

محققین نے یہیں سے یہ بھی نکالا ہے کہ مؤمنین کے حق میں دعائے خیر، مقام ملائکہ اور موجب قرب وقبول ہے۔

فيه إشارة إلىٰ شرف الإيمان و جلالة قدر المؤمنين و إلى أنه ينبغي للمؤمنين من بني آدم أن يستغفر بعضهم لبعض. (روح، ج ٢٤/ص:٩٣)

اس میں اشارہ ہے ایمان اور اہل ایمان کی عظمت وجلالت کی طرف، اور اس طرف بھی کہ مؤمنین کو ایک دوسرے کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہنا چاہیے۔

ويستغفرون للذين آمنوا۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ جب ایمان مشترک ہو تو شفقت وخیر اندیشی کا تقاضا یہی ہے کہ ان لوگوں کے حق میں دعا کی جائے، اگرچہ جنسیں مختلف ہوں یا بُعد مکانی بھی حائل ہو۔

وفيه دليل على أن الاشتراك في الإيمان يجب أن يكون أدعىٰ شيئ إلى النصيحة والشفقة وإن تباعدت الأجناس والأماكن. (مدارك، ص:١٠٥٢)

يؤمنون به۔ اس پر سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ جب فرشتوں کے حامل عرش ہونے پر دونوں کی تسبیح وحمد کا ذکر آ ہی چکا تھا، تو پھر اب ان کے ایمان کی تصریح کی کیا حاجت تھی؟ زمخشری صاحبِ کشاف نے کہا ہے کہ یہ ایمان ملائکہ کا تذکرہ موقع مدح پر آیا ہے، لیکن حاملانِ عرش اگر مشاہدۂ حضرت حق کے بعد ایمان رکھتے ہوتے تو اس میں کوئی بات خاص مدح وتحسین کی نہ تھی۔ یہ تو ایسا ہی تھا، جیسا کوئی دن دہاڑے آفتاب روشن کو دیکھ کر اس کے وجود کا قائل ہو۔ مدح کی توجیہ بھی یہی ہے کہ رویت ومشاہدہ ان ملائکہ کو بھی نصیب نہیں، اور ان کا ایمان تمام تر دلائل وشواہد پر مبنی ہے۔

امام رازیؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد کمال فراخ دلی سے لکھتے ہیں:۔

رحم الله صاحب الكشاف فلولم يحصل في كتابه إلا هذه النكتة لكفاه فخراً وشرفاً. (كبير، ج ٢٧/ص:٢٩)

''اللہ صاحب کشاف پر رحمت کرے، اپنی کتاب میں اس ایک نکتہ کے سوا اور کچھ نہ لکھتے، جب بھی ان کے فخر وشرف کے لیے کافی تھا۔''

وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ⑦ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنٍ الَّتِي

اور انھیں دوزخ کے عذاب سے بچادے ے اے ہمارے پروردگار! انھیں ہمیشگی بہشتوں میں داخل کردے جن کا

وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ

تونے ان سے وعدہ کیا ہے، اور ان کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو (بہشت کے) لائق ہوں انھیں بھی (داخل کردے) ۸ بے شک تو

أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑧ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ

ہی زبردست ہے حکمت والا ہے ۹ اور انھیں تکلیفوں سے بچالے اور تو نے جس کو اس دن کی تکلیفوں سے بچالیا

بے شک حق تعالیٰ کی شان تنزیہہ ہے ایسی ہی عالی کہ اہل ناسوت کا کیا ذکر، ملائکہ حاملانِ عرش تک اسے اپنے حواس کی گرفت میں نہیں لا سکتے۔

وسعت کل شیئ رحمة وعلماً۔ یہ دوصفاتِ الٰہی (رحمت وعلم) ایسی ہیں جو بلا استثناء ہرمخلوق کو گھیرے ہوئے ہیں۔

ے اور یہی معنی ہیں مغفرت کے۔

للذين تابوا۔ یعنی کفروشرک سے توبہ کرلی۔ عذاب کا سبب تو ذنوب ومعاصی ہی ہوتے ہیں، جب وہ رفع ہوگئے تو عذاب بھی رفع ہوگیا۔

۸ (گو وہ اُن کے درجہ ومرتبہ کے قابل نہ ہوں)

ومن صلح۔ یعنی جن میں سے اس کی صلاحیت ہو، اور صلاحیت کس میں ہوگی؟ صرف اہل ایمان میں، کافر تو اپنے جنتی ہونے کی صلاحیت کو خود ہی فنا کر دیتا ہے۔

من صلح أی من آمن. (معالم، ج ٤/ص:١٠٧)

والمراد أهل الايمان. (كبير، ج ٢٧/ص:٣٣)

اور حدیث میں جو آیا ہے کہ آخرت میں کسی کا نسب اس کے کام نہ آئے گا، تو اس سے مراد ہے کہ عدم ایمان کی حالت میں۔

۹ تو قادر ہر درجۂ عطا پر۔ العزیز، لیکن عملاً تو دے گا ہر ایک کو وہی درجہ جو عین اس کے مناسب حال ہو۔ الحکیم۔

فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ

اس پر تو نے بڑی مہربانی کی اور یہی بڑی کامیابی ہے ۱۰ یقیناً جو لوگ کافر ہیں انھیں پکارا جائے گا

لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ

کہ جیسی تم کو اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر اللہ کو تم سے نفرت تھی، جب کہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے

فَتَكْفُرُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا

اور تم انکار کرتے تھے ۱۱ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم کو دو بار مردہ رکھا اور دو بار زندگی دی، سو ہم اپنی

ف ۱۰ (جس کے سامنے ساری دنیوی کامیابیاں پست، عارضی اور ہیچ ہیں)

خوب خیال کر لیا جائے کہ قرآن مجید نے مقصودِ اعظم اسی نجات اخروی اور دخول جنت کو بتایا ہے، اس کے علاوہ اور جتنے مقاصد ہیں سب پست اور محض ضمنی ہیں۔

وقهم السيئات۔ یعنی علاوہ دوزخ کے عذاب اعظم کے، روز قیامت کی اور بھی ہر تکلیف سے بچالے۔ سیئات گویا عقوبات کے مرادف ہے۔

أى العقوبات على ما روى عن قتادة. (روح، ج ۲۴/ص:۴۸)

أى العقوبات. (معالم، ج ۴/ص:۱۰۷)

العقوبات أى جزاء السيئات. (كشاف، ج ۴/ص:۱۴۹. بيضاوى، ج ۵/ص:۳۵)

اور اگر سیئات کو معاصی ہی کے مشہور معنی میں سمجھا جائے تو حذف مضاف مان کر مراد جزاء السيئات ہوگی۔

والكلام على تقدير مضاف أى وقهم جزاء السيات. (روح، ج ۲۴/ص:۴۸)

قيل جزاء السيئات. (معالم، ج ۴/ص:۱۰۷)

ف ۱۱ یہ اس وقت کا نقشہ ہے جب کافر دوزخ میں داخل ہو کر خود اپنے اوپر نفریں اور غصہ کریں گے کہ دنیا میں ہم کیسے اندھے ہو گئے تھے ـــــ اور اس ندا سے مقصود اس وقت ان کی حسرت وندامت میں اور اضافہ کرنا ہوگا۔

بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿١١﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِىَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ

خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا کوئی صورت ہے نکلنے کی؟ ۱۲ وجہ اس (سزائے دائمی) کی یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا

كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿١٢﴾

تو تم انکار کرتے تھے، اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے، سو فیصلہ تو اللہ کا ہے جو عالی شان ہے بڑے مرتبہ والا ہے ۱۳

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ

وہ وہی ہے جو اپنی نشانیاں تمھیں دکھاتا ہے، اور تمھارے لیے آسمان سے رزق اتارتا ہے ۱۴ اور نصیحت تو بس وہی قبول کرلیتا ہے

۱۲ (اور دنیا میں دوبارہ جاکر اپنی خطاؤں کے تدارک اور تلافی کی)

یہ درخواست قبول نہ ہوگی، اور اہل جہنم پر یاسِ کامل طاری ہوکر رہے گی۔

فاعترفنا بذنوبنا۔ اس میں یہ اعتراف بھی آگیا کہ جس زندگی سے ہمیں انکار تھا، اس کا خود مشاہدہ و تجربہ ہوگیا۔

أمتّنا اثنتین۔ دو مردہ حالتوں میں سے ایک تو یہی موت متعارف ہے۔ دوسرے قبل ولادت کی بے جان حالت یا جمادیت کی حالت۔

أحییتنا اثنتین۔ دو زندگیاں: یعنی ایک زندگی دنیا کی، دوسری آخرت کی۔

۱۳ (سو انکار کی سزا بھی اسی حاکم مقتدر کی جلالت قدر و مرتبہ کے لحاظ سے ملے گی)

إذا...... تؤمنوا۔ بس یہی خلاصہ ہے دین شرک کا، خدا کے وجود سے مشرکوں کو انکار نہیں، انکار صرف اس کے خدائے واحد ہونے سے ہے، اسے خدائے اعظم کی حیثیت سے مانا جائے، اور دوسرے چھوٹے چھوٹے خداؤں کی حیثیت تسلیم کرلی جائے تو ان مشرکوں کو بھی تامل نہ رہے۔

۱۴ (جو دلیل ہے اس کی کہ وہ رب بھی ہے اور منعم بھی)

ایٰتہ۔ یعنی نشانیاں اپنی قدرت و توحید کی۔

ینزل لکم من السمآء رزقاً۔ آسمان سے رزق اتارنا، وقت پر بارش اور مناسب ہوا کا بھیجنا اور آفتاب کی روشنی اور گرمی کا پہنچانا، اور سارے دوسرے ذرائع کا بہم کردینا، جن سے نباتات پیدا ہوتے ہیں۔

اِلَّا مَنۡ يُّنِيۡبُ ۝١٣ فَادۡعُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ وَلَوۡ كَرِهَ

جو (اللہ سے) رجوع کرتا رہتا ہے سو تم لوگ اللہ کو پکارو، اس سے خالص اعتقاد رکھ کر، گو کافروں کو

الۡكٰفِرُوۡنَ ۝١٤ رَفِيۡعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الۡعَرۡشِ ۚ يُلۡقِى الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِهٖ

ناگوار ہو ۱۵ وہ مرتبوں کا بلند کرنے والا ہے، عرش کا مالک ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وحی یعنی

عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ لِيُنۡذِرَ يَوۡمَ التَّلَاقِ ۝١٥ يَوۡمَ هُمۡ بٰرِزُوۡنَ ۚ

اپنا حکم بھیجتا ہے تاکہ وہ یوم الاجتماع سے ڈرائے ۱۶ یعنی اس دن سے جس دن سب لوگ سامنے آموجود ہوں گے

۱۵ یعنی ہر شائبۂ شرک سے اور ہر آمیزشِ کفر سے پاک صاف ہو کر حق تعالیٰ کو پکارو، اور یہ توحید خالص ہی تو کافروں کو شاق گزرتی ہے۔

وما يتذكر إلا من ينيب۔ یعنی پند ونصیحت کارگر اسی کے حق میں ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کی طرف قصد رجوع رکھتا ہو۔ غور وتامل اسی قصد رجوع سے پیدا ہوتا ہے اور وہی حق تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے۔

۱۶ (اور سب کو ایمان کی دعوت دے)

يوم التلاق۔ مراد ظاہر ہے کہ یوم آخرت سے ہے۔

رفيع الدرجات یہاں رافع الدرجات کے معنی میں ہے یعنی بندوں کے درجات ومراتب کا بڑھانے والا۔

رافع درجات الأنبياء والأولياء فی الجنة. (معالم، ج ٤/ص: ١٠٨)

بعض نے مرتفع الدرجات کے معنی میں لیا ہے، یعنی صفات عظیم وبلند رکھنے والا۔

يحتمل أن يكون المراد منه الرافع وأن يكون المراد منه المرتفع. (كبير، ج ٢٧/ص: ٣٨)

ذو العرش۔ لفظی معنی ہوئے ''عرش والا''۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ، اللہ میاں عرش کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں، حق تعالیٰ ہر جسمیت، ہر مکانیت سے پاک وبرتر ہیں۔ مراد صرف یہ ہے کہ وہ اس کا بھی مالک، اس کا خالق اور اُس پر ہر طرح قادر ہے۔

ومعناه أنه مالك العرش ومدبره وخالقه. (كبير، ج ٢٧/ص: ٣٩)

لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ

ان کی کوئی بات اللہ سے مخفی نہیں رہے گی، آج کے روز کس کی حکومت ہے؟ بس اللہ واحد

الْقَهَّارِ ⑯ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

وغالب ہی کی ہے ۱۷ آج ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا، آج کچھ بھی ظلم نہ ہوگا، اللہ

خالقه ومالكه. (معالم، ج ٤/ص: ١٠٨)

اور مقصود اُس سے اس کے کمال قدرت اور منتہائے ہیبت کا اظہار ہے۔

والفائدة في تخصيص العرش بالذكر هو أنه أعظم الأجسام. (كبير، ج ٢٧/ص: ٣٩)

قيل هو إشارة إلى مملكته وسلطانه، لا إلى مقر له يتعالىٰ عن ذلك. (راغب، ص: ٣٦٩)

نیز ملاحظہ ہو، سورۃ البروج، آیت ۱۵۔

الروح سے مراد وحی ہے۔

الروح من أمره أي الوحي من أمره. (ابن جرير۔ عن قتادة، ج ٢١/ص: ٣٦٣)

اختلفوا في المراد بهذا الروح، والصحيح أن المراد هو الوحي. (كبير، ج ٢٧/ص: ٣٩)

سماه روحاً لأنه تحيا به القلوب كما تحيا به الأبدان. (معالم ج ٤/ص: ١٠٨)

دوسرے معنی قرآن وکتاب کے لیے گئے ہیں۔

وقال آخرون عني به القرآن والكتاب. (ابن جرير، ج ٢١/ص: ٣٦٣)

قاموس میں ہے کہ روح، قرآن ووحی کے معنی میں ہے۔ (قاموس، ص: ۲۱۴) اور تاج میں ابوالعباس کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح روح جسدِ انسانی کو زندہ کرتی ہے، وحی موت کفر سے نجات دیتی ہے اور ایمان کی زندگی پھونکتی ہے، اس لیے وحی کو بھی روح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (تاج، ج ۴/ص: ۵۸)

۱۷ حکومت تو آج بھی خدائے واحد وغالب ہی کے لیے ہے، فرق اتنا ہے کہ اس روز یہ حقیقت سب پر بالکل عیاں وروشن ہو کر رہے گی۔

الواحد القهار۔ الواحد اور القہار دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔

لا یخفیٰ......شیء، نہ ظاہری اعمال، نہ باطنی احوال کوئی شے بھی چھپ نہ سکے گی۔

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ

بہت جلد حساب لے ڈالنے والا ہے ۱۷(الف) اور آپ انھیں ایک قریبی مصیبت والے دن سے ڈرائیے، جب کلیجے منھ کو آجائیں گے

كٰظِمِيْنَ ۬ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿١٨﴾ؕ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ

(غم سے) گھٹ گھٹ جائیں گے، ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا اور نہ سفارشی، جس کی بات مان ہی لی جائے ۱۸ (اللہ) جانتا ہے آنکھوں کی

الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

چوری کو اور جو کچھ سینے میں چھپا ہوا ہے اس کو بھی ۱۹ اور اللہ ٹھیک ہی فیصلہ کرے گا، اور جن لوگوں کو یہ

ایسی آیتیں جلالۂ توحید سے قلب کو بھر دینے، اور جسم کو تھرتھرا دینے کے لیے بالکل کافی ہیں۔

۱۷ (الف) دنیوی عدالتوں کی طرح وہاں یہ نہیں ہونے کا کہ پیشی پر پیشی بڑھ رہی ہے، اور اہل مقدمہ پڑے جھول رہے ہیں۔ وہاں حساب چکتے کچھ دیر نہ لگے گی، سب جھٹ پٹ ہو جائے گا، ہاں بطور عذاب ہی منکروں کو جھولتے رہنا پڑے تو اور بات ہے۔

الیوم......الیوم۔ اللہ کی صفت عدل کے وہ پورے ظہور کا وقت ہوگا، یہ نہیں ہوگا کہ کسی تنفس پر بھی کوئی جھوٹا الزام لگ جائے، یا کسی کو سزا اس کے جرم سے بڑھ کر ملنے لگے۔

۱۸ یوم الآزفة۔ آزفة کے لفظی معنی ''قریب آجانے والی'' کے ہیں، قیامت بھی چونکہ برابر قریب آتی جارہی ہے، اس لیے یوم الآزفة ایک نام قیامت کا بھی پڑ گیا۔

عبّر عنها بساعة. (راغب، ص:٢٤)

يعنی يوم القيامة. (ابن جرير، ج ٢١/ص:٣٦٧)

لاظلم الیوم۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ کسی کا اجر گھٹا دیا جائے اور کسی کا عذاب بڑھا دیا جائے۔

للظلمین۔ ظالمین سے مراد یہاں بھی مشرکین و کفار ہیں۔

الذين ظلموا أنفسهم بالشرك بالله. (ابن كثير، ج ٤/ص:٦٧)

۱۹ یہاں یہ بتا دیا کہ اقوال و افعال کیا معنی، احوال و کیفیات، جذبات و وارداتِ قلب تک سب وہاں حاضر و عیاں ہوں گے ـــــ یہ اور بات ہے کہ اضطراری اعمال و کیفیات معاف کر دیے جائیں۔

مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾

اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کرسکتے، اللہ ہی (سب کچھ) سننے والا ہے (سب کچھ) دیکھنے والا ہے ۲۰

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں جو یہ دیکھ لیتے کہ ان سے قبل والوں کا انجام کیسا ہوا، وہ لوگ

كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ

ان سے بھی بڑھے ہوئے تھے بلحاظ قوت، اورزمین پر اپنے چھوڑے ہوئے نشانات کے

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾

سو اللہ نے ان کی گرفت کی بہ سبب ان کے گناہوں کے اور ان کا کوئی اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوا ۲۱

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ

یہ گرفت اس لیے ہوئی کہ ان کے پاس ان کے پیمبر واضح دلیلیں لاتے رہے، اس پر بھی وہ کفر ہی کیے گئے سو اللہ نے انھیں پکڑ لیا

۲۰ یعنی وہی ان صفات کمال میں کامل اور دوسرے معبود اِن صفات ہی سے عاری، اس لیے اس کے سوا کوئی اور فیصلہ کر ہی نہیں سکتا۔

آیت سے دو پہلوؤں پر اور زیادہ روشنی پڑگئی: ایک شرکت الوہیت و معبودیت کی نفی، دوسرے ان معبودوں کا نصرت سے عجز۔

۲۱ یہ تاریخ اور اثریات کے مطالعے کے لیے ترغیب ہے کہ ان فنون سے مدد لے کر دیکھو اور بڑی بڑی پُرقوت، سرکش قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرو۔

آثاراً فی الأرض۔ مثلاً اونچے اونچے محل، عالی شان قلعے، نشاط افزا باغ و چمن وغیرہا۔

الـذیـن ...... الأرض۔ اشارہ اُن قبل اسلام کی متمدن و سربرآوردہ جاہلی قوموں کی جانب ہے، جن کی ترقی تہذیب و تمدن کے نشان اب بھی کھنڈروں کی صورت میں موجود ہیں۔

تاریخ اور اثریات کا مطالعہ آج زور و شور سے جاری ہے، لیکن ان ماہرین فن میں کتنے ہیں جو نگاہِ عبرت رکھنے والے ہیں؟

اِنَّہٗ قَوِیٌّ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَا وَ سُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ۙ۲۳﴾

بے شک وہ بڑی قوت والا ہے سخت سزا دینے والا ہے ۲۲ اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور کھلی ہوئی دلیل دے کر

اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ ہَامٰنَ وَ قَارُوۡنَ فَقَالُوۡا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ

فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو وہ لوگ بولے یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے ۲۳ تو جب وہ لوگوں کے پاس دین حق

بِالۡحَقِّ مِنۡ عِنۡدِنَا قَالُوا اقۡتُلُوۡۤا اَبۡنَآءَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ وَ اسۡتَحۡیُوۡا

ہمارے پاس سے لے کر آئے تو وہ لوگ بولے کہ جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہوئے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی

نِسَآءَہُمۡ ؕ وَ مَا کَیۡدُ الۡکٰفِرِیۡنَ اِلَّا

عورتوں کو زندہ رہنے دو، اور کافروں کی چال محض

۲۲ (تو اس کی گرفت سے یہ موجودہ منکرین کب تک باہر رہ سکتے ہیں!)

بالبیّنات۔ بینات کے تحت میں عقلی دلائل اور عملی معجزے سب کچھ آ گئے۔

۲۳ قرآن، جیسا کہ بار بار بیان ہو چکا ہے کوئی تاریخ کی کتاب نہیں، اس کے پیش نظر صرف مقاصد و نتائج رہتے ہیں۔ نبوت موسوی سے انکار کا جز ان تینوں مشاہیر میں مشترک تھا، اور یہاں اسی کے نتیجے پر تنبیہ مقصود تھی، اِس لیے قرآن نے بھی تینوں کا نام ایک ساتھ لے دیا، اشتراک ذکر سے نہ تو یہ لازم آتا ہے کہ تینوں کے انکار و تکذیب کی نوعیت ایک تھی، اور نہ یہ کہ تینوں کے انکار و تکذیب کا زمانہ بھی ایک ہی ہو ——— اور یہ بھی بالکل ممکن ہے کہ جس طرح مصریوں یا قبطیوں میں سے کوئی کوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کرنے والا نکل آیا تھا، قارون وغیرہ کچھ اسرائیلی، مصری حکومت فرعون کے ساتھ مل گئے ہوں، اگرچہ تاریخ اس ذکر سے خاموش ہے۔ عدم ذکر عدم وقوع کا مستلزم نہیں۔

فرعون وھامان وقارون۔ فرعون پر حاشیے سورۃ البقرہ، آیت ۴۹ میں گزر چکے، اور ہامان وقارون پر سورۃ القصص، آیت ۶ اور ۷۶ میں۔

قارون نے جس شد و مد سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انکار کیا ہے اور بغاوت پر آمادہ ہوا ہے، اس کا ذکر توریت میں بصراحت موجود ہے۔

فِىْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِىْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ

ناکام رہی ۲۴ اور فرعون بولا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور یہ اپنے پروردگار کو پکار دیکھے ۲۵

اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِى الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾

مجھے یہی ڈر ہے کہ وہ تمھارا دین ادل بدل ڈالے گا یا یہ کہ ملک میں فساد پھیلا دے گا ۲۶

۲۴ کافروں کی چالیں تو مآلاً اور آخر کار ہمیشہ ہی ناکام رہتی ہیں اور کبھی حالاً اور فوری طور پر بھی ناکام رکھی جاتی ہیں۔

قالوا۔ یہ مشورہ دینے والے اور آپس میں صلاح کرنے والے مصر کے اعیانِ سلطنت وارکانِ حکومت تھے۔

الذین آمنوا معہ۔ یہ ایمان لانے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے ہم قوم بنی اسرائیل تھے۔

اقتلوا......نساء ھم۔ قتل اطفال بنی اسرائیل واستحیاء نساء وغیرہ پر حاشیے سورۃ البقرہ، آیت ۴۹ میں گزر چکے ہیں۔

۲۵ (دیکھیں تو سہی وہ ہمارے عتاب سے اسے کیوں کر بچا لیتا ہے)

قال فرعون۔ یہ فرعون نے جھنجھلا کر اپنے وزراء وامراء سے کہا۔ فرعون کی حکومت، باوجود اس کے شخصی استبداد کے شورائی تھی، جیسا کہ قرآن مجید کی دوسری آیات سے بھی نکلتا ہے۔

۲۶ دینکم۔ سے مراد یا تو مصر کا قومی آبائی دین شرک ہے اور یا سرکاری قانون۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن)

فرعون نے دو خطرے اپنے اعیانِ سلطنت کو بجھائے: ایک یہ کہ مدعی نبوت اپنی تدبیروں اور نام نہاد اصلاحی مساعی سے اس دین آبائی یا سرکاری قانون میں خلل ڈال دے گا، اور لوگوں کو دین شرک سے یا قانون سرکار سے اکھاڑ دے گا۔

دوسرے کہ رعایا میں تاج کے خلاف شورش، فساد وبغاوت وبدامنی پھیلا دے گا۔

یبدل دینکم۔ یعنی اے شاہ پرستو اور وفادارو! تمھارے آبائی دین میں گڑبڑ ڈال دے، اور اسے مسخ کر دے، اور چونکہ اس دین کا جزءِ اعظم شاہ پرستی تھی، اس لیے اس دین میں گڑبڑ ڈالنے

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ

اور موسیٰ نے کہا میں اپنے اور تمہارے سب کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر بڑائی مارنے والے سے، جو روز حساب پر

بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ

یقین نہیں رکھتا ۲۷ اور ایک مومن مرد نے جو خاندان فرعون سے تھے اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے ۲۸

ع ۷/۸

کے معنی ہی ملک میں بادشاہ کے خلاف بدخواہی وغداری کو پھیلانا ہے۔

۲۷ علماء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ شر سے بچنے کے لیے دعا عمومی اور کلی رنگ میں اگر کی جائے تو بہتر ہے جیسا کہ یہاں ضرورت صرف فرعون کے شر سے پناہ مانگنے کی تھی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے الفاظ جامع وعمومی استعمال کیے۔

کل ...... الحساب۔ یہ آخرت فراموشی ہی ساری گمراہیوں کی جڑ ہے اور یہ پیدا ہوتی ہے تکبر نفس سے۔

خوب خیال کرلیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی دعوت میں براہِ راست کوئی سیاسی مطالبہ ایک بار بھی نہیں پیش کرتے ـــــــ اپنے مطالبے کی اصل بنیاد وہ دینی واعتقادی ہی اصلاح رکھتے ہیں، اور یہاں بطور بنیادی حقیقت کے انکارِ آخرت کا مسئلہ پیش کررہے ہیں۔

۲۸ معلوم ہوتا ہے کہ فرعونیوں میں سے کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کے قائل ہوگئے تھے، اور اتنا تو توریت میں بھی ہے کہ کچھ فرعونی خوفِ خدا رکھنے والے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک انذاری پیش گوئی کے سلسلے میں ہے:۔

”فرعون کے نوکروں میں ہر ایک جو خداوند کے کلام سے ڈرتا تھا، اپنے نوکروں اور اپنے مواشی کو گھروں میں بھگا لے آیا۔“ (خروج ۔۹: ۲۰)

اور بائبل کے بعض شارحین نے کھل کر لکھا ہے کہ بعض فرعونی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انذاری پیش گوئیوں پر ایمان لے آئے تھے ـــــــ مثلاً کیمبرج کے پادری ڈمیلو (Dummlew) نے اپنی شرح بائبل میں۔

آل فرعون۔ مراد فرعون کی قوم اور دین والے۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّىَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ

کہا کیا تم ایک مرد کو اس بات پر قتل کر ڈالو گے کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے، درآنحالیکہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں بھی لایا ہے

وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ

اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا، اور اگر وہ سچا ہوا تو وہ جو کچھ پیش گوئی کر رہا ہے اس میں سے کچھ تم پر (ضرور ہی)

يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ

پڑے گا، بے شک اللہ ایسے کو راہ (کامیابی) نہیں دکھاتا جو حد سے گزر جانے والا ہو، جھوٹا لپاٹیا ہو ۲۹ اے میرے بھائیو! آج تمہاری

قومه وأهل دينه. (سجستاني، ص:۸)

يكتم إيمانه۔ علمائے راسخین نے لکھا ہے کہ اسلام ہی کی مصلحت سے اپنے اسلام کا چھپانا بالکل جائز ہے، اور اس خاص موقع پر کتمان ایمان کی سند تو خود قرآن مجید ہی سے مل رہی ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل باطل کے سامنے حق کا اخفا، خوف فتنہ سے منافی کمال نہیں، خصوصاً جب کہ سہولت ارشاد و تبلیغ کی مصلحت بھی شامل ہو۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۴۳۶)

۲۹ (اور دنیا کا کوئی اسراف و کذب جھوٹے دعوت نبوت سے بڑا اور کیا ہو سکتا ہے؟)

مرد مومن کا کہنا یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا اول تو جرم ہی کیا ہے، بجز اقرار توحید کے؟ اور پھر اقرار بھی بلا دلیل نہیں، آیات و معجزات سے مدلل۔ بالفرض وہ جھوٹے ہیں تو ایسے شدید قسم کے جھوٹ کی حق تعالیٰ دنیا ہی میں سزا دے کر رہے گا، لیکن اگر ان کا دعوئے نبوت سچ نکلا تو تم اپنی خبر لو، تمہارا انجام کیا ہو کر رہے گا؟

وقد...... ربكم۔ البينات کے تحت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل و مواعظ اور معجزات و خوارق سب آ گئے۔

وان ...... كذبه۔ علماء نے لکھا ہے کہ جھوٹے مدعیانِ نبوت بھی اگر کورے بچ کر نکل جائیں تو تلبیس علی الحق لازم آ جائے۔

امام رازیؒ نے آیت کے تحت میں اپنا ذاتی تجربہ بھی بیان کیا ہے کہ جب کبھی مجھے کسی شریر نے خواہ مخواہ نقصان پہنچانا چاہا، اور میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی، بلکہ معاملہ حق تعالیٰ ہی پر چھوڑ دیا، تو اللہ نے ہمیشہ کچھ نہ کچھ لوگ ایسے لا کھڑے کیے (میرے لیے اجنبی لیکن) جو پوری طرح اس شر کے دفعیہ پر لگ گئے۔

الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ
سلطنت ہے کہ اس سرزمین میں تم حاکم ہو، لیکن اللہ کے عذاب سے ہمیں کون بچائے گا
اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا
اگر وہ ہم پر آپڑا ۳۰ فرعون نے کہا میں تو تم لوگوں کو وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں اور میں تو تم کو عین طریق مصلحت
سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ
ہی بتاتا ہوں، اور اس ایمان لے آنے والے شخص نے کہا اے میرے بھائیو! مجھے تمہارے متعلق (دوسری امتوں) کے سے
مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ
روز بد کا اندیشہ ہے، جیسا کہ قوم نوح وعاد وثمود اور ان کے بعد والوں کا
مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ
حال ہوا تھا، اور اللہ بندوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں کرنا چاہتا ۳۱ اے میرے بھائیو! مجھے تمہاری بابت ایک دوسرے کی پکار والے
عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
دن کی طرف سے بھی اندیشہ ہے ۳۲ جس روز تم پشت پھیر پھیر کر بھاگو گے، تم کو اللہ کے مقابلے میں

ولقد جرّبت فی أحوال نفسی أنه کلما قصدنی شریر بشر لم أتعرض له وأکتفی بتفویض ذلك الأمر إلى الله فإنه سبحانه یقیض أقواماً، لا أعرفهم البتة، یبالغون فی دفع ذلك الشر. (کبیر، ج۲۷/ص: ۵۰)

۳۰ (اور اس کا وقوع ایک سچے نبی کے قتل کے بعد یقینی ہے)

۳۱ (یعنی جب تم خود ہی اس کے عذاب کو بلا رہے ہو، تو ضرور کیفر کردار کو پہنچ کر رہو گے)

ما......للعباد۔ اس فقرے میں تعریض ہے مشرکوں کے خونخوار دیوی، دیوتاؤں پر۔

ماأریکم......الرشاد۔ فرعون اپنی قوم کو اپنی دوراندیشی اور ہواخواہی کا یقین دلا رہا ہے۔

نوحؑ، عاد، ثمود سب پر حاشیے گزر چکے۔

۳۲ یعنی سزائے دنیوی کے علاوہ عذاب آخرت کا بھی۔

مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ

کوئی بچانے والا نہ ہوگا ۳۳؎ اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں، اور تمھارے پاس اس کے قبل

يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ

یوسف بھی تو کھلے ہوئے دلائل لے کر آ چکے ہیں سو تم شک ہی میں پڑے رہے ان امور سے متعلق جو وہ تمھارے پاس لے کر آئے تھے ۳۴؎

حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ

یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم کہنے لگے کہ اب خدا ان کے بعد کوئی رسول نہ بھیجے گا، اسی طرح اللہ گمراہی میں ڈالے رکھتا ہے

یوم التناد۔ ''پکارنے والا دن'' یوم قیامت کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس روز بڑی ہی چیخ پکار پڑے گی۔

تنادی کے معنی ایک دوسرے کو پکارنے کے ہیں۔

تنادیٰ أی نادیٰ بعضهم بعضاً. (قاموس، ص:۱۲۲۸ ۔ اقرب، ج۲/ص:۱۲۸۷)

قیامت کے دن لوگ ایک دوسرے کو پکاریں گے، گویہ ساری پکار محض بے سود رہے گی۔

یوم ینادی الناس بعضهم بعضاً من فزع نفخة الفزع. (ابن جریر، ج ۲۱/ص:۳۸۱)

آج دنیا اپنے ہاتھوں جن مصیبتوں میں مبتلا ہے، اور اس کے باعث جس طرح ہر گروہ گھبرا گھبرا کر دوسرے کو مدد کے لیے پکار رہا ہے، اس نے خود اس حقیقی یوم التناد کا نقشۂ مجازی یوم التناد میں پیش کر دیا ہے۔

۳۳؎ روز حشر کی دہشت اور ہولناکی کا بیان ہے۔

یوم یولون هاربین فی الأرض حذار عذاب اللّٰه وعقابه عند معاینتهم جهنم.

(ابن جریر، ج ۲۱/ص:۳۸۲)

۳۴؎ یعنی تم نے تو یوسفؑ کی بھی نبوت کی تصدیق نہ کی۔

ولقد جاء کم یوسف من قبل۔ یوسفؑ بن یعقوبؑ ۱۹۱۰ء تا ۱۸۰۰ء ق.م. جو اسی ملک مصر میں، اور اسی سلسلۂ اسرائیلی میں چند صدی قبل نبی ہو کر آ چکے تھے، ملاحظہ ہوں سورۂ یوسف کے حاشیے۔

کم کی ضمیر مخاطب سے مراد اہل مصر ہیں۔

مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ۝ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ
ان لوگوں کو جو حد سے نکل جانے والے ہوتے ہیں شک میں پڑے رہتے ہیں ۳۵ (اور) جو اللہ کی نشانیوں کے باب میں
بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ
بغیر اس کے کہ اس نے انھیں کوئی سند دی ہو، جھگڑے نکالتے رہتے ہیں، اس سے بڑی بیزاری ہے اللہ کو اور ایمان والوں کو، اسی طرح
يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ
اللہ مہر کر دیتا ہے ہر مغرور و جابر کے قلب پر ۳۶ اور فرعون نے کہا، اے ہامان!

مماجاء کم بہ۔ یعنی وہی پیامِ توحید، جو سارے انبیاء میں مشترک رہا ہے۔

۳۵ یعنی نبوت کی تو تم ان کے بھی قائل نہ تھے، اور جب وہ وفات پا گئے، جب تم کھلم کھلا کہنے لگے کہ ہمیشہ کے لیے یہ جھگڑا پاک ہوگیا۔ یہ مطلب نہیں کہ اہل مصر عقیدۂ نبوت کے قائل تھے، منکرین نے یہ فقرہ مخاطبین کے خیال کے مطابق کہہ دیا، اور قرآن میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔

کذلک......مرتاب۔ یہ ایک عام قاعدہ بتا دیا کہ ایسے بدتوفیقوں کو ہمیشہ گمراہی ہی میں پڑا رہنے دیا جاتا ہے۔

إذا هلك۔ قرآن مجید انبیاء صادقین کے لیے بھی ایسے موقعوں پر بے تکلف وہی الفاظ لے آتا ہے جو عام افراد بشری کے لیے لائے جاتے ہیں۔ ہلاکت و موت وغیرہ کے قسم کے الفاظ جس طرح ہر بشر کے لیے آتے ہیں انبیاء کے لیے بھی لائے گئے ہیں۔ ہم اردو والوں کی طرح یہ تکلف و تصنع کا پیرایۂ بیان نہیں اختیار کرتا کہ ''فلاں نبی عالم بقا کو تشریف لے گئے'' یہاں تو ذکر ایک پیمبر برحق حضرت یوسف علیہ السلام کا تھا!

۳۶ مغرور و جابر (متکبر و جبار) چونکہ حق طلبی اور حق جوئی سے کام نہیں لیتا، اس لیے رفتہ رفتہ اس میں صلاحیت حق فہمی کی بھی باقی نہیں رہ جاتی۔

یجادلون......سلطان۔ جدال بغیر سلطان کی اس مذمت سے یہ نکلا کہ جدال حجت صحیحہ کے ساتھ کرنا مستحسن ہے۔

اَبۡنِ لِیۡ صَرۡحًا لَّعَلِّیۡۤ اَبۡلُغُ الۡاَسۡبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسۡبَابَ السَّمٰوٰتِ

میرے لیے ایک بلند عمارت بنوا کہ میں (اس سے) آسمانوں پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں

فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰہِ مُوۡسٰی وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّہٗ کَاذِبًا ؕ وَکَذٰلِکَ زُیِّنَ

اور موسیٰ کے خدا کو جھانک دیکھوں، اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں ۳۷ اور اسی طرح فرعون کو اس کی

فی ذمہ لھم بأنھم یجادلون بغیر سلطان دلالۃ علی أن الجدال بالحجۃ حسن و حق. (کبیر، ج۲۷/ص:۵۵)

۳۷ فرعون اس مردِ مومن کی تقریروں کا تو کچھ جواب دے نہ سکا، لاجواب ہوکر فرمائش ہامان سے یہ کر دی۔

یٰھامان۔ ہامان پر حاشیہ سورۃ القصص (آیت ۶) میں گزر چکا۔

ھامان۔ جو دیوتا آمن کے مندر کا سب سے بڑا پروہت یا پجاری تھا، عجب نہیں کہ وہی سلطنت کا میر تعمیر بھی ہوتا ــــــ ہامان سے متعلق اسی سابق حاشیے میں گزر چکا ہے کہ یہ شخصی نام نہیں بلکہ ایک عظیم الشان سرکاری عہدے کا لقب تھا، جیسے کہ خود فرعون شاہی لقب تھا۔

ابن لی صرحاً۔ روایاتِ یہود میں بھی آتا ہے کہ شاہِ مصر کے لیے زمین و آسمان کے درمیان ایک محل تعمیر ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

اس نسل فرعون سے جو بعض خاندان مصر کے حکمران تھے، ان میں یہ بات عام تھی کہ خدا تک پہنچنے کے لیے اونچی اونچی سیڑھیاں (Sky Ladders in Stair Way) آسمان کے لیے تیار کرتے رہتے۔ عرب کے ایک اُمی کو ایک دوسرے ملک کی ہزاروں سال قبل کی تاریخ سے متعلق یہ باریک معلومات آخر کہاں سے حاصل ہو جاتے تھے؟

لعلی أبلغ الأسباب۔ سیکڑوں ہزاروں برس گزر جانے کے بعد اس قسم کی حماقت کا اظہار روس کے وزیر اعظم خروشیف نے ابھی چند سال ہوئے کیا تھا، جب اس نے طنز و تمسخر کے ساتھ کہا تھا کہ "ہمارے خلائی جہاز رانوں کو تو اوپر کہیں خدا کا پتا نشان نہ ملا" ــــــ گویا فرعون و ہامان کی طرح خروشیف بھی اس کا قائل تھا کہ مادی فاصلہ طے کرنے سے خدا تک پہنچا جا سکتا ہے، اور چونکہ نہ پہنچا

لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ

بدکرداری خوشنما کردی گئی اور وہ راہ (راست) سے رُک گیا اور فرعون کی ہر چال غارت

تَبَابٍ ۝۳۷ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝۳۸

ہی گئی ۳۸ اور وہی جو ایمان لا چکا تھا، بولا میرے بھائیو! میری پیروی کرو، میں تمھیں ٹھیک راستہ بتا رہا ہوں

جاسکا، اس لیے خدا کا وجود ہی ثابت نہ ہوسکا۔

لعلی۔ لعل میں آیندہ کی توقع تو ہوتی ہی ہے، اکثر آرزو بھی شامل رہتی ہے۔ لغت کی دو کتابوں منتہی الارب اور بیان اللسان میں لعل کے ایک معنی ''کاش'' بھی آئے ہیں۔ (منتہی الارب، ج۴/ص:۱۲۳۳، بیان اللسان، ص:۶۶۸) اور ابن ہشام نحوی نے تو اور صاف کر کے لکھ دیا ہے۔

التوقع وهو ترجي المحبوب والإشفاق من المكروه. (مغنی، ص:۳۷۹)

صرحاً۔ یہ مینار پختہ بنی ہوئی اینٹوں کا تھا۔

وكان اتخاذه من الآجر المضروب من الطين المشوي. (ابن کثیر، ج٤/ص:٧١)

۳۸ (اور بالآخر وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو کر رہا)

وکذلک۔ یعنی جس طرح کہ سوء اعمال کی خوشنمائی کی ایک مثال ابھی اوپر فرعون کے قول میں گزر چکی۔

أي مثل ذلك التزيين وذلك الصد. (مدارک، ص:۱۰۵۹)

زین......عملہ۔ اس تزیین کی علت قریبہ تو ہمیشہ شیطان کی وسوسہ اندازی ہی ہوتی ہے، جیسا کہ قرآن مجید ہی میں ہے: وزین لهم الشيطن أعمالهم ــــــ آیت کا اتنا ٹکڑا بڑا ہی عبرت انگیز ہے، فرعون ہی کی طرح کتنے بے شمار گمراہ اپنی کج روی کو حسین و جمیل سمجھتے رہ گئے ہیں، یہ گندی اور نفرت انگیز چیزوں پر تزیین اور فرش جمالی تو غضب کی چیز ہوتی ہے!

لیکن علت بعیدہ تکوینی حیثیت سے خود ذات حق ہی ہوتی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

زينا لهم أعمالهم فهم يعمهون۔

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾

اے میرے بھائیو! یہ دنیوی زندگی محض حظ چندروزہ ہے اور ٹھہرنے کا ٹھکانا تو آخرت ہی ہے ۳۹؎

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا

جو کوئی گناہ کرتا ہے اسے بدلہ بس برابر برابر ہی ملتا ہے، اور جو کوئی نیک کام کرتا ہے

۳۹؎ مردمومن کا کہنا یہ ہے کہ حقیقی فوز وفلاح کا راستہ تو وہ ہے جسے میں بتارہا ہوں، نہ کہ وہ جس کی جانب رہبری فرعون کررہا ہے۔

إنما......القرار۔ عاجل اور آجل کے راستوں کا فرق جو آج نظر آرہا ہے یہی ہمیشہ رہا ہے۔ ع

غافل نے اِدھر دیکھا عاقل نے اُدھر دیکھا

ہر نبی کا پیام اور اسلام کا سارا خلاصہ انھیں دونوں فقروں میں آگیا ـــــــ اور مادی سطح میں دنیا کو بیزاری جو ہے وہ اسی عقیدے سے ہے۔

متاع میں تنوینِ تقلیل کی ہے اور اظہار تحقیر کے لیے ہے، اور متاع کے لفظ میں خود ہی اس نفع کے عارضی اور زود فنا ہونے کا مفہوم شامل ہے۔

متعة تنتفعون بها مدة ثم تنقطع. (معالم، ج ٤/ص:١١٣)

۴۰؎ یہاں ایک بڑی اصل پر مزید روشنی پڑ گئی۔ اہل جنت کے اجر کی کوئی حد ہی مقرر نہیں، لیکن بدی کی سزا میں کوئی وسعت نہیں۔ بدکار کو سزا صرف اتنی ہی ملے گی، جتنے کا وہ جرم کے لحاظ سے مستحق ہے ـــــــ گویا نیکی کے لیے قانونِ فضل کارفرما رہے گا اور بدی کے لیے قانونِ عدل۔

من ذكر أو انثىٰ۔ عورت جس طرح دیوی اور کسی خاص تقدس واحترام کی حامل نہیں، اسی طرح گندی اور ناپاک جنس بھی نہیں۔ عمل وایمان کے نقطۂ نظر سے مرد وعورت دونوں بالکل یکساں وہم سطح ہیں۔ جس کے جیسے عمل ہوں گے اسی مناسبت سے اُسے جزائے عمل بھی ملے گی۔ عورت کی جنسیت کا اس پر کچھ بھی اثر نہیں پڑے گا۔

جاہلی مذہبوں نے عورت کے بارے میں جو جو بے اعتدالیاں روا رکھی ہیں، ان کے پیش نظر قرآن مجید کو اس صراحت کی ضرورت تھی ـــــــ اس صراحت کی پوری قدر اس وقت ہوگی جب یہ

مَنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ

وہ مرد ہو یا عورت، ہاں بس مومن ہوتو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے جہاں انھیں رزق

فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۞٤٠ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ

بے حساب ملے گا ۴۰ اور اے میرے بھائیو! یہ کیا ہے کہ میں تو تمھیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ

اِلَى النَّارِ ۞٤١ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ

کی طرف بلاتے ہو، تم مجھے اس طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں اور ایسی چیز کو اس کا شریک کروں، جس کے (شریک ہونے پر)

بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۞٤٢ لَا جَرَمَ

میرے پاس کوئی دلیل نہیں، درآنحالیکہ میں تمھیں (خدائے) غالب وغفار کی طرف بلاتا ہوں ۴۱ یقینی بات

پیش نظر ہو کہ بعض مذاہب نے عورت کو کتنی پست اور گندی مخلوق قرار دیا ہے۔

وھو مؤمن۔ اجر و جنت کے لیے ایمان کی قید اہم ترین درجہ رکھتی ہے، عمل صالح معتبر اُسی وقت ہوگا جب عقیدۂ صحیح یا ایمان کے ماتحت وجود میں آئے۔

۴۱ خدائے غالب و زبردست ایسا کہ وہ گرفت کرے تو کوئی چھڑا نہ سکے اور غفار ایسا کہ وہ مغفرت کرنا چاہے تو کوئی اس میں حائل نہ ہو سکے۔

مالی کلمۂ استعجاب ہے۔ مطلب یہ کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ میں تو تمھیں راحت ابدی اور حقیقۃ الحقائق کی طرف بلا رہا ہوں، اور تم اس کے بالکل برعکس مجھے عذاب دائمی اور باطل محض کی طرف لے جانا چاہتے ہو؟

وأشرك......علم۔ اس حقیقت کی ایک بار اور تصریح کہ مذہب شرک پر کوئی دلیل قائم نہیں، شرک محض ایک دعویٰ بلا دلیل ہے!

بغیر حساب۔ یہ ننھا سا فقرہ قرآن مجید میں کم سے کم تین بار اور پہلے آچکا ہے۔ مفردات راغب میں جس کے متعدد مفہوم درج کیے ہیں، مثلاً: (۱) استحقاق سے زیادہ عطا فرماتا ہے۔ (۲) جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ (۳) اس قدر عطا فرماتا ہے کہ انسان کے لیے اس کا احاطہ ممکن

اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ

ہے کہ جس کی طرف مجھے بلا رہے ہو، وہ پکارے جانے کے قابل نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں اور یہ بھی

مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ

کہ ہم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور یہ بھی کہ حد سے نکل جانے والے سب دوزخی ہی ہوں گے ۴۲ سو عنقریب تم میری بات کو

نہیں۔(۴) بغیر کسی تنگی کے عطا فرماتا ہے۔(۵) انسان کے عام اندازے سے کہیں زائد دیتا ہے۔ (۶) اپنی مصلحت کے مطابق دیتا ہے نہ کہ لوگوں کے حساب سے۔(۷) مومن کو جو کچھ دیتا ہے اس پر محاسبہ نہیں کرتا، اس لیے کہ مومن تو خود اپنے سے محاسبہ کرتا رہتا ہے۔(۸) مومن کو قیامت کے دن اس کے استحقاق سے کہیں زائد دے گا۔(راغب،ص:۱۳۱)

اور اسی طرح کے متعدد معنی لسان العرب اور تاج العروس میں بھی آئے ہیں۔

اور مفسرین نے معنی یہ کیے ہیں کہ نیکیوں کے لیے جزائے عمل یہی ہے کہ ان کا اجر بے حساب و بے اندازہ ہوگا، بمقابلہ بدیوں کے، جن کا بدلہ ان کی جزا کے برابر ہی ہوگا، اس سے زیادہ نہ ہوگا۔

فأما جزاء العمل الصالح بغير تقدير وحساب، بل ماشئت من الزيادة على الحق والكثرة والسعة. (كشاف، ج٤/ص:١٦٤)

بغير تقدير وموازنة بالعمل بل أضعافاً مضاعفة فضلاً منه تعالى. (روح، ج٢٤/ص:٧٠)

لاانقضاء له ولانفاد. (ابن كثير، ج٤/ص:٧١)

ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۰۰، سورۂ آل عمران۔

۴۲ مذہب شرک کی بے حقیقتی پر ایک اور تازیانہ!

المسرفین۔ یعنی عبودیت سے نکل جانے والے مشرکین۔

أى المشركين. (معالم، ج٤/ص:١١٣)

أى خالدين فيها بإسرافهم وهو شركهم بالله. (ابن كثير، ج٤/ص:٧٢)

وهم المشركون فى قول قتادة. (بحر، ج٧/ص:٤٦٧-٤٦٨)

لیس......الآخرۃ۔ یعنی تمہاری ان تمام مورتیوں اور دیوی دیوتاؤں میں تو سرے سے صلاحیت

مَآ اَقُوۡلُ لَكُمۡ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ۝۴۴

کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ تو اللہ کے سپرد کیے ہوئے ہوں، بے شک اللہ بندوں کا خوب نگراں ہے ۴۳

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوۡا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ ۝۴۵

پھر اللہ نے اس (مومن) کو ان لوگوں کی چالوں سے محفوظ رکھا، اور اہل فرعون کو موذی عذاب نے گھیر لیا

اَلنَّارُ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ ۛ قف

وہ لوگ صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہوگی (یہ کہا جائے گا)

اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ۝۴۶ وَاِذۡ يَتَحَآجُّوۡنَ فِى النَّارِ

اہل فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کرو ۴۴ اور جب کہ (کافر) دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے

ہی نہیں کہ اپنی معبودیت کا دعویٰ پیش کرسکیں، اور تمھاری دعوت تو حقیقت سے بالکل ہی معریٰ ہے۔

۴۳ (اس کی نظر سے کسی کے قول یا عمل کا پوشیدہ رہ جانا کیوں کر ممکن ہے!)

فستذکرون۔ س سے مراد ہے نزول عذاب کے وقت، خواہ وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔

أی عند نزول العذاب. (مدارك، ص:١٠٦١)

عند معاينة العذاب. (بيضاوى، ج٥/ص:٤٠)

فستذكرون ما أقول لكم۔ موت کے وقت یا نزولِ عذاب کے وقت منکرین کا تحسر کس قدر قدرتی ہے، اس وقت کیسی قدر سچے ناصحین حضراتِ انبیاء کی ہوگی، لیکن کس قدر بعد از وقت ہوگی!

۴۴ أشد العذاب کی تو تصریح آیت میں موجود ہے کہ قیامت میں ہوگا، لیکن اس سے قبل یہ صبح و شام آگ پر پیشی کہاں ہو رہی ہے؟ ظاہر ہے کہ عالم برزخ میں۔ اور اسی لیے ائمۂ فن نے آیت کو اثبات عذاب قبر کے باب میں نص کا درجہ دیا ہے۔

دل على أن المراد النار يعرضون عليها...... قبل القيامة. (جصاص، ج٣/ص:٤٧٣)

وذلك يدل على إثبات عذاب القبر فى حق هؤلاء، وإذا ثبت فى حقهم ثبت فى حق غيرهم لأنه لاقائل بالفرق. (كبير، ج٢٧/ص:٦٤)

وهٰذه الآية أصل كبير في استدلال أهل السنة على عذاب البرزخ في القبور.

(ابن کثیر، ج ٤/ص:٧٢)

هٰذه الآية تمسك بها أهل السنة في اثبات عذاب القبر صرح بذلك في علم الكلام و كتب التفاسير جميعاً. (احمدی، ص:٦٤٨)

لیکن مفسر ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت سے برزخ میں صرف ارواح پر عذاب ثابت ہوتا ہے، باقی ان روحوں کے سبب سے قبور میں جسموں کا بھی معذب ہونا، تو اس کا ثبوت احادیث نبوی سے ہوتا ہے، اور آگے احادیث نقل کی ہیں۔

والجواب أن الآية دلّت على عرض الأرواح على النار غدواً وعشياً في البرزخ وليس فيها دلالة على اتصال تألّمها بأجسادها في القبور إذ قد يكون ذلك مختصاً بالروح فأما حصول ذلك للجسد في البرزخ وتألّمه بسببه فلم يدل عليه إلا السنة في الأحاديث المرضية الآتي ذكرها. (ابن کثیر، ج٤/ص:٧٢)

اور احادیث اس باب میں بکثرت ہیں۔

وأحاديث عذاب القبر كثيرة جداً. (ابن کثیر، ج ٤/ص:٧٣)

غدواً وعشيًا۔ ایک معنی تو یہی صبح وشام کے ہیں یعنی ایسے اوقات میں جو ہمارے عالم ناسوت کے صبح وشام کے مقابل ہوں گے۔ دوسرا مفہوم ''ہمیشہ'' کا بھی ہوسکتا ہے۔

جوز أن يكون المراد بالتأبيد اكتفاء بالطرفين المحيطين عن الجميع. (روح، ج ٢٤/ص:٧٤)

لايمتنع أن يكون ذكر الغدوة والعشية كناية عن الدوام. (کبیر، ج ٢٧/ص:٦٤)

فوقه......سوء العذاب۔ وہ مرد مومن تو فضل خداوندی سے فرعونیوں کی ہر اذیت رسانی سے محفوظ رہا، باقی خود فرعونی البتہ عذاب در عذاب میں گھرتے گئے۔

أدخلوا......العذاب۔ اور جب فرعون والوں کے لیے عذاب اشد ہوگا تو خود فرعون کے عذاب کا کیا ٹھکانا؟

فَيَقُولُ الضُّعَفَٰٓؤُاْ لِلَّذِينَ ٱسْتَكْبَرُوٓاْ إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنتُم

تو ادنیٰ درجہ کے لوگ بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے ہی تابع تھے تو کیا تم

مُّغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِّنَ ٱلنَّارِ ﴿٤٧﴾ قَالَ ٱلَّذِينَ ٱسْتَكْبَرُوٓاْ إِنَّا كُلٌّ فِيهَآ

ہم سے آگ کا کوئی جز ہٹا سکتے ہو؟ ۴۵ بڑے لوگ کہیں گے کہ ہم سب ہی اس میں (پڑے) ہیں

إِنَّ ٱللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ ٱلْعِبَادِ ﴿٤٨﴾ وَقَالَ ٱلَّذِينَ فِى ٱلنَّارِ لِخَزَنَةِ

اللہ تو اب بندوں کے درمیان (قطعی) فیصلہ کر چکا ۴۶ اور جو لوگ آگ میں (پڑے) ہوں گے وہ دوزخ کے پہرے داروں سے

جَهَنَّمَ ٱدْعُواْ رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ ٱلْعَذَابِ ﴿٤٩﴾ قَالُوٓاْ

کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی دن تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے ۴۷ وہ کہیں گے

أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُم

اچھا تو کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلے نشانات لے کر

۴۵ یعنی دنیا میں جن کی حیثیت پس رووں اور تابعین کی تھی، وہ اپنے سرداروں، رئیسوں سے دوزخ میں کہیں گے کہ دنیا میں تو آپ ہم پر حاکم و بالا دست تھے، اب یہاں بھی اپنے اثر و اقتدار سے کام لے کر کچھ ہماری مصیبت ہلکی کرائیے۔

۴۶ وہ بڑے لوگ جواب میں کہیں گے کہ واہ، جہاں تم وہاں ہم، ہم میں اگر کچھ قدرت ہوتی تو ہم اپنے ہی کو بچانے کی فکر نہ کرتے۔ اور اب تو حق تعالیٰ کا آخری اور قطعی فیصلہ صادر ہو چکا، اب ہو ہی کیا سکتا ہے؟

۴۷ (کہ ہم کو تو ایک ہی دن کے عذاب میں تخفیف انتہائی نعمت معلوم ہوگی)

خزنة جهنم۔ جہنم کے پہرے دار ظاہر ہے کہ فرشتے ہوں گے۔

مفسرین نکتہ رس نے کہا ہے کہ اس موقع پر خزنتها بھی کافی ہو سکتا تھا کہ اسم نار تو معاً قبل موجود ہی ہے، لیکن قرآن مجید بکمال بلاغت جہنم کا نام تصریحاً لایا، تا کہ تہویل و تخویف کا مقصد زیادہ حاصل ہو۔

وإنما لم يقل لخزنتها لأن في ذكر (جهنم) تهويلاً وتفظيعاً. (مدارك، ص: ١٠٦١)

بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا

نہیں آتے رہے تھے؟ ۴۸ (دوزخی) بولیں گے، کیوں نہیں، (فرشتے) کہیں گے تو پھر تم ہی دعا کرلو، اور کافروں کی دعا تو بس

فِيْ ضَلٰلٍ ۝٥٠ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

بے اثر ہی ہے ۴۹ بے شک ہم مدد کرتے رہتے ہیں اپنے پیمبروں کی اور ایمان والوں کی، دنیوی زندگی میں بھی

وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝٥١ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ

اور اس روز بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے ۵۰ یعنی اس دن جب کہ ظالموں کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی

ع ۵ ۱۰

المقصود من ذكر جهنم التهويل والتفظيع. (كبير، ج ٢٧/ص: ٦٥)

۴۸ (اور انھوں نے تمھیں دوزخ سے بچے رہنے کے طریقے نہیں بتائے تھے؟)

بالبینات۔ بینات کے تحت میں معجزات، دلائل عقلی وغیرہ ہر وہ چیز آگئی جو ایمان ویقین پیدا کرسکتی ہے۔

۴۹ (آخرت میں)

دعا کی شرط اجابت ایمان ہے اور اس کا موقع اس دنیا کے دار العمل میں تھا، آخرت کے دار الجزا میں اس کا امکان ہی نہیں۔ فرشتے دعا سے اس لیے انکار کریں گے کہ ایمان سے محروموں کے حق میں دعا کا اذن ہی نہیں۔

لم يؤذن لنا في الدعاء لأمثالكم. (بيضاوي، ج ٥/ص: ٤٠)

وما......ضلل۔ دعا کی اس بے اثری کا تعلق کافروں کی دعاؤں سے اور وہ بھی دنیا میں نہیں، قیامت کے دن کا ہے۔

والحق أن الآية في دعاء الكفار يوم القيامة. (روح، ج ٢٤/ص: ٧٦)

اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ "دعا" اپنے اصطلاحی ہی معنی میں ہو۔ مطلق "پکار" بھی مراد ہوسکتی ہے، اور معنی یہ ہوں گے کہ "کافروں کی پکار بے اثر رہے گی"۔

۵۰ یعنی قیامت کے دن۔

الأشهاد۔ گواہوں سے یہاں مراد نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتے ہیں۔ وہی قیامت میں

وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوٓءُ الدَّارِ ﴿٥٢﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى

اوران کے لیے لعنت ہوگی اوران کے لیے اس عالم میں خرابی ہوگی ا۵ اور ہم بالیقین موسیٰ کو ہدایت نامہ دے چکے ہیں

وَاَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿٥٣﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿٥٤﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو ہدایت ونصیحت کی کتاب پہنچائی اہل عقل کے لیے ۵۲

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

سو آپ صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے ۵۳ اور معافی مانگئے اپنی کوتاہی کی اور اپنے پروردگار کی تسبیح وحمد

اس کی بھی گواہی دیں گے کہ رسولوں نے تبلیغ کی اور کافروں نے ان کی تکذیب۔ انبیاء وعامۂ مومنین بھی اس کے تحت میں آسکتے ہیں۔

قال مجاهد الأشهاد الملائكة. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٧٥)

والمراد بهم من يقوم يوم القيامة للشهادة على الناس من الملائكة والأنبياء والمؤمنين. (بيضاوى، ج ٥/ص: ٤١)

فی الحیوٰۃ الدنیا۔ مؤمنین کی منصوریت، حشر میں ہونا تو ظاہر ہی ہے، باقی دنیا میں بھی جہاں تک دلائل سے غلبہ کا تعلق ہے، بالکل ظاہر ہے۔ اب لے دے کے دنیا میں غلبۂ مادی رہ جاتا ہے سو اس حیثیت سے بھی اہل حق انجام کار میں عموماً کامیاب ہی ہوتے ہیں اور ان کی کوششیں بالآخر رائیگاں نہیں جاتیں۔

۵۱ (اور آپ اور آپ کے پیرو منصور رہیں گے سو آپ تسلی رکھئے)

الظّلمین۔ ظالمین سے مراد جیسا کہ قرآن کی عام اصطلاح ہے، یہاں بھی مشرک ہی مراد ہیں۔

وهم المشركون. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٧٥)

۵۲ یعنی نفع اس کتاب سے وہی اٹھاتے ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں، اور جو عقل سے کام نہیں لیتے وہ نفع سے محروم رہ جاتے ہیں۔

الکتٰب۔ یعنی توریت، اور اس کے بعد کے نوشتے جو بھی اسرائیلیوں کو ملے ہوں۔

۵۳ (اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سے تسلی حاصل کیجئے)

بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ

شام صبح کرتے رہیے ۵۴ جو لوگ جھگڑے نکالتے رہتے ہیں اللہ کی آیتوں میں بغیر اس کے کہ کوئی سند ان کے پاس

أَتَاهُمْ ۙ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ

موجود ہو، ان کے دلوں میں نری بڑائی ہی (بسی ہوئی) ہے کہ وہ اس تک پہنچنے والے نہیں ۵۵ سو آپ اللہ کی پناہ مانگتے رہیے

وعد اللّٰہ۔ وعدے سے مراد وعدۂ نصرت الٰہی ہے جو إنّا لننصر رسلنا میں ابھی مذکور ہو چکا ہے۔

۵۴ (کہ یہ مشغولیت ذہن کو امور ملال انگیز کی طرف التفات کا موقع ہی نہ دے گی)

لذنبک۔ عربی زبان میں ذنب اور اثم کے درمیان فرق ہے۔ اردو میں ذنب کا مفہوم کوتاہی ہی سے ادا کیا جا سکتا ہے، نبی معصوم سے گناہ کا سرزد اپنے اصلی معنی میں ہوتا ہی نہیں۔

نحمله على التوبة عن ترك الأولىٰ والأفضل. (كبير، ج۲۷/ص:۶۸)

مما يعد بالنسبة إليك ذنباً وإن لم يكنه. (روح، ج۲٤/ص:۷۷)

استغفار کا حکم جب پیمبر، اور پھر سرور انبیاء علیہم السلام کو مل رہا ہے تو اولیاء و مشائخ، اور عام مومنین صالحین کے لیے اس کی اہمیت ظاہر ہے!

بالعشی والابکار۔ محاورے میں اس سے مراد دوام یا ہمیشگی بھی ہے یعنی دوام ذکر میں لگے رہیے۔

أي ودم على عبادة ربك. (كشاف، ج٤/ص:۱۶۹)

عبر بالطرفين وأريد جميع الأوقات. (روح، ج۲٤/ص:۷۷)

وبالجملة فالمراد منه الأمر بالمواظبة على ذكر الله. (كبير، ج۲۷/ص:۶۸)

۵۵ یعنی یہی اپنے کو بڑا سمجھنا ہی تو سبب مجادلۂ باطل کا ہے۔ دوسرے کے اتباع سے عار آتا ہے۔ سیادت کے مرتبہ پر خود ہی قائم رہنا چاہتے ہیں، حالانکہ جس برائی کی ہوس میں ہیں وہ انھیں نصیب ہونا نہیں، عنقریب ذلیل و خوار ہوں گے۔

یجادلون......أتٰھم۔ یعنی بغیر اس کے کہ کوئی بھی وجہ یا بنیاد اشتباہ کی موجود ہو۔

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٥٦﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ

بے شک وہی تو سب سننے والا ہے سب دیکھنے والا ہے ۵٦ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا آدمیوں کے پیدا کرنے سے یقیناً

خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى

بڑھ کر کام ہے، لیکن اکثر آدمی (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے ۵٧ اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے اور نہ وہ

وَالْبَصِيرُ ۵ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا

(برابر ہو سکتے ہیں) جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے اور بدکار، تم لوگ بہت ہی

مَّا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ إِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

کم سمجھتے ہو ۵٨ قیامت ضرور ہی آ کر رہے گی، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن اکثر لوگ

۵٦ (اور آپ کی نصرت وحمایت پر ہر طرح قادر ہے)

فاستعذ باللّٰہ۔ یعنی اللہ سے پناہ مانگتے رہیے ان معاندین، حاسدین کے شر وفتنہ سے۔

إن فی……ببالغیہ۔ یہ دراصل کبر نفس ہی ہوتا ہے جو انسان کو اس سے روکتا ہے کہ اپنی عقل کو وحی الٰہی کے تابع بنا کر رکھے۔

إنہ ……البصیر۔ زبان سے نکلی ہوئی بات سننے والا اور دل کے بھید جاننے والا سب وہی ہے، بشر کی ذہنیت وہی نہ سمجھے گا تو اور کون سمجھے گا؟ إنہ کے اضافے نے معنی حصر کے پیدا کر دیے۔

۵٧ اشارہ منکرینِ قیامت کی طرف ہے۔ جس خالق اکبر کے لیے زمین و آسمان کا پیدا کرنا انھیں مسلم ہے، اس کی بابت اس پر استعجاب کرنا کہ وہ انسانوں کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرے گا، کیسی کم عقلی اور نافہمی کی بات ہے!

۵٨ (ورنہ ایک نابینا وفسق پیشہ نہ رہنے پاتا، سب کے سب بینا و باایمان ہو گئے ہوتے)

خطاب مخاطبینِ اول یعنی بددین اہل مکہ سے ہے۔

المسیء۔ لفظی معنی بدکار یا بدعمل کے ہیں۔ یہاں مومن صالح کے مقابل مراد کافر بدکردار سے ہے۔

المقصود بالنفی أن الکافر المسیء لایساوی المؤمن المحسن. (روح، ج۲٤/ص:۸۰)

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط اِنَّ الَّذِيْنَ

نہیں مانتے اور تمھارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمھاری درخواست قبول کروں گا ۵۹ جو لوگ

يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ

میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔ اللہ ہی ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ط اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ

تمھارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام پاؤ اور (اس نے) دن کو روشن بنایا، بے شک اللہ لوگوں پر بڑا افضل

عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ

رکھنے والا ہے، لیکن اکثر آدمی شکر نہیں ادا کرتے ۶۰ یہی تو اللہ ہے تمھارا پروردگار

ع ۲ ۱۱

۵۹ (خواہ عاجلاً، خواہ آجلاً، اپنے قانون حکمت ومشیت کے ماتحت)

خطاب یہاں عام نسل انسانی سے ہے ـــــــ بعض صوفیۂ خام نے دوسرے مذہبوں کی تقلید میں جو اللہ تک سے بے نیازی برتنے کی تلقین کی ہے اس کی تردید اس آیت سے ہو رہی ہے۔ اسلام میں تو بندوں کو دعا کر کر کے مانگنے کی اور ترغیب دی گئی ہے۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے عبدیت کی فضیلت اور اس کا منافی توکل ورضا ہونا ثابت ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۴۴۲)

۶۰ (اور شکر گزاری کی بڑی فرد منعم حقیقی کی توحید کا اقرار کرنا ہے)

عوام کا ذکر نہیں، یونان، مصر، ہندوغیرہ کے بڑے بڑے ''فلاسفہ'' و ''حکماء'' تاثیر کواکب، تصرفاتِ افلاک، تعددِ الٰہ، عقل کل، رب النوع، وغیرہ خدا معلوم کن کن خرافات کے قائل ہوئے ہیں۔

الذین......مبصراً۔ مشرک وجاہلی قوموں نے ''دن'' اور ''رات'' کو بھی بجائے مخلوق ہونے کے مستقل معبود مان کر ان کی پرستش کی ہے۔ قرآن مجید ان احمقوں کی برابر تردید کرتا جاتا ہے۔

الّیل لتسکنوا فیہ۔ رات کا عام مخلوق کے لیے وقت استراحت ہونا ظاہر ہی ہے، رہے اہل ریاضات ومجاہدات تو ان کے عین لذت وحلاوت کی چیزیں یہی ریاضتیں اور مجاہدے ہیں، اور وہ

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٦٢﴾ كَذَٰلِكَ يُؤْفَكُ

ہر شے کا پیدا کرنے والا، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، سوتم لوگ کہاں بھٹکے جارہے ہو؟ ۶۱ اسی طرح وہ لوگ بھی بھٹکتے رہے ہیں

الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٦٣﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ

جواللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے رہتے تھے ۶۲ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرارگاہ بنایا

قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ

اور آسمان کو چھت اور تمہارا نقشہ بنایا، سو تمہارا عمدہ نقشہ بنایا اور تم کو لذیذ چیزیں

مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ

کھانے کو دیں، یہی تو ہے اللہ تمہارا پروردگار

اپنی راتیں انھیں میں گزارتے ہیں۔

انّ ...... الناس۔ اس کا صاحب فضل عمیم ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ وہ مخلوق کی مصلحتوں کی کیسی کیسی رعایتیں ملحوظ رکھتا ہے۔

۶۱ (کہ اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کیے جاتے ہو)

اللہ...... ھو۔ خدائے واحد کی یہاں پہلی صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ ساری مخلوق کا پروردگار یا پالن ہار ہے۔ دوسری صفت یہ کہ موجودات میں سے بڑی چھوٹی بلا استثناء ہر چیز کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ہے۔ اور تیسری صفت یہ کہ معبودیت میں کوئی بھی کسی جہت سے اس کا شریک نہیں۔

خالق کل شیئ۔ مشرکین اور ثنویہ کا رد تو اس میں آہی گیا، باقی اسلام کے اندر بھی جو فرقے خالق کو ''خالق افعال'' نہیں سمجھتے، وہ بھی اپنا رد اسی آیت میں دیکھ لیں۔

۶۲ یعنی کچھ تم ہی پر موقوف نہیں، تم سے قبل بھی بہت سی قوموں نے تعصب وعناد سے یہی راہ تکذیب اختیار کی ہے۔

بایٰت اللہ۔ آیات سے یہاں تکوینی وتشریعی دونوں قسم کی آیات یا معجزات ودلائل اور احکام دونوں مراد ہیں۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ

سو اللہ سارے عالم کا پروردگار بڑا عالی شان ہے ۶۳؎ وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں سو تم اسی کو پکارا کرو

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

خالص اعتقاد کرکے، ساری خوبیاں اللہ

یجحدون۔ جحد پر اوپر حاشیہ گزر چکا ہے کہ اس سے مراد اس انکار سے ہوتی ہے جو محض غلط فہمی سے نہیں بلکہ ہٹ دھرمی سے ہوتا ہے۔

۶۳؎ (جس کی ربوبیت اتنی واضح وعظیم ہے)

یہاں یہ بتایا ہے کہ اللہ کائنات کا صرف خالق ہی نہیں (جیسا کہ بعض جاہلی قوموں کا خیال ہے) بلکہ منتظم، مدبر، رازق، مربی بھی ہے۔

جعل...... بناء۔ یہ زمین وآسمان سب اسی کے قانونِ تکوینی کے ماتحت ومسخر ہیں، نہ خود آفریدہ ہیں، نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں۔

وصوّرکم۔ مادے کی طرح صورت کا خالق بھی وہی ہے ـــــــ جوہر وعرض سب اسی کے پیدا کردہ ہیں۔

فاحسن صورکم۔ ترکیب انسانی کے بہترین ہونے اور اس کے قویٰ واعضاء کے تناسب کی طرف اشارہ ہے۔ صوفیہ نے یہیں سے یہ رمز سمجھا ہے کہ انسان جمال وکمال خداوندی کا آئینہ ہے۔

الأرض قراراً والسمآء بناءً۔ زمین وآسمان کے متعلق قرآن کا صحیح نقطۂ نظر بس یہی ہے جس کا ذکر اس تصریح کے ساتھ یہاں درج ہوا، یعنی زمین انسان کے لیے بس فرش یا قرارگاہ بنائی گئی ہے، جس پر پیر ٹیک سکیں، اور آسمان انسان کے لیے سب سے اونچی چھت جس کے نیچے بلند سے بلند چیزیں سما جائیں ـــــــ بس اس کے سوا زمین کی گولائی، حرکت اور پیمائش، اور آسمان کی گردش اور سکون، مادیت وعدم مادیت وغیرہ کسی بھی ''علمی''، ''فنی'' مسئلہ سے اسے نفیاً واثباتاً کوئی تعلق نہیں۔

من الطیبٰت۔ طیبات پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے کہ اس کے معنی علاوہ پاکیزہ اور ستھری چیزوں کے لذیذ ومزیدار غذاؤں کے بھی ہیں۔

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾ قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ

پروردگار عالم ہی کے لیے ہیں ۶۴؎ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اس سے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان (شریکوں) کی عبادت کروں جنھیں تم اللہ کے

دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِىَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّىْ ز وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ

سوا پکارتے ہو، جب کہ میرے پاس میرے پرودگار کی نشانیاں آچکیں اور مجھے یہ حکم ملا کہ میں (صرف) پروردگار عالم کے آگے

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

گردن جھکاؤں ۶۵؎ وہ وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے

ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ

پھر خون کے لوتھڑے سے پھر تم کو بچہ کر کے نکالتا ہے، پھر (مہلت دیتا ہے) جب تک کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو

ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ج وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا

پھر (مہلت دیتا ہے) جب تک کہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے کوئی کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے ورنہ (مہلت دیتا ہے جب تک کہ) تم سب

۶۴؎ (اور مخلوق کا ہر ظاہری کمال حقیقۃً اسی کمالِ خداوندی کا پرتو ہے)

ھو الحی ...... ھو۔ یعنی صفت حیات صرف اسی مالک و مولیٰ کا خاصہ ہے۔ حیاتِ ازلی وابدی میں کوئی اس کا شریک نہیں، نہ مسیح نہ کوئی اور۔

دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اس حی و قیوم کو کبھی فنا نہیں، اسے کہیں مشرک جاہلی قوموں کی دیویوں، دیوتاؤں پر نہ قیاس کر بیٹھنا، جن کا حادث و فانی ہونا خود انھیں مسلم ہے۔

رب العالمین۔ اور یہاں بھی اس کی صفت ربوبیت مطلقہ پر ہے، وہ تو ساری کائنات میں سے ہر ایک کو تربیت دینے والا، ہر ایک کی ربوبیت کرنے والا ہے۔

۶۵؎ (تو میں اس مسلک توحید سے کہیں بال بھر بھی اِدھر اُدھر کیسے ہو سکتا ہوں!)

البینات۔ بینات کا عموم ہر قسم کے دلائل و شواہد پر شامل ہے۔

لرب العالمین۔ صفت ربوبیت مطلقہ پر زور تین آیتوں سے برابر چلا آرہا ہے۔

اَجَلاً مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى

اپنے وقت مقرر تک پہنچ جاؤ اور تا کہ تم لوگ سمجھ لو ٦٦ وہ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے، پھر جب وہ کسی کام کو پورا کرنا

اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٦٨﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ ٦ ع ٨ ١٢

چاہتا ہے تو بس وہ اس کی نسبت کہتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے ٦٧ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں

٦٦ یعنی اپنے وجود کے اِن پُر حکمت اور تدریجی انقلابات و ادوار پر غور کر کے حق تعالیٰ کی حکمت، عظمت، توحید پر ایمان لے آؤ، اور بعث و حشر کی حکمتوں اور مصلحتوں کے قائل ہو جاؤ۔

لتبلغوا۔ لتکونوا ۔لتبلغوا۔ ل ان سب مقامات پر عاقبت کا ہے۔

من قبل۔ یعنی جوانی اور بڑھاپے کی منزلوں پر پہنچنے سے قبل ہی۔

ولتبلغوا أجلاً مسمىً۔ یعنی کسی کی موت خواہ بڑھاپے میں آئے یا جوانی میں یا اس سے بھی قبل، بہر حال سب کی اسی وقتِ مقرر پر آتی ہے جو حکیم مطلق کی مشیت اس کے لیے طے کیے ہوتی ہے، اور وہ وقت مقرر بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کا مجموعہ ہوتا ہے ـــــــ کائنات کی رفتار ارتقائی جو کچھ بھی ہے سب انتہائی حکیمانہ پروگرام کے مطابق و ماتحت ہی ہے، یہ نہیں کہ اس کا کوئی ادنیٰ سا جز بھی انکل پچو محض بخت و اتفاق سے واقع ہو جائے۔

من تراب۔ نسل انسانی کی اولین خلقت یعنی خلقت ابوالبشر کی طرف اشارہ ہے۔

ثم من نطفة۔ یہ بیان افرادِ انسانی کی پیدائش کا ہے۔

٦٧ اس بنیادی حقیقت تکوینی کو عمل تخلیق کی تدریج کے مسئلے سے نفیاً، اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ آیت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ارادۂ الٰہی اور عمل تخلیق کے درمیان چھوٹی بڑی کوئی دوسری شے حائل نہیں ہو سکتی، نہ ارادۂ الٰہی پر کوئی دوسری شے ذرا سی بھی قید لگا سکتی ہے۔

يقول له كن فيكون۔ یہ مضمون کئی بار قبل آ چکا ہے، حاشیے بھی گزر چکے ـــــــ مراد دو حرفی و حادث لفظ ''کن'' کا زبان سے تلفظ نہیں، بلکہ امر الٰہی یا ارادۂ الٰہی کے معاً بعد اور بلا توقف اس چیز کا واقع ہو جانا ہے۔

هو الذی يحي ويميت۔ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ زندگی و موت دونوں تمام تر اسی کے ہاتھ میں ہیں ـــــــ یہ نہیں کہ زندگی بخشنے والے دیوتا فلاں ہیں اور موت لانے والے دیوتا فلاں۔

فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ ؕ اَنّٰی یُصۡرَفُوۡنَ ﴿۶۹﴾ اَلَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِالۡکِتٰبِ وَ بِمَاۤ اَرۡسَلۡنَا بِہٖ

جھگڑے نکالتے رہتے ہیں، یہ کہاں پھرے چلے جارہے ہیں؟ ۶۸ جن لوگوں نے اس کتاب کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی جسے دے کر ہم نے اپنے

رُسُلَنَا ۚ۟ۛ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِیۡۤ اَعۡنَاقِہِمۡ وَ السَّلٰسِلُ ؕ

پیمبروں کو بھیجا تھا، سو ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے، جب کہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی ان کو

یُسۡحَبُوۡنَ ﴿۷۱﴾ فِی الۡحَمِیۡمِ ۬ۙ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسۡجَرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِیۡلَ لَہُمۡ

گھسیٹتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں لے جایا جائے گا، پھر یہ آگ میں جھونک دیے جائیں گے ۶۹ پھر ان سے پوچھا جائے گا

اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تُشۡرِکُوۡنَ ﴿۷۳﴾ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا بَلۡ لَّمۡ نَکُنۡ

کہ وہ غیر اللہ کہاں گئے جن کو تم شریک (خدائی) ٹھہراتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ وہ تو سب ہم سے غائب ہو گئے بلکہ ہم تو

نَّدۡعُوۡا مِنۡ قَبۡلُ شَیۡئًا ؕ کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰہُ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ

کسی کو بھی اس کے قبل نہیں پکارتے تھے، اللہ اسی طرح کافروں کو گمراہی میں رکھتا ہے ۷۰ یہ (سزا) اس کے بدلہ میں ہے کہ تم

۶۸ (حق کو چھوڑے ہوئے)

یجادلون فی ایت اللہ۔ پیمبر کی مخالفت کرنا، قرآن کے کسی جز کو جھٹلانا، صفاتِ الٰہی کے باب میں کٹ حجتی سے کام لینا، وحی کے بارے میں جھگڑنا، یہ سب اس کے تحت میں آ گیا۔

۶۹ یہ نقشہ ہے اس برتاوے کا جو حشر میں قابل صد تحقیر و موجب صد ہزار تعزیر مجرموں کے ساتھ ہو کر رہے گا۔

بما ارسلنا بہ رسلنا ۔اس عموم کے اندر معجزات، احکام، دلائل سب آ گئے، اور اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ پیمبر کو الکتب کے علاوہ کچھ اور بھی ملتا ہے ـــــ اسی کو علماء اپنی اصطلاح میں وحی خفی کہتے ہیں۔

سوف۔ یعنی قیامت میں۔ اس کے وقوع و تحقق کے انتہائی یقین کی بنا پر اسے سوف (عنقریب) سے تعبیر فرمایا گیا۔

۷۰ (ان کی زندگی بھر ان کے کفر اختیاری کے پاداش میں)

تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿٧٥﴾ اُدْخُلُوْٓا

دنیا میں ناحق خوشی مناتے تھے، اور اس کے بدلہ میں ہے کہ تم اتراتے تھے اے (اب) گھسو

اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَاصْبِرْ

دوزخ کے دروازوں میں اس میں ہمیشہ پڑے رہنے کو، سو وہ برا ٹھکانہ ہے متکبرین کا ۲ے سو آپ صبر کیجئے

بل......شیئاً۔ یعنی یہ حقیقت تو ہم پر اب منکشف ہوئی کہ ہم دنیا میں جن چیزوں کی عبادت کرتے تھے وہ تو نفی محض تھیں، ہم نے درحقیقت نفی محض کی عبادت میں اپنی عمریں گنوا دیں۔

اے (اپنی حقیقت اور حقوق الٰہی کو بھول کر)

مطلب یہ ہوا کہ متاع دنیا کو اصل مقصود سمجھ کر اس کے حصول پر دل میں بھی خوب خوش ہوتے تھے، اور ظاہر میں بھی اس کے آثار خوب نمودار ہوتے تھے۔

تفرحون۔ تمرحون۔ فرح کا تعلق قلب سے ہے اور مرح کا جسم سے۔

آیت کا یہ مطلب نہیں کہ فرح یا خوشی اپنی مطلق صورت میں ممنوع ہے، مذمت صرف اس فرح کی وارد ہوئی ہے جو آخرت فراموشی اور خدا فراموشی کا نتیجہ ہو، یا اہل ایمان کے مصائب پر بطور طنز و تمسخر کے ہو، طبعی مسرتیں تو سب کی سب بالکل جائز ہیں، اور جو خوشی اللہ کی نعمتوں پر یا اللہ کی رحمت کو یاد کر کے ہو، وہ تو بجائے خود ایک عبادت ہے اور ہر طرح سے محمود و مستحسن۔

فرح بغیر الحق سے مراد شرک و کفر پر خوش ہونا ہے۔

وهو الشرك وعبادة الأوثان. (بحر، ج۷/ص:۴۷۵)

مماكنتم تفرحون فى الدنيا بالمعاصى والكفر. (بحر، عن ابن عطية، ج۷/ص:۴۷۵)

تمرحون کے معنی ہیں فخر و ناز کرنا، غرور سے اکڑنا۔

قال ابن عباس الفخر والخيلاء. (بحر)، قال مجاهد الأثر والبطر. (بحر، ج۷/ص:۴۷۵)

آیت سے ضمناً یہ بھی نکل آیا کہ منکروں اور کافروں کو اس دنیا میں اکڑنے، پھولنے، اِترانے کے مواقع برابر ملتے رہیں گے۔

۲ے (جن کے قبول حق کی راہ میں ان کا کبر نفس ہی مانع رہتا ہے)

اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ

بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، پھر جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اگر اس میں سے کچھ تھوڑا ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دے دیں

فَاِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ ۝ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَصَصۡنَا

سو (بہر حال) ہمارے ہی پاس انھیں آنا ہوگا ۳ے اور ہم نے آپ سے پیشتر بہت سے پیمبر بھیجے جن میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے

عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ

بیان کیا ہے اور ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے نہیں بیان کیا ہے، اور کسی رسول کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی معجزہ

اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ قُضِىَ بِالۡحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ

بدون اذن الٰہی کے ظاہر کر سکے ۴ے پھر جس وقت اللہ کا حکم آ پہنچے گا، ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو جائے گا، اور اس وقت اہل باطل

أبواب جهنم۔ جہنم کے دروازے متعدد ہوں گے، اور ہو سکتا ہے کہ ہر ہر طبقے کے منکرین کے لیے الگ الگ دروازے ہوں۔

ادخلوا......فیها۔ کتنی حسرت و یاس کا وقت وہ ہوگا، جب دوزخیوں کو دوزخ میں جھونک کر اور ڈھکیل کر کہہ بھی دیا جائے گا کہ بس اب یہیں ہمیشہ رہنا ہے، نکلنے کی کوئی صورت نہیں!

۳ے مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کا وعدہ تو ان کافروں سے مطلق صورت میں ہے کہ کفر فی نفسہٖ موجب تعذیب ہے، باقی اگر اس میں سے کچھ عذاب کا نزول آپ کی حیات ہی میں دنیا میں ان پر ہو جائے، یا اس نزول کے قبل ہی آپ کی وفات ہو جائے، اور وہ عذاب بعد میں نازل ہو یا نہ ہو، ہر حال میں اور ہر احتمال پر انھیں لوٹنا تو اللہ ہی کے پاس ہے، اور اس وقت یقیناً عذاب واقع ہوگا۔

إن وعد الله حق۔ وعدہ سے مراد وعید عذاب ہے۔

فإما ۔ ما زائد شرط کے موقع پر، تاکید کلام کے لیے ہے۔

وما مزيدة لتوكيد معنى الشرط. (مدارك، ص: ١٠٦٦)

۴ے (سو آپ سے یہ توقع رکھنا ہی عبث ہے کہ آپ ان کے فرمائشی معجزات کو اپنے آپ سے پورا کر سکیں گے)

ع ۱۴

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا

بڑے گھاٹے میں رہیں گے، اللہ ہی وہ ہے جس نے تمھارے لیے مویشی بنائے تا کہ ان میں سے بعض پر سوار ہو اور تم ان میں سے

تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ

بعض کو کھاتے بھی ہو ۵ ے اور تمھارے لیے ان میں (اور بھی) فائدے ہیں، اور تا کہ تم ان پر (سوار ہو کر) اپنے دلوں کے مقصد تک پہنچو

منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك۔ رسول جتنے دنیا میں آ چکے، ان کی صحیح تعداد بس اللہ ہی کے علم میں ہے، یہاں یہ اصولی حقیقت بیان کر دی ہے کہ جتنے پیمبروں کا ذکر قرآن مجید میں لانا قرین مصلحت تھا، ان کے علاوہ بھی ایک تعداد پیمبروں کی ہوئی ہے۔

وما کان...... اللہ۔ یہ ایک بار پھر اس حقیقت کا اعادہ ہے کہ ظہور معجزات وخوارق پیمبر کے اختیار کی چیز نہیں ہوتی، یہ تمام تر تصرف خداوندی ہی ہے کہ جب کسی خارق یا معجزے کا ظہور قرین حکمت ہوتا ہے، کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر کر دیا جاتا ہے۔

اس سے وہ گروہ سبق لے، جو ''کرامات'' و ''خوارق'' کو اولیاء اللہ و مقبولین حق کے لیے لازمی سمجھتا اور ان کے اختیار کی چیز مانتا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ تصرفاتِ مستقل پر اولیاء کے قادر ہونے کا رد آیت سے بدرجۂ اولیٰ نکل آیا۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۴۴۵)

۵ ے غرض یہ کہ حیوانات کو تمھارے خادم ہی کی حیثیت سے پیدا کیا کہ کہیں تو ان سے سواری کا کام لو، اور کبھی انھیں اپنی غذا کے کام میں لاؤ، تو یہ کس درجہ شدید حماقت و جہالت ہے کہ تم الٹا انھیں کو اپنا مخدوم بلکہ معبود ماننے لگتے ہو، اور خلیفۃ اللہ و اشرف الخلائق ہو کر حیوان پرستی میں مبتلا ہو جاتے ہو!

حیوان پرستی، شرک کا ایک بہت بڑا مظہر دنیا میں ہمیشہ سے رہا ہے۔ گاؤ پرستی کے منظر سے ہندوستان میں کون ناواقف ہے؟ (ناگ پنچمی، ہنومان مندر وغیرہ کے قسم کی چیزیں اس کے علاوہ) جنوبی ہند کے بعض علاقوں میں بھینس، ایک ''مقدس'' جانور ہے، اور ہندوستان کے علاوہ بابل، مصر وغیرہ میں بھی حیوان پرستی کی بلا عام رہی ہے۔ ملاحظہ ہو، حاشیہ تفسیر القرآن انگریزی۔

لکم۔ ل تعلیل کا ہے، یعنی تمھاری مصلحت ونفع کی غرض سے۔

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ

اور تم ان پر اور کشتی پر لدے لدے پھرتے ہو ۷۶ے اور وہ تم کو اپنی (اور بھی) نشانیاں دکھاتا ہے سو تم اللہ کی کن کن نشانیوں سے

تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

انکار کرو گے؟ ۷۷ے کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں جو دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پیشتر ہوئے ہیں ان کا کیا انجام

واللام للتعليل أى خلقها لأجلكم ولمصلحتكم. (روح، ج ۲۴/ص: ۸۹)

ھنالك۔ اشارۂ مکانی اور زمانی دونوں کے لیے آتا ہے۔

يقع إشارة إلى الزمان والمكان القريب. (راغب، ص: ۵۷۸)

یہاں بجائے ظرف مکان کے کام ظرف زمان کا دے رہا ہے، یعنی اسی وقت۔

اسم مكان استعير للزمان. (روح، ج ۲۴/ص: ۸۹)

۷۶ے (اپنے مقاصد دنیوی کے لیے)

منافع۔ اس کے تحت میں اگر ایک تجارت ہی کی مد کو لیجیے، تو خدا معلوم اس کی کتنی شاخیں نکلتی چلی آئیں۔ گوشت کی تجارت، اُون کی تجارت، کھالوں کی تجارت، ہڈی کی تجارت، دانت کی تجارت، دودھ، دہی، گھی، مکھن، بالائی کی تجارت، وقس علیٰ ہٰذا ——— یہ صرف تجارت کی مد ہوئی، زراعت، باغبانی، اور خدا معلوم کتنی اور مدیں ایسی باقی ہیں۔ پھر طبی ضروریات میں وہ جتنے کام آتے ہیں وہ ان سب کے علاوہ!

مرشد تھانویؒ نے فرمایا آیت سے ان جاہل صوفیہ کا بھی رد نکل آیا، جو اسباب معیشت سے نفع اٹھانے کو طریق وسلوک کے منافی سمجھتے ہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۴۴۷)

حاجة فى صدوركم۔ اس کے تحت میں تفریحی سفر، تجارتی سفر، جنگی سفر وغیرہ ہر قسم کے سفر آجاتے ہیں۔

وعليها وعلى الفلك تحملون۔ قرآن کو ذرا بھی غور سے پڑھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بری سفر اور بحری سفر سے وہ روکنے کے بجائے اور ان کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔

۷۷ے (اور کب تک مسلک شرک پر جمے رہو گے؟)

مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ

ہوا ہے، وہ لوگ ان سے زیادہ تھے تعداد میں اور (ان سے) بڑھ کر تھے قوت میں، اور زمین پر جو اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں ان کے لحاظ سے بھی

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

لیکن ان کی یہ کمائی ان کے کچھ بھی کام نہ آئی ۸ے غرض جب ان کے پیمبر ان کے پاس

بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے تو وہ لوگ اس علم پر (بڑے) نازاں ہوئے جو انھیں حاصل تھا اور ان پر وہ (عذاب) آپڑا جس کے ساتھ وہ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا

تمسخر کرتے تھے ۹ے پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور ان سب چیزوں کے منکر ہوگئے

ایتہ۔ ایت اللہ۔ مراد وہ سارے واقعات کائنات ہیں جن سے صانع عالم کی توحید پر، قدرت وعظمت پر، اور صفت علم وحکمت پر روشنی پڑتی ہے۔

۸ے تاریخ سے استشہاد ہے کہ بڑی بڑی متمدن وپُر شوکت قدیم قوموں کے انجام کو دیکھو، جب وہ خدائی قانونوں اور ضابطوں کو توڑنے پر تل گئیں تو ان کی مادی ترقیاں اور طاقتیں ان کے کچھ بھی آڑے نہ آسکیں اور بالآخر وہ تباہی کے گھاٹ اتر کر رہیں۔

ماکانوا یکسبون۔ یعنی تحصیل دنیا میں ان کی سرگرمیاں اور ہنرمندیاں۔

۹ے یہ ایک واقعۂ تاریخی ہے کہ انبیائے کرام نے جب جب اپنی دعوتیں دلائل وبراہین کے ساتھ پیش کی ہیں تو ان کی مخاطب "مہذب" قوموں اور "متمدن" امتوں نے اپنے علوم، فنون کے زعم میں، اپنے علوم معاشی وسیاسی کے مقابلے میں ہمیشہ ان دعوتوں کو ٹھکرا ٹھکرا دیا ہے، لیکن انجام میں یہ قومیں قانونِ الٰہی کی مخالفت کے پاداش میں تباہ ہی ہو کر رہی تھیں۔ یہاں ذکر اسی حقیقتِ تاریخی کا ہے۔

ماعندھم من العلم۔ یعنی ان کے مایۂ ناز علوم وفنون وصنائع۔

يريد علمهم بأمور الدنيا و معرفتهم بتدبيرها. (مدارك، ص: ۱۰۶۷)

يجوز أن يكون المراد علوم الفلاسفة، فإنهم كانوا إذا سمعوا بوحي الله دفعوه

بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ط

جنھیں ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے، سو انھیں ان کا (یہ) ایمان کچھ نفع نہ پہنچا سکا جب کہ انھوں نے عذاب کو دیکھ لیا،

سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ج وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ ع ۹/۱۴

اللہ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت کافر خسارے میں رہ گئے۔ ۸۰

وصغروا علم الانبياء إلىٰ علومهم. (كبير، ج۲۷/ص:۷۹)

صاحب روح المعانی نے کئی معنی گنائے ہیں، جن میں سے اول و دوم حسب ذیل ہیں:

الأول أن المراد بالعلم عقائدهم الزائغة......والثانی أن المراد به علم الفلاسفة والدهريين من بني يونان على اختلاف أنواعه. (روح، ج۲٤/ص:۹۱)

اپنے علم پر غرور و ناز، یہ جاہلی قوموں کا شعار ہمیشہ سے رہا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں ایسے علم پر فخر کرنے کی ممانعت ہے جو شریعت کے مخالف ہو، اور اس میں تصوف باطل بھی شامل ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۴۴۷)

۸۰ مشاہدہ و معاینۂ عذاب کے بعد جو ایمان حاصل ہوتا ہے، وہ تو ایمانِ اضطراری ہے جو مقصود و مطلوب نہیں، اور اس لیے اس موقع پر لا حاصل رہتا ہے۔ مقصود و مطلوب تو ایمانِ اختیاری ہے جس کا دوسرا نام ایمان بالغیب ہے۔

اصطلاح میں ایمان اضطراری و غیر مقصود کا نام ایمان باس ہے۔

فلم يك ينفعهم إيمانهم۔ ایمان کا لفظ ملحوظ رہے۔ جو شے اس حالت میں غیر مقبول رہتی ہے وہ کفر سے رجعت ہے نہ کہ معصیت سے۔ کافر کا ایمان ایسے وقت میں غیر مقبول و نا مستند رہے گا، لیکن مومن عاصی کی توبہ اس وقت بھی ان شاء اللہ ضرور قبول ہو جائے گی۔

وهذا الحكم خاص بإيمان البأس وأما توبة البأس فهي مقبولة نافعة بفضل الله تعالىٰ وكرمه، والفرق ظاهر. (روح، ج٢٤/ص:٩٣)

اور یہیں سے ان اہل قلم کی نافہمی ظاہر ہو جاتی ہے جو عذاب الٰہی کا مورد، مومن خاطی

وعاصی اور کافر باغی وطاغی کو یکساں سمجھتے ہیں۔

هنالك۔ ہے تو ظرف مکان کے لیے، لیکن یہاں وقت کے لیے آیا ہے بطور ظرف زمان۔

مكان مستعار للزمان. (مدارك، ص:١٠٦٧)

اسم مكان قد استعير للزمان. (بيضاوى، ج٥/ص:٤٤، روح، ج٢٤/ص:٩٣)

مستعار للزمان. (كبير، ج٢٧/ص:٨٠)

(۴۱)

سُوۡرَۃُ حٰمٓ السَّجۡدَۃِ مَکِّیَّۃٌ

اٰیَاتُہَا ۵۴ — ۵۴ آیتیں

رُکُوۡعَاتُہَا ۶ — ۶ رکوع

سورۃ حم السجدۃ مکّی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ۚ ① تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۚ ② کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا

حا۔میم۔(یہ کلام) رحمٰن ورحیم کی طرف سے نازل ہوا ہے ۱ یہ ایک کتاب ہے، جس کی آیتیں کھول کر بیان کردی گئی ہیں یعنی فصیح قرآن

لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ۙ ③ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ

(جو نافع ہے) دانشمند لوگوں کے لیے (انھیں) بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ۲ لیکن ان میں سے اکثر نے روگردانی کی

۱ (اور ان پیمبر کا اختراع کیا ہوا نہیں ہے)

حٰمٓ پر ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱ سورۃ المؤمن۔

من الرحمن الرحیم۔ اس میں اشارہ آ گیا کہ یہ کلام ان تمام ہدایتوں اور احکام پر شامل ہے، جن کی مصدر صفات رحمانیت ورحیمیت ہو سکتی ہیں۔

۲ لقوم یعلمون۔ یعنی گو مخاطب تو سارا عالم انسانی ہے، لیکن نفع اس سے وہی اٹھاتے ہیں جو علم وفہم سے کام لیتے رہتے ہیں۔

بشیراً۔ بشارت دینے والا، ان کے حق میں جو اس کے پیام کو سن لیں، مان لیں۔

نذیراً۔ ڈرانے والا، ان کے حق میں جو اس کے پیام کو نہ سنیں، اس سے انکار کردیں۔

عربیاً۔ عربی کے معنی تو کلام فصیح یا بیان واضح کے ہیں، لیکن اگر زبان عربی ہی کا قرآن اس سے مراد لیا جائے تو یہ اس کی یہ خصوصیت اس کے مخاطبین اول کی رعایت سے ہوگی۔

کتٰب ایک منضبط نوشتہ۔ محض متفرق یادداشتیں نہیں۔

فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ④ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ

سو وہ سنتے ہی نہیں ۳ اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردوں کے اندر ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں

وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ ⑤

اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب ہے، سو آپ اپنا کام کیے جایئے ہم اپنا کام کر رہے ہیں ۴

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ

آپ کہہ دیجیے میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں (البتہ) مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ تمھارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے

فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ⑥ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ

سو اسی کی طرف سیدھ باندھے رہو اور اسی سے معافی چاہتے رہو ۵ اور بڑی کمبختی ہے مشرکین کے لیے جو زکوٰۃ

۳ قرآنا۔ یعنی وہ کتاب جو پڑھی جائے، جو پڑھی جانے ہی کے لیے ہو ـــــ اور آج اس بیسوی صدی عیسوی میں منکروں ہی کا بیان ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن ہی ہے۔

یعنی قرآن کی ان خصوصیات کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب ایمان لے آتے، لیکن اکثر مخاطبین نے اپنے قصد و اختیار سے اس کی طرف سے روگردانی کی، نتیجہ یہ ہوا کہ پھر ان میں سننے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔

۴ یعنی ہم اپنے طریقے کو نہ چھوڑیں گے، ہم سے کوئی امید قبول کی نہ رکھیے، پھر بھی کہنے کو جی چاہے تو کہے جایئے۔ آپ جانیں اور آپ کا کام ـــــ مشرکوں کا یہ قول از راہِ فخر و عزم اصرار علی الکفر تھا، اسی لیے محل ذم میں نقل ہوا۔

آج بھی کتنے ”روشن خیال“ اور ”ترقی پسندوں“ کی زبانوں پر ایسے ہی دعوے فخر و زعم اور پندار تفوق کے ساتھ رہا کرتے ہیں!

۵ یعنی اسی کی طرف کی سیدھی راہ، راہِ توحید اختیار کرو۔ اور اب تک جو شرک میں مبتلا رہے ہو، اس سے تائب ہو جاؤ۔

الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

نہیں دیتے اور آخرت کے تو وہ منکر ہی ہیں ۶ البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک

إنما أنا بشر مثلكم ۔یعنی بے شک مجھ میں کوئی قدرت تم کو ایمان پر مجبور کردینے کی نہیں، بلحاظ بشریت جیسے تم ویسا ہی میں۔

رسول اور عظیم ترین رسولؐ کے لیے بشریت کا اثبات، وہ بھی إنما کلمۂ حصر اور مثلکم کی تاکید کے ساتھ، قرآن مجید اور شریعت اسلامی کی خصوصیاتِ امتیازی میں سے ہے۔

یوحیٰ......واحد ۔یعنی امتیازی حیثیت مجھ میں صرف اتنی ہے کہ میں بشر ہو۔ نے کے ساتھ صاحب وحی بھی ہوں ـــــــ اور وحی بھی ایسے مضمون کی جو عقلاً بھی واجب القبول ہے، یعنی توحید۔

۶ (اور مشاہدۂ دلائل کے بعد بھی اپنے طریقے کو نہیں چھوڑتے)

الزکوٰۃ ۔زکوٰۃ یہاں بطور اصطلاح فقہی کے نہیں، لفظی معنی میں ہے یعنی تطہیر نفس، خواہ بواسطۂ مال ہو یا کسی اور طرح۔

قيل الزكوٰة بالمعنى اللغوى أى لايفعلون مايزكى أنفسهم وهو الإيمان والطاعة. (روح، ج۲٤/ص:۹۸)

والمراد بالزكوٰة ههنا طهارة النفس من الأخلاق الرذيلة. (ابن كثير، ج٤/ص:۸۲)

اور یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ اپنے آپ کو نجاست شرک سے پاک نہیں کرتے ہیں۔

أى لايزكون أنفسهم من لوث الشرك. (كبير، ج۲۷/ص:۸٦)

ومن أهم ذلك طهارة النفس من الشرك. (ابن كثير، ج٤/ص:۸۲)

اور اس لیے یہ سوال بھی غیر ضروری ہوگیا کہ زکوٰۃ (اصطلاحی) تو مدینہ میں فرض ہوئی ہے اور یہ سورہ مکی ہے۔

وهم بالآخرة هم كفرون۔ ھم کی تکرار اور کافرون پر بالآخرۃ کی تقدیم تاکید کلام کے لیے ہے۔

والتقديم للاهتمام. (روح، ج۲٤/ص:۹۸)

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِىْ

عمل کیے، ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے ٦(الف) آپ کہیے ارے تم تو اس (خدا کی توحید) کے منکر ہو، جس نے

خَلَقَ الْاَرْضَ فِىْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹﴾

زمین کو دو وقتوں میں پیدا کر دیا، اور تم شریک ایسے کو ٹھہرا رہے ہو! وہی تو سارے جہانوں کا پروردگار ہے ۷

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا

اور اسی نے زمین اس کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس (زمین) میں برکت رکھ دی اور اس میں اس (پر رہنے والوں) کی غذائیں رکھ دیں

٦ (الف) قرآن مجید نے زور اس پر بھی بار بار دیا ہے کہ اہلِ ایمان کو اجر جو ملتا ہے وہ دوامی و غیر منقطع ہوتا ہے ـــــــ یہ نہیں کہ وہ ایک محدود مدت تک کے لیے ہو۔

۷ وہ کوئی چھوٹا موٹا دیوتا نہیں، وہ تو سارے عالم ومافی العالم کا واحد خالق و پروردگار ہے، تم ایسے عظیم الشان و جلیل القدر آفریدگار کے باب میں اُس کے تفرد کے قائل نہیں! اب اس سے بڑھ کر کھلی ہوئی حماقت و سفاہت اور کیا ہوگی؟ کائنات کی تخلیق، ربوبیت، تدبیر و حکمرانی سب اسی کے لیے مخصوص ہیں، قانون بنانے والا، قانون چلانے والا، بس وہی اکیلا ہے۔

فی یومین۔ ۔۔م پر حاشیہ فی ستة أیام کے تحت میں گزر چکا ہے کہ اس سے مراد یہ ہمارا متعارف ۲۴ گھنٹے کا دن نہیں، جس کا وجود آفرینش کائنات کے بعد ہی ہو سکا ہے، بلکہ مطلق دو مختلف وقت یا دور مراد ہیں۔

وقد یعبّر به عن مدة من الزمان أی مدة كانت. (راغب، ص:٦١٤)

وأرید منه ههنا الوقت مطلقاً. (روح، ج٢٤/ص:٩٩)

أئنكم لتكفرون۔ أئنّ اور لـ معنی کفر و انکار کی تاکید کے لیے ہیں۔

سائنس کی زبان سے سنئے تو ایک وقت وہ تھا، جب کرۂ ارض کا کوئی الگ و مستقل وجود نہ تھا، بلکہ ایک واحد مادہ سورج کا دخانی غلاف بنا ہوا تھا، پھر دوسرا وقت وہ آیا، جب اس کرۂ ارض نے سورج سے کٹ کر اپنی الگ و مستقل حیثیت حاصل کر لی ـــــــ مذہب اس کو یومین (دو زمانے، دو وقت یا دو مرحلے) سے تعبیر کرتا ہے۔

فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝١٠ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ

(یہ سب) چار وقتوں میں، پورے ہیں پوچھنے والوں کے لیے ۸ پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ کی اس حال میں کہ وہ

دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝١١

دھواں سا تھا، پھر اس سے اور زمین سے کہا تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی، دونوں بولے ہم خوشی سے حاضر ہیں ۹

۸ روایاتِ نزول میں آتا ہے کہ خلقت زمین و آسمان کی بابت سوال، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا، یہ جواب قرآن کے ذریعہ سے مل رہا ہے۔

وجعل فيها رواسي۔ رواسی پر حاشیہ پہلے گزر چکا۔ اہل طبعیات وفلکیات کا بیان ہے کہ زمین پہلے ایک کرۂ ناری تھا، رفتہ رفتہ ٹھنڈا ہوا، پھر اس پر پہاڑ قائم ہوئے۔

وبرك فيها۔ یہ ممکن ہے کہ بارش ہونے، زمین کے قابل کاشت ہونے وغیرہ کی طرف اشارہ ہو۔

بما خلق فيها: مع البحار والأنهار والأشجار والثمار. (معالم، ج ٤/ص: ١٢٦)

وقدر فيها أقواتها۔ یہ ممکن ہے کہ سلسلۂ حیات نباتی وحیوانی قائم ہونے اور انسان کے لیے ذخیرۂ غذائی فراہم ہونے کی طرف اشارہ ہو۔

قال الحسن ومقاتل: قسم في الأرض أرزاق العباد والبهائم. (معالم، ج ٤/ص: ١٢٦)

بہرحال لفظ جامع ہے، ہر قسم کا ممکن سامانِ رزق اس کے اندر آجاتا ہے۔

في أربعة أيام۔ یہاں بھی وہ ۲۴ گھنٹے والے دنوں کے بجائے چار مختلف وقت یا دور مراد ہیں، جن کی یہ چار منزلیں صاف معلوم ہوتی ہیں:۔

(۱) پہلے خود زمین کا ظہور اپنے مدار میں۔

(۲) دوسرے اس کی سطح پر پہاڑوں وغیرہ کا وجود۔

(۳) تیسرے اس پر بارش کا نزول۔

(۴) چوتھے اس پر نباتات وحیوانات وغیرہ کی پیدائش۔

۹ یعنی زمین و آسمان کی آفرینش کے بعد ان سے سوال کیا گیا کہ جس درجہ و کیفیت کا ادراک وشعور تمھیں عطا ہوا ہے، اس کے لحاظ سے بتاؤ کہ تم جن احکام تکوینی کے محل بنو گے، اُن پر راضی

بھی رہو گے یا ان سے کراہت رکھو گے؟ انھوں نے اپنی مخصوص زبان اور اپنے اس مرتبہ شعور و ادراک کے لحاظ سے جواب میں عرض کیا کہ ہم بسر و چشم حاضر ہیں ـــــ مطلب یہ ہوا کہ انسان کے علاوہ اور جو مادی مخلوق اس کائنات میں ہے، وہ سب قانونِ تکوینی کی پابند بہ رضا و رغبت ہے، اپنے درجۂ شعور و تعقل کے مطابق ـــــ حیاتِ حیوانی، نباتی، جمادی کا مسئلہ جتنا زیادہ منکشف ہوتا جائے گا، اس طوع و کرہ کے معنی زیادہ سمجھ میں آتے جائیں گے۔

طوعاً و کرھاً۔ یہاں ترکیب میں طائعین و کارھین کے مرادف ہیں یعنی اگرچہ مصدر ہیں، لیکن ان کا استعمال موقع حال پر ہوا ہے۔

انتصابهما على الحال بمعنى طائعتين ومكرهتين. (كشاف، ج ٤/ص: ١٨٤)

مصدران وقعا موقع الحال. (بيضاوى، ج٥/ص:٤٥)

السمآء۔ کئی بار گزر چکا ہے کہ عربی میں سماء ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو مثل چھت کے بلند ہو۔ قرآن مجید کو زمین و آسمان کی جغرافی ہیئت سے مطلق بحث نہیں، بہت ممکن ہے کہ محض خلا مراد ہو۔

ثم استوی إلی السمآء۔ فعل استواء کا صلہ جب إلی کے ساتھ آتا ہے تو اس سے مراد ہوتی ہے کہ اس شے کو اپنے احاطۂ تدبیر میں لایا۔

وإذا عدى بإلى اقتضى معنى الانتهاء إليه إما بالذات أو بالتدبير، وعلى الثانى قوله ثم استوى إلى السماء وهى دخان. (راغب، ص:٢٨٢)

وھی دخان۔ یعنی اس کا مادہ دھوئیں یا بخارات یا گیس کی شکل کا تھا۔ دخان سے یہاں وہ حقیقی دھواں مراد نہیں جو آگ کی گرمی سے پیدا ہوتا ہے، بلکہ اسے محض مجازاً دخان کہہ دیا گیا ہے، اس لیے کہ دھواں بھی بغیر کسی مادی اور ظاہری سہارے کے چھایا ہوا رہتا ہے۔

أى هى مثل الدخان إشارة إلى أنه لاتماسك لها. (راغب، ص:١٨٧)

أمر ظلمانى ولعله أريد به مادتها التى منها تركبت. (روح، ج٢٤/ص:١٠٢)

امام رازیؒ (ساتویں صدی ہجری کے شروع اور تیرہویں صدی مسیحی کے شروع میں بھی) زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکے کہ دخان کے معنی تو یہاں سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ متفرق اجزا یا ساعات جو اسی میں ملے ہوئے یا جڑے ہوئے نہ تھے، اور ان میں کوئی روشنی نہ تھی۔

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ

پھر دو وقتوں میں انھیں سات آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اس کے (مناسب)

اَمْرَهَا ط وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ق وَحِفْظًا ط ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ

حکم بھیج دیا ۱۰ اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو چراغوں کے ذریعہ سے زینت بھی دی اور حفاظت بھی کی، یہ انتظام ہے

لامعنى للدخان إلا أجزاء متفرقة غير متواصلة عديمة النور. (كبير،ج۲۷/ص:۹۱)

اہل سائنس کا بھی قول ہے کہ ابتداءً مادۂ کائنات گھٹی ہوئی دخانی یا گیسی شکل میں تھا، اسی کو سائنس کی زبان میں Nebula ضبابہ بھی کہتے ہیں۔

۱۰ یہ احکام تکوینی ہوں یا تشریعی، اُن آسمانوں کے فرشتوں کو ملے یا جو مخلوق وہاں آباد ہو اُن کو۔ غرض ہر طرح وہاں ترتیب حکومت قائم ہوگئی۔

أی أوحى إلى أهلها بأوامره ونواهيه۔ (بیضاوی،ج۵/ص:۴۵)

أی ورتب مقررا فی كل سمآء ماتحتاج إليه من الملائكة ومافيها من الأشياء التی لايعلمها إلا هو. (ابن كثير،ج۴/ص:۸۳)

فالوحی عبارة عن التكوين...... أو أوحى إلى أهل كل منها أوامره وكلفهم مايليق بهم من التكاليف. (روح،ج۲۴/ص:۱۰۳)

فقضهن......یومین۔ یعنی اس حکیم برحق وقادرِ مطلق نے ساتوں آسمانوں کی ترتیب دو وقتوں میں کردیں۔

اس کرۂ زمین کے علاوہ اس ابتدائی مادے سے اور دنیائیں تخلیق ہوئیں، اتنا تو بہرحال قرآن مجید نے بار بار بیان کیا ہے۔

سبع سے مراد معین عدد سات کا بھی ہوسکتا ہے اور مطلق عدد بھی۔

یومین پر حاشیہ ابھی گزر چکا، یعنی دو مختلف وقت یا دور۔

واوحی......أمرها۔ آیت سے اتنا تو بہرحال معلوم ہوجاتا ہے کہ اس زمینی آسمان کے علاوہ چھ آسمانی فضائیں اور ہیں، اور ان فضاؤں کی حقیقت جو کچھ بھی ہو۔

الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۱۲﴾ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُکُمۡ صٰعِقَۃً مِّثۡلَ صٰعِقَۃِ

خدائے ہمہ قوت وہمہ علم کا [۱۱] تو اگر یہ لوگ (اب بھی) اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی آفت

۱۱ (اور اتنے محکم انتظامات اس خدائے واحد، ہمہ تواں وہمہ داں کے سوا اور کون کرسکتا ہے؟)

العزیز العلیم۔ العزیز میں اشارہ ہے کہ کمال قدرت کی جانب اور العلیم میں کمال علم کی جانب۔

وما أحسن هذه الخاتمة، لأن تلك الأعمال لاتمكن إلا بقدرة كاملة وعلم محيط. (كبير، ج٢٧/ص:٩٥)

السمآء الدنیا۔ قریب والے آسمان سے مراد اہل زمین سے قریب ترین آسمان ہے، یہی جو زمین سے دکھائی دے رہا ہے۔

سمآء کا ترجمہ کوئی اس سیاق میں اگر ضبابہ (Nebula) یا کہر سے کرنا چاہے تو بے تکلف کرسکتا ہے، ضبابہ یا کہر وہ لطیف مادّی چادر ہے، جو کرۂ زمین کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے اور اپنے لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔

بمصابیح۔ مصابیح سے مراد ستارے ہیں۔

أی من الکواکب. (روح، ج٢٤/ص:١٠٤)

والمصابیح أعلام الکواکب. (راغب، ص:٣٠٦)

اور یہی نہیں بلکہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی مصباح آیا ہے (بجز سورۃ النور کے ایک آیت کے) ہر جگہ مراد ستارہ ہی سے ہے۔

کل مصباح فی القرآن فهو کوکب إلا الذی فی النور. (أبو البقاء، ص.١٢٨٤)

یہاں ذکر ستاروں، سیاروں کے اسی پہلو کا ہے کہ ان کی روشنی سے اس فضائے زمینی کی آرائش وزیبائش قائم ہے، اور یہ حقیقت عالم وعامی سب کے مشاہدے کی ہے۔

حفظاً۔ حفاظت سے مراد تاثیراتِ شیطانی سے حفاظت بھی ہوسکتی ہے اور عام آفات سے حفاظت بھی۔

وحفظهما إما من الآفات أو من الشیاطین المسترقة للسمع. (روح، ج٢٤/ص:١٠٤)

عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿١٣﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ

عاد وثمود (پر آئی تھی) ۱۲ جب کہ ان کے پاس ان کو پیمبر آئے ۱۳ ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ

کہ بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کرو ۱۴ وہ بولے اگر ہمارے پروردگار کو یہی منظور ہوتا تو وہ فرشتوں کو بھیجتا، تو ہم تو اس (پیام) کے

اور ظاہر ہے کہ جب اتنا اہتمام سب سے نچلے آسمان کا ہے تو اس سے اوپر والے آسمانوں کی محفوظیت تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہوگی۔

یہی مضمون سورۃ الصافات (آیت:۷) اور سورۃ الملک (آیت:۵) میں بھی آیا ہے، دونوں کے شروع میں ان دونوں جگہوں کے حاشیے بھی دیکھ لیے جائیں۔

۱۲ یعنی جس طرح وہ قومیں دفعۃً ہلاک کردی گئی تھیں، تم بھی کسی آفت ناگہانی میں مبتلا کر کے ہلاک کردیے جاؤ۔

مثل صعقة۔ یہ تشبیہ یا مثلیت صرف فوری اور شدید وقوع ہلاکت کے لحاظ سے ہے۔

المراد عذابا شديد الواقع كأنه صاعقة مثل صاعقتهم. (روح، ج۲۴/ص:۱۰۹)

فإن أعرضوا۔ یعنی یہ لوگ اگر اتنے دلائل کے باوجود بھی اقرار توحید سے انکار و اعراض کرتے رہیں۔

عاد وثمود۔ عاد و ثمود کے نام قرآن مجید میں ایسے موقع انذار پر بار بار اس لیے آتے ہیں کہ قرآن کے مخاطبین اول یعنی عرب ان کے حالات سے خوب واقف و مانوس تھے۔

۱۳ یعنی وہ ہر طرح کی سعی بلیغ انھیں اسی مسئلۂ توحید کے سمجھانے کی کرتے رہے۔

أی اجتهدوا بهم وأتوا بجميع وجوه الحيل. (کبیر، ج۲۷/ص:۹۷)

والجهتان كناية عن جميع الجهات......والمراد بإتيانهم من جميع الجهات بذل الوسع فی دعوتهم. (روح، ج۲۴/ص:۱۱۰)

جاء تهم۔ ھم ضمیر جمع ہے حالانکہ ذکر صرف دو کا گزرا ہے عاد اور ثمود کا، لیکن تثنیہ کے موقع پر ضمیر جمع لانا عربی میں عام ہے۔

ففيه اطلاق الجمع على الاثنين وهو شائع. (روح، ج۲۴/ص:۱۰۹)

كٰفِرُوْنَ ⑭ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا

منکر ہیں جسے دے کر تم بھیجے گئے ہو ۱۴؎ پھر جو عاد کے لوگ تھے وہ ملک میں ناحق تکبر کرنے لگے اور بولے کہ

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ

ہم سے کون قوت میں بڑھ کر ہے؟ ان کی نظر اس پر نہ گئی کہ ان سے قوت میں بڑھ کر اللہ ہے۔ جس نے انھیں پیدا کیا؟

وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ⑮ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ

اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے ۱۵؎ سو ہم نے ان پر تیز آندھی بھیجی ایسے دنوں میں (جو ان کے حق میں)

۱۴؎ (اپنے خیال و پندار کے مطابق)

ان قدیم منکروں کا جواب وہی تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ان کی زبانوں پر رہا، یعنی اگر خدا کو واقعی ہماری ہدایت منظور تھی تو بجائے آدمیوں کے خود دیوی دیوتا ہی اتر کر کیوں نہ ہمارے پاس آگئے، جو ہم کو شک اور انکار کی گنجائش ہی نہ رہتی تو ہم تو تمھارے پیام و پیام کے قائل نہیں۔

بما أرسلتم به ۔ کافروں نے یہ فقرہ پیمبروں کے خیال کی ترجمانی میں کہا اور قرآن میں یہ اسلوبِ بیان عام ہے۔

أى على زعمكم. (روح، ج ۲٤/ص: ۱۱۱)

ليس بإقرار بالإرسال وإنما هو على كلام الرسل وفيه تهكم. (مدارك، ص: ۱۰۷۱)

ليس بإقرار منهم بكون أولئك الأنبياء رسلاً، وإنما ذكروه حكاية لكلام الرسل. (كبير، ج ۲۷/ص: ۹٦)

۱۵؎ یعنی خداوندی نشانات تکوینی اور آیات تشریعی دونوں کا انکار و ابطال کر کے اپنے ہی ڈھرے پر قائم رہے۔

بغير الحق ۔ بندوں کے لیے استکبار تو ہمیشہ ہی ناجائز ہے، بغیر الحق کے اضافے نے یہ بتا دیا کہ ان لوگوں کے پاس استکبار کی کوئی بنیاد خود ان کے معیار سے بھی نہ تھی۔

نَحِسَاتٍ لِنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ

منحوس تھے کہ ہم انھیں (اسی) دنیوی زندگی میں عذاب رسوائی کا مزہ چکھادیں اور عذاب

الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١٦﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ

آخرت تو رسوا تر ہوگا اور انھیں (کوئی) مدد نہ پہنچ سکے گی ۱۶ اور جو ثمود والے تھے تو ہم نے انھیں راہِ ہدایت دکھائی

من أشد منّا قوة۔ یہ نعرۂ خودی اپنی قوت کا زعم، اپنے قانون وآئین کی بالادستی، یہ ساری خدافراموش اور آخرت فراموش متمدن قوموں میں مشترک رہی ہے ـــــ یہی نعرۂ خودی آج روس کا بھی ہے، امریکہ کا بھی ہے، اور ذرا دھیمے لہجہ میں برطانیہ کا بھی۔ اور ابھی کل تک کسی زور وشور کے ساتھ جرمنی اور اٹلی اور جاپان کا تھا۔

أولم......قوة۔ یعنی ان کج فہموں کی سمجھ میں اتنی موٹی سی بات نہ آئی کہ بندے کو تو بہرحال وبہرصورت خدائی قانون کا محکوم و پابند ہوکر رہنا ہے، اس کے سوا دنیا میں کوئی صورت امن وعافیت کے بسر کرنے کی نہیں۔ قوم عاد پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔

یجحدون۔ جحد وہ انکار ہے جو ضد اور ہٹ دھرمی سے ہو۔

الجحود نفي مافي القلب وإثباته وإثبات ما في القلب نفيه. (راغب، ص:۱۰۰)

أي كانوا يعرفون أنها حق ولكنهم جحدوها. (مدارك، ص:۱۰۷۲)

۱۶ یعنی عذاب آخرت جو کہیں زیادہ سخت اور سارے اہل محشر کی نظر میں ہونے کے باعث کہیں زیادہ رُسوا کن بھی ہوگا، وہ تو بہرحال ابھی پردۂ غیب میں ہے۔ یہ عذاب ہلاکت جو ہم نے ان پر دنیا میں نازل کیا، اس سے یہ دنیا ہی میں خلقت کی نظر میں حقیر وذلیل ہوکر رہے کہ قوت وشوکت کے اتنے دعووں کے باوجود اپنے کو بچانے پر ذرا بھی قادر نہ ہوسکے۔

في أيام نحسات۔ نحس سے صرف یہ مراد ہے کہ وہ وقت اسی نزولِ عذاب الٰہی کے باعث ان لوگوں کے حق میں منحوس نکلا۔

عن مالك يعني شدائد لاخير فيها. (ابن العربي، ج ٤/ص:۸۲)

معنى كون هذه الأيام نحسات أن الله أهلكهم فيها. (كبير، ج۲۷/ص:۹۸)

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ

مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلے میں گمراہی کو پسند کیا، سو ان کو عذاب سراپا ذلت کی آفت نے آ پکڑا

ع ۱۰ ۲ ۱۶ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَيَوْمَ

بہ سبب ان کے کرتوتوں کے بدلے اور ہم نے نجات دے دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور (ہم سے) ڈرتے تھے اور (یاد دلایئے انھیں وہ دن) جس دن

ورنہ کسی متعین دن یا مخصوص زمانے کے ''منحوس'' ہونے کا عقیدہ ہی سرے سے اسلام میں نہیں۔

وليس هذامما يزعمه الناس من خصوصيات الأوقات. (روح، ج ۲۴/ص: ۱۱۲)

یہ نحوست کا عقیدہ تو اُن مشرک قوموں کا ہے جو تاثیر و تصرفاتِ کواکب کے قائل ہیں۔

فقیہ ابن العربی مالکی ان ضعیف و موضوع روایتوں کا ذکر کر کے جن میں یوم چہار شنبہ کی ''نحوست'' وارد ہوئی ہے لکھتے ہیں کہ إنّ هذا لهو الجهل المبين۔ اور پھر مغازی کی اس روایت کا ذکر کر کے جس میں دوشنبہ سے لے کر چہار شنبہ تک کی فضیلت آئی ہے، لکھتے ہیں:۔

فالآثار الصحاح دليل على فضل هذا اليوم و كيف يُدعى فيه تغرير النحس بأحاديث لا أصل لها.

''کہ جب مستند آثار سے اس روز کی فضیلت ثابت ہوگئی تو کیسے اسے بے اصل روایتوں کی بنا پر منحوس ٹھہرایا جا سکتا ہے۔''

اور پھر کہتے ہیں کہ بعض قوموں نے شمسی مہینوں کے بعض سعد و نحس تاریخوں کا نقشہ تیار کیا ہے۔ مسلمانوں کو جو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں ان کی طرف توجہ کرنا بلکہ ان پر نظر کرنا ہی جائز نہیں۔

وقد صور قوم أياماً من الأشهر الشمسية ادعوا فيها الكرامة، لايحل لمسلم أن ينظر إليها ولا يشتغل بآلاتها، والله حسيبهم. (ابن العربی، ج ۴/ص: ۸۳)

أیام۔ سورۃ الحاقہ میں تصریح ملے گی کہ یہ مدت پورے ایک ہفتے کی رہی۔

۱۷ اس آخری تصریح نے ایک بار اور اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ عذاب الٰہی جب بھی آتا ہے بندوں کی اختیاری بد دینی کے پاداش ہی میں آتا ہے ـــــــ اور اس طرح کی تصریحی

يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ⑲ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا

اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کر کے لائے جائیں گے، پھر وہ روکے جائیں گے، یہاں تک کہ وہ جب اس تک پہنچ ہی جائیں گے

شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑳

تو ان کے کان اوران کی آنکھیں اور ان کی جلدیں ان پر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے ۱۸

فقرے قرآن مجید میں بڑی کثرت سے آئے ہیں، جن سے پوری روشنی اس فرق پر پڑ جاتی ہے جو عام تکوینی حادثوں (زلزلہ، قحط، وبا، سیلاب وغیرہ) اور عذاب الٰہی کے درمیان ہوتا ہے۔

بما کانوا یکسبون۔ انھیں کے انکار اور سرکشی کی بنا پر۔

أی من التكذيب والجحود. (ابن كثير، ج٤/ص:٨٤)

فاستحبوا العمى على الهدى۔ اس تصریح نے ایک بار پھر یہ صاف کر دیا کہ ہدایت وایمان کا رد وقبول اختیار عبد کی چیز ہے اور اسی پر عذاب یا اجر مرتب ہوتا ہے۔

أی فاختاروا الكفر على الإيمان. (مدارك، ص:١٠٧٢، معالم، ج٤/ص:١٢٩)

فھدیناھم۔ یعنی راہ ہدایت ان پر واضح اور روشن کر دی، ان کے پیغمبر کے واسطے سے۔

أی بينّا لهم الرشد. (مدارك، ص:١٠٧٢)

قال ابن عباس بينّا لهم سبيل الهدى، وقيل دللناهم على الخير والشر. (معالم، ج٤/ص:١٢٩)

قال ابن عباس رضى الله عنهما وأبو العالية وسعيد بن جبير وقتادة والسدى وابن زيد بينّا لهم. (ابن كثير، ج٤/ص:٨٤)

۱۸ یہ منظر اس وقت کا ہے، جب عرصۂ محشر میں ان لوگوں کو دوزخ کے قریب لے آیا جائے گا، اور آگ ہی آگ انھیں ہر طرف نظر آئے گی، حساب کتاب اُس وقت شروع ہو رہا ہوگا —— یہ گواہیاں اگر صرف زبان حال سے ہوتیں، جب بھی ثبوتِ جرم کے لیے بالکل کافی تھیں، لیکن جیسا کہ آگے قرآن ہی تصریح کر رہا ہے، یہ گواہیاں نطق اور کلام کے ساتھ ہوں گی۔

ماجآء وھا میں ما زائدہ معنی تاکید کے لیے ہے۔

وَقَالُوۡا لِجُلُوۡدِهِمۡ لِمَ شَهِدۡتُّمۡ عَلَيۡنَا ؕ قَالُوۡۤا اَنۡطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِىۡۤ اَنۡطَقَ

اور وہ لوگ اپنی اپنی جلد سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دے دی؟ وہ جواب دیں گی، ہم کو اسی اللہ نے گویائی دی جس نے

كُلَّ شَىۡءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنۡتُمۡ

ہر چیز کو گویائی دی ہے، اور اسی نے تو تم کو اول بار پیدا کیا تھا، اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو ۱۹ اور تم اس بات سے

تَسۡتَتِرُوۡنَ اَنۡ يَّشۡهَدَ عَلَيۡكُمۡ سَمۡعُكُمۡ وَلَاۤ اَبۡصَارُكُمۡ وَلَا جُلُوۡدُكُمۡ

اپنے آپ کو چھپا ہی نہیں سکتے تھے کہ تمھارے خلاف تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں اور تمھاری جلدیں گواہی دیں

ما مزيدة للتأكيد. (مدارك، ص: ١٠٧٣)

فهم يوزعون۔ دوزخیوں کا جھنڈ بے شمار ہوگا۔ ایک خاص مقام پر پہنچ کر آگے چلنے والوں کو روک دیا جائے گا کہ پیچھے والے بھی برابر آجائیں۔

أي يحبس أولهم على آخرهم ليتلاحقوا وهو كناية عن كثرتهم. (روح، ج ٢٤/ص: ١١٤)

۱۹ آج جو اعضاء خاموش وغیر گویا ہیں کل گویا ہو کر کتنی سیدھی اور سچی بات کہیں گے کہ تم ہمیں تو خاموش وغیر متکلم سمجھ رہے تھے، یہ بتاؤ کہ زبان جسے تم گویا و ناطق سمجھ رہے ہو خود اسی مضغۂ گوشت میں یہ قوت گویائی کہاں سے آگئی؟ کیا اُس نے یہ قدرت از خود حاصل کر لی تھی؟ اس میں بھی یہ قوت ایک قادر مطلق ہی کے حکم تکوینی سے تو آئی۔ اس ایک چیز کے سوا اس میں اور ہم میں کوئی ذرہ بھر فرق بھی تو نہیں، تو پھر بعینہٖ وہی حکم تکوینی اس وقت جب ہم سے متعلق ہوگیا تو ہم بھی ٹھیک زبان ہی کی طرح ناطق ہوگئے، اس میں حیرت کی بات ہی کیا؟

وقالوا ...... علينا۔ اہل دوزخ دنگ وحیران رہ کر اپنے ہی اعضائے جسم سے سوال کریں گے کہ ارے! یہ تمھیں ہو کیا گیا؟ یہ آج تم بولنے کیسے لگ گئے؟ ہم نے تو یہ جو کچھ کیا دھرا تھا، سب تمھارے ہی واسطے تو کیا تھا! دنیا میں کثرت سے لوگ ایسے ہیں جو اشیاء میں اللہ کے رکھے ہوئے خواص طبعی کو ان اشیاء کی ذاتی خاصیت سمجھے رہتے ہیں۔

واليه ترجعون۔ اور سابقہ صرف اسی سے پڑا ہے، نہ کہ کسی اور سے۔

وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ

بلکہ تم تو اس گمان میں رہے کہ اللہ کو تمہاری اکثر باتوں کی خبر ہی نہیں ۲۰ اور تمہارے اسی گمان نے

الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا

جو تم اپنے پروردگار کے ساتھ رکھتے تھے تمہیں برباد کیا اور تم گھاٹے میں پڑ کر رہے ۲۱ سو اگر یہ لوگ صبر کریں

فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَيَّضْنَا

جب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے، اور اگر وہ عذر کرنا چاہیں تو ان کی معذرت قبول نہ ہوگی ۲۲ اور ہم نے ان کے لیے

لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ

کچھ ساتھ رہنے والے مقرر کر رکھے تھے سو انھوں نے ان کے کرتوت اگلے اور پچھلے ان کی نظر میں خوشنما کر دکھائے تھے اور ان کے

الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا

حق میں بھی ان سے قبل گزرے ہوئے جنات اور انسانوں کی قوموں کے ساتھ (اللہ کا) قول پورا ہو کر رہا، بے شک وہ سب

۲۰ کثرت سے مشرک ''حکماء وفلاسفہ'' نے علم الٰہی کو ناقص سمجھا ہے، کسی نے یہ کہا ہے کہ خدا کو علم صرف کلیات کا ہوتا ہے جزئیات کا نہیں، اور کسی نے کچھ اور۔ بہرحال مشرکین کو صفات کمالیہ الٰہیہ ہی کے سمجھنے میں شدید ٹھوکر لگی ہے خصوصاً صفت علم کے باب میں۔

۲۱ مشرکانہ عقائد ہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان برابر بدکرداریوں میں پڑا رہتا ہے، اور اس کا پورا انجام حشر میں جا کر ظاہر ہوگا۔

۲۲ یعنی اگر یہ تن بہ تقدیر ہو کر صبر وخاموشی سے کام لیں اور کوئی عذر معذرت نہ پیش کریں، جب بھی ان کے حق میں کوئی رعایت نہ ہوگی، جیسا کہ دنیا میں کبھی ہو جاتا ہے، اور عذر خواہی بھی اگر کرنا چاہیں تو اس دارالجزا میں بالکل بے کار ثابت ہوگی۔ آخرت تو صرف ظہور نتائج کا محل ہے، وہاں اگر دارالعمل والے قانون کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو سب سے پہلے ابلیس اپنی توبہ کے لیے اس گنجائش سے فائدہ اٹھاتا؟

خٰسِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ ۳ع ۱۷

خسارے میں رہے ۲۳؎ اور کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے درمیان میں غل مچا دیا کرو

لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿٢٦﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ

شاید (اسی طرح) تم غالب آجاؤ ۲۴؎ سو ہم (ان) کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور جو بری بری

اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ

حرکتیں یہ کرتے رہے ہیں ان کی سزا دے کر رہیں گے، یہی سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی یعنی دوزخ

لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٢٨﴾

وہاں ان کے لیے ہمیشگی کا مقام ہوگا اس کے بدلے میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہتے تھے ۲۴؎ (الف)

۲۳؎ ہر بدی، ہر نافرمانی، ہر معصیت، کسی نہ کسی دوست، رفیق ہی کی ترغیب وتشویق کا آخری نتیجہ ہوتی ہے، اس حقیقت کی جانب یہاں اشارہ ہے۔

حقّ علیھم القول۔ قول سے مراد اس کا عذاب ہے جس کا تحقق ہوکر رہا۔

أي كلمة العذاب. (بیضاوی، ج ۵/ص: ۴۷)

فی أمم۔ فی مرادف ہے مع کے۔ (أبو سعود، ج ۵/ص: ۴۴۲، قرطبی، ج ۱۶/ص: ۳۵۵)

فی......الإنس۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ یہ قانونِ الٰہی شروع سے چلا آرہا ہے، ہر امت ہر دور میں اس کے تحت میں رہی ہے۔

۲۴؎ (اور ان پیمبر پر اپنی آواز سے غلبہ پالو، جس سے یہ خود ہی ہار کر، تھک کر چپ ہوجائیں)

مشرکوں نے جب دیکھا کہ پیمبرؐ اپنی تبلیغ سے رکتے نہیں، اور قرآن برابر دلوں میں گھر کرتا جاتا ہے، تو ایک تدبیر یہی سمجھ میں آئی کہ سرے سے قرآن کی آواز ہی کو کانوں تک نہ پہنچنے دیا جائے اور قرآن جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنا رہے ہوں تو اتنا غل مچایا جائے کہ ان کی آواز سن ہی نہ پڑے۔

۲۴؎ (الف) (اپنی ضد اور ہٹ سے)

یجحدون۔ جحود پر حاشیہ گزر چکا ہے کہ اس سے مراد وہ انکار نہیں ہوتا جس کی بنیاد کسی غلط فہمی یا ناواقفیت پر ہو، بلکہ مراد وہ انکار ہوتا ہے، جو ضد اور ہٹ دھرمی سے پیدا ہوتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

اور کافر (اس وقت) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ شیطان وانسان دونوں دکھا دیجئے جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا

نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا

ہم انھیں اپنے پیروں کے نیچے مل ڈالیں گے کہ وہ خوب ذلیل ہوں ۲۵ بے شک جن لوگوں نے کہا

رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا

کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر (اس پر) قائم رہے ۲۶ ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو

لهم فيها دار الخلد۔ عذاب جہنم کی ہمیشگی پر ایک اور نص لـــــ صاحب بحر نے یہاں ایک نحوی سوال اٹھایا کہ دار الخلد تو خود ظرف ہے، پھر اس کے لیے فیها کی ظرفیت کیسی؟ اور پھر قرآن میں ایک اور نظیر لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة کی۔ اور ایک شاعر کا مصرعہ وفي الله إن لم يتصفوا حکم عدل پیش کر کے جواب دیا ہے کہ ایسی ترکیبیں زور وتاکید کے موقع پر درست ہیں۔ (بحر، ج ۷/ص: ۴۹۵)

۲۵ یہ گفتگو دوزخ میں ہوگی، جب کافر اپنے کو مبتلائے عذاب پائیں گے۔ انتہائی جھنجھلاہٹ اور جوش غضب میں یہی چاہیں گے کہ اپنے گمراہ کرنے والوں کو، حالانکہ وہ بھی اسی دوزخ ہی میں کہیں ہوں گے، اپنے قریب موجود پائیں اور اپنے پیروں سے روند کر رکھ دیں۔

أضلّنا من الجن والإنس۔ یہ نص اس باب میں صاف وواضح ہے کہ انسان کی گمراہی شیطان (جنات خبیث) کی طرف سے بھی آتی ہے اور انسانوں کی طرف سے بھی۔

۲۶ یعنی دین توحید اختیار کیا، اور اسی پر ثابت قدم رہے، اس سے ان کا قدم ڈگمگانے نہیں پایا۔

ثم ثبتوا على الإقرار ولم يرجعوا إلى الشرك. (روح، ج ٢٤/ص: ١٣٠)

معناه ولم يشركوا به شيئاً، ولكن تمّوا على التوحيد. (ابن جرير، ج ٢١/ص: ٤٦٤)

عن مجاهد: أسلموا ثم لم يشركوا به حتى لحقوا به. (ابن جرير، ج ٢١/ص: ٤٦٥)

عن عكرمة: استقاموا على شهادة أن لا إله إلا الله. (ابن جرير، ج ٢١/ص: ٤٦٥)

صدیق اکبر حضرت ابو بکرؓ سے یہی معنی مروی ہیں:۔

وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰۤؤُكُمْ

اور نہ رنج کرو اور خوش ہو جنت (کے ملنے) پر جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے ۲۷ ہم تمہارے رفیق تھے

ھم الذین لم یشرکوا باللہ شیئاً. (ابن جریر، عن أبی بکر الصدیق، ج ۲۱/ص: ۴٦٤)

لم یرجعوا إلی عبادۃ الأوثان. (روح، عن أبی بکر الصدیق، ج ۲٤/ص: ۱۳۰)

آیت سے منافق اور مرتد تو خارج ہو ہی گئے (منافق سے استقامت کیوں کر ممکن ہے، اور مرتد وہ ہے جو اقرار ایمان پر قائم نہ رہا) باقی اخفاء ایمان کا رد بھی لفظ قالوا سے نکل رہا ہے یعنی کوئی محض دل سے تو توحید کا قائل ہو، مگر اقرار نہ کر رہا ہو، وہ مستحق اس بشارت کا نہیں۔

ربنا۔ صفت ربوبیت کی تخصیص اس لیے فرمائی گئی کہ مشرکوں کو سب سے زیادہ دھوکا اسی صفت ربوبیت میں ہوا ہے۔ کارساز ہی وہ دوسرے کو جانتے ہیں، ورنہ خالق تو شاید ہی کسی کافر نے کبھی غیر اللہ کو سمجھا ہو۔ ضرورت اسی صفت ربوبیت پر استقامت کی تاکید کی تھی ـــــــ شرک عموماً دنیا میں صفت ربوبیت اور اس کے مقتضیات میں دھوکا کھانے سے پیدا ہوا ہے۔

ثم استقاموا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ استقامت اپنے اطلاق کے لحاظ سے ہر درجہ ومرتبہ استقامت کو شامل ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۴۵٦)

۲۷ (پیمبروں اور صدیقوں کی زبان سے)

مومن ناظر کو چاہیے کہ جب اس آیت پُر بشارت پر پہنچے، تو آگے بڑھنے سے قبل ذرا اپنی موت کے وقت کا اس وعدۂ الٰہی کے ساتھ مراقبہ کر لے۔ نزع میں کہ انتہائی بے بسی کا وقت ہوتا ہے یہ مژدۂ رحمت کس درجہ باعثِ بشاشت وشادمانی ہوگا! ـــــــ زبان کا کوئی لفظ مسرت وانبساط کی اس انتہائی کیفیت کو ادا کر ہی نہیں سکتا۔

جلال الدین سیوطیؒ نے شرح الصدور میں تمیم داری صحابیؓ کے حوالے سے ایک بڑی طویل حدیث اس مضمون کی نقل کی ہے کہ مومن صالح کی روح کے قبض کے وقت فرشتۂ موت اس کے پاس اس کی دلچسپیوں کا بہتر سے بہتر سامان لے کر آتا ہے، اور جس طرح بچہ کے نشتر لگتے وقت اسے بہلا پھسلا لیا جاتا ہے، اس احتضار والے مومن کو انھیں دلچسپیوں میں بہلا کر چپکے سے بلا شائبہ تکلیف اُس

کی روح کو جسم سے باہر لے آتا ہے، اس گھڑی جسم روح کو مبارک باد دیتا ہے اور روح جسم کو، فرشتے اس کے حق میں دعائیں اور طلب مغفرت کرتے ہیں اور شیطان پچھاڑیں کھاتا ہے کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا! (شرح الصدور، ص: ۲۴)

تتنزل علیهم الملائكة۔ یہ فرشتے رحمت اور بشارت کے ہوں گے، اور ان کا نزول پہلے موت کے وقت ہوگا، پھر قبر میں، اور پھر بعثت کے وقت ـــــ بلکہ محققین عارفین نے تو ترقی کر کے یہاں تک کہا ہے کہ ملائکۂ رحمت کا نزول تو مومنین صادقین پر ہر وقت اور ہر آن ہوتا رہتا ہے۔

قال المفسرون يعني عند الموت وأنا أقول في كل يوم آكد والأيام يوم الموت، وحين القبر، ويوم الفزع الأكبر. (ابن العربی، ج ٤/ص: ٨٤)

قيل عند الموت وقيل في مواقف ثلاثة: عند الموت وفي القبر وعندالبعث إلى القيامة. (كبير، ج ٢٧/ص: ١٠٥)

الفاظ آیت سے ایک پہلو ردِ شرک کا بھی نکل رہا ہے، مشرک قوموں نے اپنے دیوی دیوتاؤں کو بار بار پکارا ہے۔ قرآن مجید بالواسطہ یہ کہہ رہا ہے کہ اگر نزولِ ملائکہ کے آرزومند ہو تو اس کا بھی یہ طریقہ نہیں کہ خود ان ملائکہ کو پکارنے لگو، بلکہ اللہ، اپنے رب ہی سے دل لگاؤ، اور اس پر جم جاؤ (قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا) بس اسی سے نزول ملائکہ بھی ہونے لگے گا (تتنزل علیهم الملائكة)۔

ألا تخافوا۔ کسی عذاب کا اندیشہ نہ کرو، نہ برزخ میں نہ آخرت میں ـــــ یہ تسلی ہے مستقبل کے لیے۔

ولا تحزنوا۔ یعنی دنیا اور یہاں کے مانوسات و مالوفات کی مفارقت پر ذرا غم نہ کرو، اطمینان دلایا ہے ماضی سے متعلق ـــــ اب خوف و حزن دونوں کا کیا موقع ہے مومن کے لیے، اب تو ہر طرح فرح و بشاشت کا وقت شروع ہو رہا ہے، ساری بشارتیں اسی وقت کے لیے تو ہیں!

امام رازیؒ نے کہا ہے کہ یہ آیت مومن کے حق میں بہت بڑی بشارت ہے، اور ایک وعدہ اس امر کا ہے کہ اسے کوئی غم و حزن نہ موت کے وقت ہوگا، نہ قبر میں، نہ حشر میں، بلکہ ان سارے موقعوں پر وہ مطمئن و پُرسکون رہے گا۔ (کبیر، ج ۲۷/ص: ۱۰۶)

فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُکُمْ

دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے ۲۸ اور تمہارے واسطے اس (جنت) میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کا تمہارا جی چاہے

وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور تمہارے واسطے موجود ہے جو کچھ بھی تم مانگو ۲۹

۲۸ نیکی کے فرشتے مومن صالح کے رفیق اس دنیا میں بھی برابر رہا کرتے ہیں اور ہر وقت اسے صالحیت کی ترغیب بطریق الہام دیتے رہتے ہیں، اور آخرت میں ان کی ملاقات ورفاقت کا ذکر تو قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ امتحان ظاہری وباطنی کے موقع پر فیض ملائکہ نزول سکینت وبرکت کرتا رہتا ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۶۵۶)

۲۹ جنت اور آخرت کی نعمتوں کی کوئی حد اور کوئی شمار ہے! الفاظ کی تعمیم وجامعیت ملاحظہ ہو، ارشاد ہو رہا ہے کہ جو کچھ بھی تم طلب کرو گے ہر چیز تمہارے لیے حاضر ومہیا ہوگی۔ اور اس میں ساری ہی مادی وروحانی لذتیں اور حسی ومعنوی راحتیں آ گئیں! ـــــ اور پھر اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر "جو کچھ تمہارا جی چاہے گا وہ بھی"۔ خواہ زبان سے مانگو یا نہ مانگو ـــــ حق ہے کہ مومن ناظران بشارتوں کو پڑھ کر وجد میں آ جائے!

ماتشتھی انفسکم۔ اس کے اندر وہ ساری حسی لذتیں اور مادی راحتیں آ گئیں جن کی طلب انسان کے لیے طبعی واضطراری ہے۔

ماتدعون۔ اس کے تحت میں وہ ساری معنوی نعمتیں شامل ہیں جن کی طلب انسان کے لیے عقلی واختیاری ہے۔

مومن جنتیوں سے متعلق یہ جو بار بار مشاہدے میں آیا ہے کہ عین احتضار کے وقت اُن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی ہے، عجب نہیں کہ عین وہی وقت اس بشارت ملائکہ کا ہوتا ہو ـــــ اکبر الٰہ آبادی نے اسے اپنی شاعرانہ زبان میں یوں کہا ہے۔ ع

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ

(یہ سب) بہ طور مہمانی کے (خدائے) غفور ورحیم کی طرف سے (ہوگا) ۳۰ اور اس سے بہتر بات کس کی ہے جو (دوسروں کو) اللہ کی طرف بلائے

وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ

اورخود نیک عمل کرے اور کہے کہ میں تو فرماں برداروں میں سے ہوں ۳۱ اور نیکی

احساس ہی ایذا کا نہ رہا فریاد وفغاں میں کیا کرتا
آنکھ اپنی لڑی بھی قاتل سے جس وقت تہہ خنجر تھا گلا

ایک معاصر اہل تحقیق فاضل نے الفاظ "ماتشتھی انفسکم" سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ "نفس" کے تقاضوں، مطالبوں، خواہشوں، شہوتوں کی کوئی حد ونہایت ہی نہیں۔ ناسوت کے تنگ ومحدود دائرے میں ان سب کے پورے ہوجانے کا کوئی امکان ہی نہیں، یہ سب جنت کی لامحدود فضا میں پورے ہوسکیں گے۔

اور ایک اہل دل نے یہ بات بھی خوب نکالی ہے کہ نفس کے (روح کے نہیں) اشتہائی اور مادی تقاضے یہاں بھی ساتھ نہ دے سکیں گے، جب جسم موجود ہوگا تو جسمانی تقاضے بھی اپنی قدر دکھائیں گے، حور وقصور سب انھیں مطالباتِ نفس کا عملی ظہور ہوں گے تو اہل جنت کے لیے ان کی تکمیل مقامات کے بعد ہی ہوگا کہ کوئی خواہش اور آرزو بجز لقائے حق کے باقی نہ رہ جائے گی۔

۳۰ یعنی یہ بے انداز و بے حساب نعمتیں ملیں گی بھی تو اس طرح نہیں، جیسے سائل یا گداگر کو کوئی ٹکڑا مل جائے، بلکہ بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ ملیں گی، جیسے کسی معزز مہمان کو میزبان کی طرف سے پیش ہوتی رہتی ہیں ـــــ اور میزبان کون ہوگا؟ خود حق تعالیٰ غفور رحیم۔ صفات مغفرت ورحمت سے خاص طور پر بھرپور ـــــ اللہ اللہ! کوئی حد ونہایت ہے بندہ پروری، بندہ نوازی، اور حد بھی عزت افزائی کی!

۳۱ ابھی ذکر حسن مآل کا تھا، اب ذکر حسن عمل کا ہے۔

من عمل صالحا ۔ دعوت الی اللہ کے ساتھ ضرورت خود بھی حسن عمل کی ہے، بلکہ اس قید

نے یہ اشارہ کر دیا کہ عالم بے عمل اور واعظ غیر متقی اس بشارت سے خارج ہے۔

المراد أن يتبع القول العمل. (ابن العربی، ج ٤/ص: ٨٥)

قال إنني من المسلمين۔ مومن کو چاہیے کہ اپنے مسلم ہونے پر فخر کرے، اس میں کسی قسم کا عار نہ سمجھے ـــــــ اور اس فقرے کے یہ معنی نہیں کہ صرف زبان سے ان کلمات کا تلفظ کر دے، بلکہ مراد یہ ہے کہ یہی اعتقاد رکھے۔

ليس المعنىٰ أنه تكلم بهذا بل جعل الإسلام معتقده، كما تقول هذا قول الشافعي أى مذهبه. (بحر، ج ۷/ص: ٤٩٧)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا وعمل صالحاً کی قید سے معلوم ہوا کہ شیخ کو خود بھی عامل ہونا چاہیے، ورنہ اس کی تعلیم میں برکت نہ ہوگی۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۴۵۶)

دعا إلى الله۔ ظاہر لفظ سے بعض علماء نے اشارہ اذان کی جانب سمجھا ہے، اور استدلال اسی سے عمل اذان کی فضیلت پر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اذان کی افضلیت اپنی جگہ بالکل مسلّم، بلکہ حدیث میں مؤذن کے لیے یہ بشارت آ چکی ہے کہ اللہ نے اس کا گوشت آگ پر حرام کر دیا ہے، لیکن یہاں مفہوم عام ہے اور ہر داعی الی اللہ، اس کے تحت میں آ جاتا ہے، خواہ وہ حاکم عادل ہو یا فوجی مجاہد، مدرس ہو یا واعظ، شیخِ طریقت ہو یا دینی کتابوں کا مصنف۔

دعا إلى الله۔ فقہاء نے اس کے تحت میں لکھا ہے کہ خلوت واعتزال وسکوت زاہدانہ سے امر بالمعروف، اولیٰ واشرف ہے۔

ومن...... الله۔ فقہاء نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بہترین قولی عبادت دعوت الی اللہ ہی ہے۔

فيه بيان أن ذلك أحسن قول. (جصاص، ج ۳/ص: ٤٧٤)

اور پھر اس فرع پر فرع یہ مرتب کی ہے کہ دعوت الی اللہ فرض ہے، ورنہ اگر یہ فرض نہ ہو بلکہ صرف نفل ہو تو نفل کا فرائض سے بہتر ہونا لازم آتا ہے۔

ودلّ بذلك على لزوم فرض الدعاء إلى الله إذ لا جائز أن يكون النفل أحسن من الفرض. (جصاص، ج ۳/ص: ٤٧٤)

وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ

اور بدی برابر نہیں ہوتی، آپ نیکی سے (بدی) کو ٹال دیا کیجئے تو پھر کیا ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے

كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا

وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے ۳۲ اور یہ بات انھیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرتے رہتے ہیں، اور اسی کو نصیب ہوتی ہے، جو

ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ

بڑا صاحب نصیب ہوتا ہے ۳۳ اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے وسوسہ آنے لگے تو آپ اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے

ف ۳۲ (بلکہ کبھی تو جانی دشمن واقعۃً دلی دوست وخادم بن جاتے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلسل اس تعامل کے بعد ابوسفیان جیسے شدید دشمن بھی بالکل حلقہ بگوش ہو گئے)

ولا تستوی الحسنة و لا السيئة۔ دونوں یکساں نہیں، بلکہ ہر ایک کا اثر جداگانہ ہوتا ہے۔ بدی کی مکافات بدی کرنے میں عداوت بڑھتی ہے، اور نیکی کرنے میں (بشرط سلامت طبع) عداوت گھٹتی ہے۔

لا السيئة میں لا زائدہ تاکید نفی کے لیے ہے۔

لاالثانية مزيدة لتاكيد النفی. (روح، ج۲۴/ ص:۱۲۳)

كأنه ولی حميم۔ كأنه نے یہ صاف کر دیا کہ یہ لازمی نہیں کہ اس برتاؤ کے بعد وہ دشمن دوست بن ہی جائے، البتہ مشابہ دوست کے ضرور ہو جائے گا۔

مشہور غیر مسلم لیڈر گاندھی جی نے جو اپنا فلسفہ شانتی اور اہنسا کا چلایا ہے، عجب نہیں جو اُس کا مأخذ اصلی یہی آیاتِ قرآنی ہوں۔

ف ۳۳ یعنی اس دفاع احسن کی، بدی کی مکافات بھلائی سے کرنے کی توفیق ہر کس وناکس کو نہیں حاصل ہو جاتی، یہ تو صرف خوش نصیبوں ہی کے حصے میں آتی ہے یعنی ان کے حصے میں جنھوں نے اپنے کو صبر کا خوگر بنا لیا ہوتا ہے۔

ومايلقّٰها إلّا الصّابرون۔ اس میں ذکر ان نیک بندوں کے اخلاق وعادات کا ہے۔

ومايلقّٰها إلّا ذو حظ عظيم۔ یہ خوش نصیبی ان کے مرتبۂ اجر وثواب کے لحاظ سے بیان کی گئی ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ

وہی (سب) سننے والا ہے (سب) جاننے والا ہے ۳۴ اور اس کی نشانیوں میں رات ہے اور دن ہے اور سورج ہے اور چاند ہے ۳۵

۳۴ (جس سے نہ کسی کے الفاظ و اقوال مخفی ہیں نہ کسی کے اعمال و احوال)

وإما......نزغ۔ نزغ یا وسوسہ سے یہاں مراد غصہ و انتقام کا وسوسہ ہے، معاندین کی مخالفت شدید و پیہم کے وقت اس کا پیدا ہو جانا ایک حد تک امر طبعی ہے، تاہم پیمبر کے مرتبے سے فروتر چیز ہے، اس لیے قرآن نے ہر امر مذموم و معیوب کی طرح اسے بھی شیطان کی جانب منسوب کیا ہے۔

محققین عارفین نے مفہوم میں توسع پیدا کر کے اور مخاطبت میں مراد ساری امت کو لے کر دوسرے شیطانی تاثرات و تصرفات مثلاً حسد، ریا، کبر و کینہ، کذب وغیرہ کی تحریکات کو اسی حکم کے تحت میں لے لیا ہے۔

ابھی ابھی حکم صبر کا ملا تھا، صبر ہی اساس اخلاق ہے، اور سعادت اخروی و بہبود دنیوی کی اصل، اس آیت سے مقصود اسی کے حفظ و بقا کی تاکید ہے۔

فاستعذ باللہ۔ اللہ سے پناہ مانگنے، اور پناہ خداوندی میں آ جانے کا حکم اس لیے کہ بشر بلا امداد الٰہی شیطان کے دفع کرنے پر قادر نہیں۔ حکم سے یہ بھی اشارہ نکل آیا کہ بندۂ مومن کو غافل و بے فکر کسی وقت بھی نہ ہونا چاہیے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے تین مسئلے مستنبط ہوتے ہیں: ایک اصلاحِ اخلاق کی ضرورت۔ دوسرے اس کے لیے مجاہدے کا شرط ہونا۔ تیسرے یہ کہ وسوسۂ شیطانی کا امکان کاملین کے لیے بھی ہے اور وہ التجاء الی اللہ میں مانع نہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۴۵۶)

ھو السمیع العلیم۔ وہ آپ کا استعاذہ بھی سن رہا ہے، اور آپ کی نیت و صالحیت سے بھی خوب واقف ہے۔

آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ نزغ یا غصہ کے وقت استعاذہ مستحب ہے۔

وفسر عبد الرحمن بن زید النزغ بالغضب واستدل بالآية على استحباب الاستعاذة عنده. (روح، ج ٢٤/ص: ١٢٥)

۳۵ (نہ یہ کہ یہ کوئی مستقل دیوی دیوتا ہیں)

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ

بس تم لوگ نہ سورج پوجو، نہ چاند کو (بلکہ) صرف اللہ ہی کو پوجو، جس نے ان سب کو پیدا کیا

اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ

اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو ۳۶؎ پھر اگر یہ لوگ اکڑے رہیں تو (فرشتے) جو آپ کے پروردگار کے مقرب ہیں

يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ

رات اور دن اسی کی تسبیح کرتے رہتے ہیں

آیت میں رد آ گیا، تمام ستارہ پرست، آفتاب پرست، ماہتاب پرست جاہلی قوموں کا، ارشاد ہو رہا ہے کہ رات ہو یا دن، سورج ہو یا چاند، یہ تو سب حق تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی علامتیں اور نشانیاں ہیں، اور اس کی توحید وعظمت، حکمت وصناعی پر مستقل دلائل وشواہد۔ انھیں خود معبود سمجھ لینا کس درجہ کی حماقت وسفاہت ہے! ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

دن ہو یا رات، سورج ہو یا چاند، کائناتِ قرآنی میں یہ سب کے سب محض آیاتِ الٰہی ہیں یعنی اللہ کی قدرت، حکمت وعظمت کی نشانیاں، ہیئت وفلکیات کے مسائل پر بحث قرآن کے موضوع سے یکسر خارج ہے۔

۳۶؎ یعنی اگر تم خدا کے مدعی ہو، اے اہل شرک! تو سارے دیوی دیوتاؤں سے منہ موڑ کر صرف ان کے خالق یعنی حق تعالیٰ ہی سے تعلق جوڑے رکھو۔

لاتسجدوا۔ اسجدوا۔ سجدہ سے یہاں اسلامی نماز کا اصطلاحی سجدہ مراد نہیں، عام عبادت وپرستش مقصود ہے، جیسا کہ اس کے قبل بھی کئی بار ذکر آ چکا ہے۔

ولاتشرکوا به فماتنفعکم عبادتکم له مع عبادتکم لغیره. (ابن کثیر، ج۴/ص:۹۰)

والسجدة عبارة عن نهاية التعظيم. (كبير، ج۲۷/ص:۱۱)

للشمس ولاللقمر۔ آفتاب پرستی وماہتاب پرستی دنیا میں شرک کے یہ دو مظہر سب سے زیادہ رہے ہیں، اس لیے تصریح کے ساتھ نام انھیں دونوں کا ارشاد ہوا ہے۔

وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ۞ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ

اور (وہ اس سے ذرا) نہیں اُکتاتے ۳۷ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو دیکھتا ہے دبی دبائی پڑی ہے، لیکن جب

اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ

ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو وہ ابھرتی اور پھولتی ہے، تو وہی جس نے اس (زمین) کو جی اٹھایا، وہی مردوں کو بھی جی کھڑا کرے گا

اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ

بے شک وہی ہر چیز پر قادر ہے ۳۸ بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں وہ ہم میں مخفی

الذی خلقھن۔ یہ یاد دلا دیا کہ یہ سب تو عین اس کی مخلوق ہیں، معبودیت کے قابل ہی کب ہیں، معبود تو وہ ہے جو ان سب کا خالق ہے۔

۳۷ (بلکہ انھیں تو عین راحت ہی اسی تسبیح شبانہ روز میں ملتی رہتی ہے)

فإن استكبروا۔ عقیدۂ توحید اختیار کرنے کے معنی ہی پیمبر کی لائی ہوئی شریعت پر چلنے کے ہیں جو اکثر خود رائے اور خود پسند طبائع کو بہت ہی گراں گزرتا ہے۔

الذين عند ربك۔ مراد ملائکہ ہیں۔

يعني الملائكة. (معالم، ج۴/ص:۱۳۴)

من الملائكة. (روح، ج۲۴/ص:۱۲۶)

عند۔ ہمیشہ قرب مکان ہی کے معنی میں نہیں آتا، قرب منزلت کے لیے بھی آتا ہے، جیسا کہ یہاں ہے۔

عند لفظ موضوع للقرب فتارة يستعمل في المكان...... وتارة في الزلفى والمنزلة...... وعلى هذا النحو قيل الملائكة المقربون عند الله. (راغب، ص:۳۹۱)

۳۸ (تو اس کے لیے سب کو از سر نو جلا اٹھانا کیا دشوار ہے!)

بعث و حشر کے امکان پر اس امکان کے منکروں کو اس قریب کی اور روزمرہ پیش آنے والی نظیر سے توجہ دلائی ہے۔

عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

نہیں ہیں، سو پہلا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن وامان کے ساتھ آئے؟ ۳۹

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴۰ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ

(خیر) جو جی چاہے کرلو، وہ تمھارا کیا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہے ۴۰ جو لوگ اس (کتاب) نصیحت کا انکار کرتے ہیں

۳۹ (ظاہر ہے کہ ہرگز وہ دوزخی بہتر نہیں)

الذین یلحدون فی آیتنا۔ الحاد کے معنی ہیں راہ حق سے منحرف ہو جانے کے۔

الحد فلان ای مال عن الحق. (راغب، ص:۵۰۲)

یہاں ذکر ان لوگوں کا ہے جو آیات قرآنی کو ان کے اصل معانی سے ہٹا کر محامل باطل کی طرف لے جاتے ہیں۔

ینحرفون فی تأویل آیات القرآن عن جهة الصحة والاستقامة فیحملونها علی المحامل الباطلة. (روح، ج۲۴/ص:۱۲۶)

اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی الحاد کے معنی کچھ ایسے ہی منقول ہیں:۔

وقال ابن عباس وضع الکلام غیر موضعه. (بحر، ج۷/ص:۵۰۰)

منکروں اور مکذبوں کا مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے، لیکن علمائے محققین نے لکھا ہے کہ وعید اُن باطل فرقوں پر بھی شامل ہے جو آیات قرآنی کے معنی گڑھ گڑھ کر اور مسخ کر کر کے ایسے بیان کرتے ہیں، جو حدود تاویل سے بالکل خارج ہوتے ہیں۔

متکلمین اور اصولیین اہل سنت نے یہ تصریح کر دی ہے کہ ہر نص اپنے ظاہر ہی پر محمول ہوگی، تاوقتیکہ کوئی دلیل قطعی تاویل کی مقتضی نہ مل جائے، لغت زبان اور قواعد نحوی سے الگ ہو کر ایسے معنی گڑھنا جس سے احکام شریعت ہی باطل ہو جائیں، باطنیہ وزنادقہ کا شیوہ رہا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس کے تحت میں وہ غالی صوفیہ بھی آجاتے ہیں، جو منقول اور ماثور تفسیروں سے انکار کر کے اپنی اختراعی تاویلیں پیش کرتے رہتے ہیں۔ (تھانوی، ج۲/ص:۴۵۷)

أم...... القیمة۔ قیامت کے روز امن وامان میں رہنے والا وہی ہوگا، جو دنیا میں صاحب ایمان تھا۔

۴۰ (وہی آخرت یا دار الجزا میں پوری سزا دے گا، اور اسی نے یہاں دار العمل میں

لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَإِنَّهُ لَكِتٰبٌ عَزِيزٌ ﴿٤١﴾ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ

جب کہ وہ ان کے پاس پہنچ گئی، سو وہ کتاب ہے غالب آجانے والی، اس میں باطل نہ آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے

وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ

سے (یہ کلام) نازل ہوا ہے (خدائے) باحکمت وبرحمد کی طرف سے ۴۱ آپ کے لیے تو وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے

لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ

قبل رسولوں کے لیے کہی جا چکی ہیں ۴۲ بے شک آپ کا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے

آزادیٔ عمل دے رکھی ہے)

اعملوا ماشئتم۔ یہ موقع یاس وتأسف پر فرمایا گیا ہے کہ خیر تم نہیں سنتے تو جو چاہو کیے جاؤ۔ یہ مراد نہیں کہ تمھیں اجازت دی جاتی ہے کہ جو چاہو کرو۔

۴۱ (اور اسی حکیم وحمید مصنف ہی کا پرتو تصنیف شریف میں بھی نظر آرہا ہے)

لا......خلفه۔ اس کتاب آسمانی میں کسی پہلو اور کسی جہت سے بھی تحریف وتلبیس کا امکان نہیں۔

لکتٰب عزیز۔ قرآن مجید کے نہ صرف نکتوبی ہونے کا اثبات، بلکہ اس کے غالب ہونے کا بھی اثبات، جس کا اب تو دنیا کو مشاہدہ بھی ہو چکا ہے۔

وأصل العز حالة مانعة للإنسان عن أن يغلب. (روح، ج ۲٤/ص:۱۲۷)

له معنيان: أحدهما الغالب القاهر أما كون القرآن عزيزاً بمعنى كونه غالباً، فالأمر كذلك لأنه بقوة حجته غلب على كل ماسواه. (كبير، ج۲۷/ص:۱۱٤)

بعض علمائے راسخین نے یہیں سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اسی طرح قرآن سے تمسک کرنے والے بھی باطل سے محفوظ رہتے ہیں۔

۴۲ یعنی جس طرح ان کی تکذیب کی گئی اور انھیں اذیت پہنچائی گئی، وہی سب آپ کے لیے بھی پیش آرہا ہے تو جس طرح انھوں نے صبر کیا تھا، آپ بھی صبر سے کام لیجیے۔ فطرت بشری تو شروع سے یکساں چلی آرہی ہے۔

وَذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ

اور دردناک سزا دینے والا ہے ۴۳؎ اور اگر ہم اسے قرآن عجمی بناتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں

اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ

نہیں بیان کی گئیں، یہ کیا کہ عجمی (کتاب) اور عربی رسول ۴۴؎ آپ کہہ دیجئے کہ یہ (قرآن) ایمان والوں کے لیے ہدایت وشفا ہے

۴۳؎ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اصل صفت تو غفوریت ہی کی ہے، لیکن اگر منکرین ومکذبین عناد سے باز آکر مستحق مغفرت نہ ہوگئے تو پھر سزا بھی ان کے لیے شدید ودردناک رکھی ہوئی ہے ——— خاتم الرسل کے لیے یہ ہرگز باعث ننگ وعار نہیں کہ آپ بھی دوسرے انبیاء کے طریق پر چلیں۔

۴۴؎ بعض معاند منکروں نے یہ کہنا شروع کیا تھا کہ سارا قرآن عربی ہی میں کیوں ہے، کچھ عجمی میں بھی ہوتا تو البتہ ہم یقین کر لیتے کہ یہ نبی عربی ہیں، عجمی زبان پر اتنی قدرت نہیں، لامحالہ یہ وحی غیبی ہے۔ یہاں اسی اعتراض کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ معاند ایمان تو جب بھی ہرگز نہ لاتے اور اس وقت یہ کہنے لگتے کہ سارا قرآن عربی ہی میں کیوں نہیں؟ یہ کیسی بے جوڑ بات ہے کہ رسول خود تو عرب ہوں اور پیام وکلام لے کر آئیں عجم کی زبان میں!

بعض فقہاء نے اسی آیت سے استنباط کیا ہے کہ قرآن کا اطلاق عجمی قرآن پر بھی جائز ہے، اور اختلاف لسان کی بنا پر قرآن غیر قرآن نہیں ہو جاتا۔

وهذا يدل على أن نقله إلى لغة العجم لايخرجه ذلك من أن يكون قرآناً. (جصاص، ج۳/ص:٤٧٤)

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز بھی بجائے قرآن کے ترجمۂ قرآن پڑھنے سے ادا ہو جائے گی۔

لأن المأمور به قراءة القرآن، وهو اسم للمنزل باللفظ العربی المنظوم بهذا النظم الخاص، المكتوب فی المصاحف، المنقول إلينا نقلاً متواتراً. (رد المحتار، ج۱/ص:۳۲۵)

أعجمی۔ اصل میں اعجم ہے اور اس کے معنی ہیں وہ شخص جس کا کلام بوجہ لکنت یا اجنبیت

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ

اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ (قرآن) ان کے حق میں نابینائی ہے، یہ لوگ وہ ہیں

يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۝۴۴ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ

جو کسی بڑی دور جگہ سے پکارے جارہے ہیں ۴۵ اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی، اس میں بھی اختلاف پڑا

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ

پس اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے سے ٹھہر چکی ہے تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور یہ لوگ اس کی طرف سے

ع ۵ ۱۹

زبان کے نہ سمجھا جا سکے، اور صرف یاء بڑھا دینے سے معنی میں مبالغہ پیدا ہو گیا ہے۔

أصله أعجم بلا ياء و معناه من لا يفهم كلامه للكنته أو لغرابة لغته و زيدت الياء للمبالغة. (روح، ج ۲۴/ص: ۱۲۹)

اور عجم وہ سب ہیں جو عرب کے علاوہ ہیں، لیکن خصوصیت کے ساتھ اہل ایران مراد ہوتے ہیں۔

وهم من عدا العرب و قد يخص بأهل فارس و لغتهم العجمية.

(روح، ج ۲۴/ص: ۱۲۹)

۴۵ (کہ محض آواز سن رہے ہیں اور سمجھتے بوجھتے خاک نہیں)

ھدیً۔ راہنما عمل صالح کی طرف۔

شفاء۔ باعث شفا امراض باطنی سے۔

فی آذانھم وقرا۔ کانوں میں ڈاٹ یوں کہ یہ منکرین و معاندین اس آواز حق کو باوجود اس کے وضوح کے انصاف کے کانوں سے سنتے ہی نہیں۔

وھو علیھم عمیً۔ چنانچہ معاندین کی یہ ارادی نابینائی ان کے حق میں اور زیادہ موجب ضلالت بن جاتی ہے۔

أولئك ینادون من مکان بعید۔ محاورۂ عرب میں ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جہاں کہنا یہ مقصود ہوتا ہے کہ مخاطب کچھ نہیں سمجھتا ہے۔

شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ﴿۴۵﴾ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَسَآءَ

ایسے شک میں ہیں جس نے انھیں تردد میں ڈال رکھا ہے ۴۶ جو کوئی نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لیے کرتا ہے اور جو کوئی برا عمل کرتا ہے

فَعَلَيۡهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۴۶﴾

اس کا بھی وبال اسی پر پڑے گا، اور آپ کا پروردگار بندوں کے حق میں ظلم کرنے والا (ہرگز) نہیں ۴۷

اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ

اسی (اللہ) کی طرف قیامت کے علم کا حوالہ دیا جاسکتا ہے اور کوئی پھل اپنے گابھوں میں سے نہیں نکلتا اور نہ کوئی مادہ پیٹ

حکی أهل اللغة أن یقال للذی لا یفهم أنت تنادی من مکان بعید.

(بحر، ج ۷/ص: ۵۰۳)

۴۶ (اور چونکہ یہ یقین وایمان سے محروم ہیں، اس لیے قدرۃً سکون واطمینان کی دولت سے بھی محروم ہیں)

ولقد......فیه۔ چنانچہ اسی توریت ہی کی طرح آج قرآن کے بارے میں بھی لوگ اختلاف کررہے ہیں، اور بہت سے اشرار اُسے کلام الٰہی تسلیم کرنے سے انکار کررہے ہیں ـــــ مقصود رسولؐ کو تسکین دینا ہے کہ خلقت کی یہ عادتِ انکار تو پہلے ہی سے چلی آرہی ہے۔

لولا......ربك۔ اور وہ ٹھہرائی ہوئی بات یہی ہے کہ پورا عذاب آخرت ہی میں ہوگا۔

لقضی بینهم۔ وہ فیصلہ یہی کہ منکرین پر عذاب اسی دنیا میں آگیا ہوتا۔

۴۷ (جیسا کہ جاہلی قوموں نے اپنے اپنے دیویوں، دیوتاؤں کو فرض کررکھا ہے)

من عمل......فعلیها۔ اسلام کی ایک بنیادی حقیقت یعنی شخصی ذمہ داری کا ایک بار پھر اعادہ واثبات کردیا گیا، اور اس جہل کی ایک بار پھر اصلاح کردی گئی کہ مقبولین سے نسبی نسبت کافی ہے۔

ظلام۔ مفسرین نے اپنے اپنے طور پر یہاں اس نکتہ کی توجیہ کی ہے بجائے ظالم کے ظلّام (صیغۂ مبالغہ) کیوں استعمال ہوا؟ لیکن علاوہ دوسرے وجوہ کے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مشرک قوموں کے ہاں متعدد دیویوں، دیوتاؤں کا وجود بطور ظلام (بہت بڑے جابر) ہی کے تسلیم کیا گیا ہے، قرآن کہتا ہے کہ اسلام کا خدا ہرگز ایسا نہیں۔

مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِىْ ۙ قَالُوْٓا

سے رہتی ہے یا جنے بغیر اس کی اطلاع کے ۴۸ اور جس روز (اللہ) ان (مشرکوں) کو پکارے گا کہ (بتاؤ، اب) میرے شریک کہاں ہیں؟ تو وہ کہیں گے

اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ

ہم تو تجھ سے یہی عرض کریں گے کہ ہم میں سے کوئی (اس کا) مدعی نہیں ۴۹ اور جن جن کی یہ لوگ پہلے پوجا کیا کرتے تھے وہ سب ان سے غائب ہو جائیں گے

۴۸ حق تعالیٰ کی صفت علم کا اثبات ہو رہا ہے کہ اُس کا علم کامل ہے، اور ہر ہر جزئیہ کو محیط۔ اور وہی وقوع قیامت کا علم رکھتا ہے۔

إليه يرد علم الساعة۔ یہ منکرین کے اس تعریضی سوال کے جواب میں ہے کہ قیامت آخر کب آئے گی۔ فقرے کی ترتیب نحوی یعنی إليـــــه کی تقدیم نے حصر کے معنی پیدا کر دیے ہیں، یعنی قیامت کا علم بس اسی ایک کو ہے۔

وما تخرج...... بعلمه۔ یہ تینوں عام فہم مثالیں اس کی دے دی گئی ہیں کہ عالم نباتات ہو یا انسانیات، اللہ ہر عالم کے باریک ترین جزئیات سے خوب واقف رہتا ہے ـــــــ غرض یہ کہ چھوٹی بڑی جو چیز بھی کائنات میں واقع ہوتی رہتی ہے، اسی اللہ ہی کے علم مامور سے ہوتی ہیں، شرک کی دنیا میں بڑی گمراہیاں اسی صفت علم میں بھٹکنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

۴۹ (اور اپنی غلطی کے بالکل معترف ہیں)

أين شركاءى۔ یعنی جنھیں تم اپنے زعم و پندار میں ہمارا شریک و ہمسر سمجھا کرتے تھے۔ انھیں بلاؤ، وہ اب آکر بچائیں ـــــــ شرکا کی اپنی جانب نسبت و اضافت میں ظاہر ہے کہ مشرکین کے عقائد پر تعریض ہے۔

اضافهم إلى نفسه على زعمهم ...... وفيه تهكم وتقريع. (مدارك، ص: ۱۰۷۸)

شرک شرک بھی دنیا میں طرح طرح کے ہوئے ہیں، اور مشرکوں کی قسمیں بے شمار ہیں، دہریت، لاادریت، لامذہبیت، یہ سب شرک ہی کی قسمیں ہیں کہ انسان خود سے طبعی و مادی ہر وہ چیز نطے کر لیتا ہے جو اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہونا چاہیے۔

وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫

اور وہ لوگ یہ سمجھ لیں گے کہ اب ان کے لیے کوئی صورت بچاؤ کی نہیں ۵۰ انسان کا ترقی کی آرزو سے جی نہیں بھرتا

وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ

اور اگر اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ مایوس ہراساں ہو جاتا ہے ۵۱ اور اگر ہم اپنی طرف سے اسے مہربانی کا مزہ چکھا دیتے ہیں بعد

ما منّا من شهيد۔ یعنی آج ہم میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ تیرا کوئی بھی شریک ہے۔

أى ما منّا أحد اليوم يشهد بأن لك شريكاً.(مدارك، ص:۷۸ : ۱)

یہ اعتراف عین ان کی ندامت وحسرت کا بڑھانے والا ہوگا، اور یہ پوری مرقع کشی حشر کے دن مشرکوں کی بے کسی اور بے بسی کی ہو رہی ہے۔

۵۰ (اس لیے اب کسی اور سے آس لگانا حماقت محض ہے)

وظنـوا۔ ظن یہاں گمان کے معنی میں نہیں، یقین کے معنی میں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اور بھی متعدد موقعوں پر ہے۔

أى أيقنوا كما قال السدى وغيره لأنه لا احتمال لغيره هنا والظن يكون بمعنى العلم كثيراً. (روح، ج۲۵/ص:۳)

وهذا بمعنى اليقين.(ابن كثير، ج٤/ص:۹۲)

أيقنوا. (كشاف، ج٤/ص:۱۹۹)

۵۱ (اس لیے کہ بے خدا انسان کے پاس کوئی ذریعہ تسکین قلب کا نہیں ہوتا)

مومن کو اپنی ہر تکوینی اور غیر اختیاری مصیبت پر توقع اجر کی قائم رہتی، اور بھروسہ کسی نہ کسی درجہ میں خدا پر رہتا ہے، منکر توحید و منکر آخرت سکینتِ قلب کی اس دولت سے، زخم کے اس ٹھنڈے مرہم سے محروم، حسرت و یاس کے ساتھ اپنے کو لوٹنے پر، تڑپنے پر مضطر و مجبور پاتا ہے۔

الانسان۔ ذکر یہاں بے خدا انسان اور اس کے کمال حرص کا ہو رہا ہے۔

الكافر. (معالم، ج٤/ص:۱۳۷)

والانسان هاهنا يراد به الكافر.(قرطبی، ج۱۵/ص:۳۷۲)

ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ هٰذَا لِىۡ ۙ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنۡ

کسی تکلیف کے جواسے واقع ہوئی تھی تو وہ کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرے لیے ہونی ہی تھی، اور میں قیامت کو آنے والا نہیں خیال کرتا اور اگر

رُّجِعۡتُ اِلٰى رَبِّىۡۤ اِنَّ لِىۡ عِنۡدَهٗ لَلۡحُسۡنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

میں اپنے پروردگار کے پاس پہنچایا بھی گیا تو میرے لیے تو اس کے یہاں بھی ضرور ہی بہتری ہی ہے ۵۲ سو ہم کافروں کو

بِمَا عَمِلُوۡا وَلَنُذِيۡقَنَّهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِيۡظٍ ۝۵۰ وَاِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ

ان کے کرتوت ضرور بتادیں گے اور انھیں عذاب سخت کا بھی مزہ چکھا کر رہیں گے اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں

اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِيۡضٍ ۝۵۱

تو وہ منھ موڑ لیتا اور کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے ۵۳

دعاء الخیر۔ لفظی ترجمہ ''اچھائی کی دعا'' ہوا۔

۵۲ یعنی اول تو میں اسی کا قائل نہیں کہ کوئی روز جزا بھی آنا ہے۔ اور اگر بالفرض آیا بھی تو میں جس طرح خوش اقبال ہوں، وہاں بھی خوش اقبالی ہی میری رفیق رہے گی۔

ھذا لی۔ یعنی میری تدبیر و قابلیت مقتضی ہی اسی کی تھی۔

لیقولن ھذا لی۔ غرض یہ کہ خوش حالی میں بھی سرکش و باغی، خدا فراموش و آخرت فراموش انسان اپنے مالک و مولیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتا، بلکہ اپنی ہی ذات پر گھوم پھر کر رہتا ہے۔

اِنّ لی۔ اِنّ خود کلمۂ تاکید ہے، پھر لی کی تقدیم نے اس تاکید کو مضاعف کر دیا ہے، اس دہری تاکید کی رعایت سے ترجمہ میں ''ضرور ہی'' بڑھا دیا گیا ہے۔

۵۳ یہ دعائیں زوالِ نعمت پر محض جزع و فزع، ماتم و بکا کی راہ سے ہوئی تھیں، نہ کہ منعمِ حقیقی کی طرف توجہ و رجوع کے طور پر۔

الانسان۔ ذکر اُسی کافر، ناشکرے انسان کا چل رہا ہے۔

ذو دعاء عریض۔ عریض یہاں کثیر کے معنی میں ہے، اور طول و عرض کا استعمال عربی میں کثرت کے معنی میں آتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ

آپ کہئے کہ بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) اللہ کے یہاں سے آیا ہوا ہو اور پھر تم اس سے انکار کر رہے ہو تو اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون

هُوَ فِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ

ہوگا جو (ایسی) دور دراز مخالفت میں پڑا ہو ۵۴ ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں اطراف عالم میں دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

یہاں تک کہ ان پر کھل کر رہے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے ۵۵ کیا آپ کے پروردگار (کا یہ وصف) کافی نہیں کہ وہ ہر (چھوٹی بڑی) چیز کا

عن السدی یعنی بالعریض الکثیر. (ابن جریر، ج ۲۱/ص: ۴۹۲)

أی کثیر والعرب تستعمل الطول والعرض فی الکثرة. (معالم، ج ۴/ص: ۱۳۷، بحر، ج ۷/ص: ۵۰۵)

أی کثیر مستمر. (روح، ج ۲۵/ص: ۵)

وقد استعیر العرض لکثرة الدعاء ودوامه. (کشاف، ج ۴/ص: ۲۰۰)

۵۴ (جیسے کہ تم پڑے ہوئے ہو)

مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی اتنی اندرونی اور بیرونی شہادتوں کے ہوتے ہوئے کم از کم درجۂ احتمال میں تو اسے خدائی کلام سمجھو، اور پھر اس احتمال ہی کی بنیاد پر سوچو کہ اگر قرآن کا برحق ہونا ہی نکل آیا تو تم ضلالت کے کس درجۂ اشد میں اپنے کو پاؤ گے!

۵۵ یعنی غلبۂ حق کی ان مادی علامتوں کو دیکھ کر یہ ایک حد تک اضطراراً اعتراف پر مجبور ہو جائیں گے ــــــ چنانچہ نہ صرف علاقۂ حجاز بلکہ سارا ملک عرب اور اس کے اطراف ونواح اسلام کے مسخر ہوئے، اور بڑے بڑے مشرک سرداران ریاستِ مکہ مرکٹ کر رہے۔

سنریهم۔ ضمیر جمع غائب ھم کا اطلاق صرف معاصرین تک محدود نہیں، بلکہ مستقبل کے ہر دور کے منکرین مراد ہو سکتے ہیں۔

آیتنا فی الآفاق وفی أنفسهم۔ یعنی شہادتیں بیرونی واندرونی، خارجی وداخلی، آفاقی وانفسی ہر قسم کی۔

آیات آفاقی اور انفسی سے مراد بلا تکلف خارجی اور داخلی دلائل ہو سکتے ہیں، اور آیت کے یہ معنی بآسانی لیے جاسکتے ہیں کہ ہم مخالفین پر ایسے حقائق نفسیاتی، طبعیاتی وحیاتیاتی کا علم کھول دیں گے، جن سے ان پر توحید وقرآن کا برحق ہونا بالکل ظاہر ہو کر رہے گا ——— قرآن مجید کی اکثر آیتوں کی طرح یہاں بھی گو خطاب صریح و براہِ راست منکرین معاصرین کی جانب ہے، لیکن بالواسطہ ہر ملک اور ہر زمانے کے منکرین کے حق میں ہے۔

بجلی کی دریافت، ہوائی پرواز کی قوت، فضائے ارضی سے گزر کر خلائے کائنات میں سیاحت پر قدرت، چاند تک رسائی اور اس قبیل کے سارے ہی مادی قوتوں کا اثبات توحید و اثبات قدرت وحکمت الٰہی کا کام دے سکتے ہیں۔

الآفاق کا لفظ اس سلسلے میں بہت ہی معنی خیز ہے، جمع ہے اُفق کی اور اُفق اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں آسمان، زمین کے کنارے سے ملتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور اسی طرح منتہائے وسعت کائنات کے مرادف ہے۔

ماظهر من نواحي الفلك ماشا الأرض. (المنجد، ص:۱۳)

انچہ ظاہر است از کرانہائے آسمان۔ (منتہی الارب، ج۱/ص:۴۵)

قدیم مستند اہل لغت بھی یہی لکھتے آئے ہیں!

ماظهرمن نواحي الفلك. (قاموس، ص:۷۹۷)

ماظهرمن نواحي الفلك وأطراف الأرض. (تاج، ج۱۳/ص:۶، لسان، ج۱/ص:۱۶۴)

رجل آفاق اس شخص کو کہتے ہیں جو زمین کے کناروں تک چکر لگا آیا ہو۔

رجل آفاق يضرب في الآفاق أي نواحي الأرض. (تاج، ج۱۳/ص:۶)

اب ہماری زبان میں ایک جامع اصطلاح اس منتہائے وسعت کے لیے ''خلا'' کی نکل آئی ہے، اس لیے آیت کے ترجمے میں اگر بجائے ''اطراف عالم'' کے ''خلا'' رکھ دیا جائے تو گنجایش اس کی بھی ہے۔

مفسرین اسی مفہوم کے ظاہر کرنے کو عام طور پر مشارق الأرض ومغاربها وشمالها

وجنوبها یوں بھی لکھتے چلے آئے ہیں، لیکن دو تابعی حضرات عطاء، ابن زید نے تو کھل کر آسمان وزمین، اورسورج اور چاند، ستاروں وغیرہ سب کو آفاق کے تحت میں شمار کرلیا ہے، اور بعض ائمہ تفسیر نے اسی مفہوم کو قبول کرلیا ہے۔

قال عطاء وابن زيد "في الآفاق" يعني أقطار السمٰوٰت والأرض من الشمس والقمر والنجوم والليل والنهار والرياح والأمطار والرعد والبرق والصواعق والنبات والأشجار والجبال والبحار وغيرها. (قرطبی، ج ١٥/ص: ٣٧٤)

يعني أقطار السمآء والأرض من الشمس والقمر والنجوم والنبات والأشجار والأنهار. (معالم، ج ٤/ص: ١٣٧)

اور ابن جریرؒ نے بھی ایسی ہی ایک تفسیر نقل کی ہے اور آخر میں صاف صاف لکھ دیا ہے کہ الآفاق سے مراد آفاق آسمانی لی گئی ہے۔

وقال آخرون عنى بذلك أنه يريهم نجوم الليل وقمره وشمس النهار، وذلك ماوعدهم أنه يريهم في الآفاق، وقال أعنى بالآفاق آفاق السمآء. (ابن جرير، ج ٢١/ص: ٤٩٣)

اور امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ان میں سے پہلا قول یہی ہے کہ فلکیات، کوکبیات سے آیات الٰہیہ مراد ہیں۔

(الأول) المراد آيات الآفاق، الآيات الفلكية والكوكبية وآيات الليل والنهار وآيات الأضواء والإظلال والظلمات. (كبير، ج ٢٧/ص: ١٢٠)

اور آگے چل کر ترجیح اسی قول کو دی ہے:

قوله سنريهم الآفاق لائق بالوجه الأول كماقررناه. (كبير، ج ٢٧/ص: ١٢٠)

اور آیت کا مفہوم اگر یہ لیا جائے کہ ہم آفاقیات (طبعیات وحیوانیات وغیرہ) اور نفسیات کے وہ وہ حقائق ان پر کھول کر رہیں گے کہ بڑے بڑے منکروں کو بھی اسلام وقرآن کی تصدیق پر مجبور ہونا پڑ جائے گا تو اس سے بھی کوئی تکلف لازم نہیں آتا، یہ آیت اس مفہوم کو بھی اپنے اندر پوری طرح سمیٹے ہوئے ہے۔

شَهِيۡدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ

شاہد ہے ۵۶ ارے! یہ لوگ اپنے پروردگار کے روبرو جانے کی طرف سے شک میں پڑے ہیں، ارے! وہ ہر چیز کو

شَىۡءٍ مُّحِيۡطٌ ﴿۵۴﴾

اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے ۵۷

۵۶ (چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعی وکاوش واہتمام تبلیغ کو بھی دیکھ رہا ہے اور ان منکروں کی ہٹ اور انکار کو بھی)

أولم یکف بربك۔ یعنی آپ کی تسکین وتسلی کے لیے یہ امر کافی ہونا چاہیے۔

۵۷ (تو کاش اُن کے دلوں میں حق تعالیٰ کی ان صفات ہمہ بینی، ہمہ دانی، ہمہ توانی کا استحضار ہوتا!)

ألا......ربّھم۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ حق کی طلب وجستجو ان میں اس لیے نہیں کہ خود آخرت ہی کا اعتقاد انھیں نہیں، اور طبیعت میں تحقیق وجستجو کی طرف سے تساہل وبے رغبتی آخرت کی اسی بے یقینی نے پیدا کردی ہے ـــــ اور کمال حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ایسی موٹی اور کھلی ہوئی چیز کا بھی ان کو یقین نہیں!

ألا......محیط۔ اظہارِ حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتنی واضح صفت بھی ان کے دائرۂ علم ویقین میں نہیں، اللہ اپنی ہر مخلوق کو گھیرے ہوئے، کیا علم کے لحاظ سے اور کیا قدرت کے لحاظ سے بھی۔

ألا۔ کلمۂ تعجب ہے۔ سامعین وحاضرین کو چونکانے کے موقع پر آتا ہے ـــــ دونوں جگہ کمال حیرت کے اظہار کے لیے ہے کہ منکرین کو ایسی یقینی اور صریح اور واضح حقیقتوں کا بھی ادراک نہیں!

(۴۲)

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ

اٰيَاتُهَا ۵۳ — ۵۳ آیتیں
رُكُوْعَاتُهَا ۵ — ۵ رکوع

سورۂ شوریٰ مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ۚ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ

حا۔میم۔عین۔سین۔قاف۔اسی طرح اللہ غلبہ والا، حکمت والا وحی بھیجتا رہا ہے آپ پر اور آپ سے

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ

قبل والوں پر [1] اسی (اللہ) کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے

[1] (اصول دین کی تحقیق وتعیین کے لیے)

کذلک۔یعنی جس طرح اس نے یہ سورت نازل کی، اسی طرح اس نے دوسری سورتوں اور آیتوں کی وحی آپ پر کی ہے۔

أی مثل ذلک الوحی. (کشاف، ج٤/ص:٢٠٢)

أی یوحی قبل ما فی هذه السورة من المعانی. (روح، ج٢٥/ص:١١)

حٓم - عٓسٓقٓ۔حضرت ابن عباسؓ کی جانب یہ قول منسوب ہوا ہے کہ حٓم ایک اسم الٰہی ہے، اور ''ع'' سے اشارہ عذاب بدر کی جانب ہے اور ''س'' سے اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

سیعلم الذین ظلموا أیّ منقلب ینقلبون.

اب رہا ق تو حضرت ابوذر صحابیؓ کی جانب یہ قول منسوب ہے کہ اس سے صور قیامت مراد ہے۔ لیکن محققین کے نزدیک نہ یہ دونوں روایتیں ثابت شدہ ہیں نہ اور کوئی روایت۔

ذکر المفسرون فی حم عسق أقوالاً مضطربة لایصح منها شیئ. (بحر، ج٧/ص:٥٠٧)

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝

اور وہی عالی شان ہے، عظیم الشان ہے ۲

والذی یغلب علی الظن عدم ثبوت شیئ من الروایتین. (روح، ج ۲۵/ص: ۱۰)

آیت میں اس کا اثبات ہے کہ یہ کلام رسول اسلامؐ پر وحی کے ذریعہ نازل ہوا ہے، اور ایسی وحی انبیائے سابقین پر بھی آتی رہی ہے۔ قرآن مجید نے تسلسل وحی پر بار بار زور دیا ہے ——— مفسر قرطبی نے ادیب ونحوی جرجانی کے حوالے سے کہا ہے کہ حروف معجم سب ایک ہی معنی رکھتے ہیں، جو خود بنیاد کلام اور اساس بیان کے ہوتے ہیں۔

وقیل إن الحروف المعجمة کلها فی المعنی واحد من حیث أنها أس البیان وقاعدة الکلام ذکره الجرجانی. (قرطبی، ج ۱۶/ص: ۱)

تابعین وصحابہ کی جانب بہت سے اقوال اسی ذیل میں نقل ہوئے ہیں۔

اللّٰہ العزیز الحکیم۔ دو صفات کا اثبات ہے: وہ غلبہ اور قوت والا ہے، کوئی اس پر غالب نہیں۔ اور وہ صاحب حکمت ہے، اس کا کوئی کلام و پیام حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔

۲ علو اور عظمت صرف اسی کا حق ہے، دنیا جہاں کی بڑی بڑی اونچی ہستیاں اس کے آگے بساط ہی کیا رکھتی ہیں! ——— تو اس کا اور کسی مخلوق کا مقابلہ ہی کیا؟

آیت سے مقصود حق تعالیٰ کی ملکیت کاملہ اور اس کی عظمت کا اثبات ہے اور اس سے مشرکین جاہلین کے عقائد کا ابطال بالکل ظاہر ہے کہ وہ علو و عظمت کا مرکز کہیں کسی دیوتا کو سمجھتے رہے ہیں اور کہیں کسی دیوی کو۔

السمٰوات۔ امام رازیؒ نے اس آیت کے تحت میں پھر ایک بار یاد دلایا ہے کہ انسان سے اوپر کی طرف جو کچھ بھی واقع ہے سب پر اطلاق سماء ہی کا ہوتا ہے۔

کل ماسماك فهو سمآء. (کبیر، ج ۲۷/ص: ۱۲۳)

العلی۔ حق تعالیٰ کی بلندی جہت و مکان کے لحاظ سے تو مراد ہو ہی نہیں سکتی، لامحالہ مراد یہ ہے کہ وہ ذات پاک، ممکنات ومخلوقات کی مشابہت سے بالاتر ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ

کچھ بعید نہیں کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں ۳؎ اور فرشتے اپنے پروردگار کی

لایجوز أن یکون المراد بکونه علیاً العلو فی الجهة والمکان لما ثبتت الدلالة علی فساده. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۲٤)

وجب أن یکون المراد من العلی المتعال من مشابهة الممکنات ومناسبة المحدثات. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۲٤)

العظیم ۔حق تعالیٰ کی عظمت بلحاظ جسم و جثہ تو مراد ہو ہی نہیں سکتی، لامحالہ عظمت بلحاظ قدرت وکمالات مراد ہوگی۔

لایجوز أن یکون المراد من العظیم العظمة بالجثة و کبر الجسم. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۲٤)

وجب أن یکون المراد من العظیم العظمة بالقدرة والقهر بالاستعلاء و کمال الإلهیة. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۲٤)

۳؎ (عظمت وہیبت حق سے)

من عظمة اللّٰه تعالیٰ و جلاله . (روح عن قتادة، ج۲۵/ص:۱۱)

من العظمة . (ابن کثیر عن ابن عباس والضحاك ، ج٤/ص:۹٥)

من هیبته وجلالته. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۲٥)

یا کافروں اور مشرکوں کی شان حق میں شدید یاوہ گوئی سے۔

قیل من دعاء الشریك والولد لهٗ سبحانه کما فی سورة مریم. (روح، ج۲۵/ص:۱۱)

من قول المشرکین اتخذ اللّٰه ولداً نظیره فی سورة مریم. (معالم، ج٤/ص:۱۳۸)

السبب فیه إثباتهم الشرکاء للّٰه تعالیٰ. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۲٥)

ہر صورت میں پیرایۂ بیان دنیا والوں کی سمجھ کے لائق اختیار کیا گیا ہے۔

من فوقهن ۔عربی اسلوب بلاغت کے مطابق یہ زور بیان اور تاکید معنی کے لیے لایا گیا، ورنہ اردو قاعدے کے لحاظ سے تو من تحتهن ہوتا ــــــ اس تفسیر میں بارہا یہ گزارش کی جا چکی ہے

بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ؕ أَلَآ إِنَّ اللَّهَ هُوَ

حمد وتسبیح کرتے رہتے ہیں اور اہل زمین کے لیے طلب مغفرت کرتے رہتے ہیں ۴؎ ارے اللہ تو ہی ہے

کہ قرآن مجید کی بلاغت کو صرف عربی ہی کے پیمانے و معیار سے جانچا جاسکتا ہے نہ کہ دنیا کی کسی اور زبان کے معیار سے۔

بولغ في ذلك، فجعلت مؤثرة في جهة الفوق، كأنه قيل يكون يتفطرن من الجهة التي فوقهن دع الجهة التي تحتهن. (كشاف، ج ٤/ص:٢٠٣)

ایک قول یہ بھی ہے کہ ضمیر هن آسمانوں کی طرف نہیں بلکہ جماعات کفار وملحدین کی طرف ہے اس صورت میں مطلب بالکل واضح ہے، یعنی کچھ بعید نہیں کہ آسمان ان یاوہ گو، کافروں پر پھٹ پڑے۔

وقال علي بن سليمان الأخفش: الضمير للكفار والمراد من فوق الفرق والجماعات الملحدة. (روح، ج ٢٥/ص:١٢)

اور سورۂ مریم کی آیت سے جو ولدیت مسیح کے قائل مسیحیوں کے سلسلے میں ہے، تائید اسی معنی کی ہوتی ہے۔ مریم آیت ۹۰، ۹۱

۴؎ اور نظام عالم شرک کی اتنی شدید گندگی کے بعد کہنا چاہیے کہ انھیں معصوموں کی دعا واستغفار سے قائم و برقرار ہے۔

لمن في الأرض کے عموم میں مومن و کافر دونوں داخل ہیں۔ مومنوں کے حق میں استغفار یہ کہ اللہ ان کی لغزشوں اور خطاؤں کو نظر انداز کرے، کافروں کے حق میں استغفار یہ کہ اللہ ان کے دل میں توفیق ایمان ڈال دے۔

أما في حق الكفار فبواسطة طلب الإيمان لهم، وأما في حق المؤمنين فبالتجاوز عن سيأتهم. (كبير، ج ٢٧/ص:١٢٦)

طمعاً في إيمان الكافر وتوبة الفاسق وهذا يعم المؤمن والكافر.

(روح، ج ٢٥/ص:١٢)

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ

بڑا مغفرت کرنے والا، بڑا رحمت کرنے والا ۵ اور جن لوگوں نے اس کے سوا (دوسرے) کارساز ٹھہرا رکھے ہیں، اللہ

حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

انھیں دیکھ بھال رہا ہے، اور آپ ان پر کوئی داروغہ نہیں ہیں ۶ اور آپ پر اسی طرح یہ قرآن عربی میں

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ

وحی کیا گیا ہے تاکہ آپ مکہ والوں کو ڈرائیں اور ان کو جو اس کے گرداگرد رہتے ہیں ڈرائیں اور جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں

۵ مغفرت ورحمت تو عین اس کی صفات ذات میں داخل ہیں، وہ اگر مغفرت ورحمت سے کام نہ لے گا تو اور کون لے گا!

۶ ایک بار پھر اس حقیقت کا اعلان کہ معاملاتِ تکوینی میں قادر و متصرف صرف ذات حق تعالیٰ ہے، رسولؐ کے ذمہ صرف پیام واحکام کی تبلیغ وتلقین ہے، کسی کے ماننے نہ ماننے کی ذمہ داری ان کے اوپر ذرا سی بھی نہیں، اللہ خود ہی وقت مناسب پر سب سے نپٹ لے گا ــــــ شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے اس موقع پر وکیل کا ترجمہ ''داروغہ'' ہی سے کیا ہے۔

اللّٰہ حفیظ علیہم ۔ اللہ سے ان کا نہ کوئی قول پوشیدہ ہے، نہ کوئی فعل، بڑا ہو یا چھوٹا۔ اور وہ ان کی ایک ایک چیز پر جزا وسزا دے گا۔

رقيب على أحوالهم وأعمالهم، لا يفوته منها شيئ، وهو محاسبهم عليها لا رقيب عليهم إلا هو وحده. (كبير، ج۲۷/ص:۱۲۷)

۷ أم القرىٰ أم عربی میں ہر وہ چیز ہے جو دوسری چیزوں کا مبدا، مرکز ومصدر ہو۔

والعرب تسمي أصل كل شيئي أمه. (كبير، ج۲۷/ص:۱۲۷)

يقال لكل ما كان أصلاً لوجود شيئ أو تربيته أو إصلاحه أو مبدئه أم. (راغب، ص:۲۹)

تو ام القریٰ کے لفظی معنی بستیوں کی ماں یا آبادیوں کے مرکز کے ہوئے۔ مراد بالاتفاق شہر مکہ سے ہے۔

قیل لمکة أم القریٰ وذلك لما روی أن الدنیا دُحیت من تحتها. (راغب، ص:۲۹)

وھی مکة وسمیت بھذا الاسم إجلالاً لھا. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۲۷)

لفظ سورۃ الانعام (آیت:۹۲) میں قریب ختم پارہ کے آیا ہے، وہاں کا حاشیہ ملاحظہ کرلیا جائے ـــــ اور یہ بھی خوب خیال کرلیا جائے کہ قرآن مجید کا کوئی بھی لفظ بے توجہی اور سرسری نظر سے پڑھنے کے قابل نہیں۔ ہر لفظ میں خدا معلوم کیسے کیسے گہرے معنی پوشیدہ رہتے ہیں جو نہ معلوم کب کھلیں، اور تاریخ کے کس زمانے پر جاکر منکشف ہوں۔ ''ام القریٰ'' کے سلسلے میں اگر سائنس کی مزید ترقیوں اور انکشافات کے بعد کہیں یہ ثابت ہوجائے کہ آج سے ہزار ہا ہزار سال پہلے عرب خصوصاً حجاز کی آب وہوا اس درجہ گرم وخشک نہ تھی، بلکہ معتدل وشاداب تھی، اور اُس وقت کی تمدنی وثقافتی زندگی کا منبع ومخرج یہی خطۂ زمین تھی، تو اس وقت ام القریٰ کا یہی مفہوم روشنی میں آئے ـــــ عین جس وقت اس حاشیے پر نظر ثانی ہورہی تھی یعنی مارچ ۱۹۶۲ء میں، چنڈی گڑھ جو مشرقی پنجاب کا ایک خوبصورت شہر ہے، اس پر ایک مضمون دہلی کے ایک مشہور انگریزی روزنامہ کے میگزین سیکشن میں ایک ماہر اثریات (آرکیالوجسٹ) کے قلم سے نظر سے گزرا ہے۔ اس میں بتایا یہ گیا ہے کہ دو تین ملین (۲۰، ۳۰ لاکھ) سال قبل اس خطہ کا زمین وآسمان ہی بالکل دوسرا تھا، بجائے خشکی کے یہاں پانی کی جھیلیں رہا کرتی تھیں، وقس علی ہذا۔ اس بحث کا کہ جب جیالوجی (علم طبقات الارض) کی رُو سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ایک مدت دراز کے اندر خشکی تری میں اور تری خشکی میں تبدیل ہوجاتی ہے اور دریا ریگستان اور ریگستان دریا بن سکتے ہیں تو آب وہوا کی تبدیلی تو اس سے ہلکی چیز ہے، اگر کوئی زمانہ ایسا گزرا ہو کہ حجاز معتدل آب وہوا رکھتا ہو، بجائے کوئی ریگزار کے یہ ایک مرکز تھا، بقول ماہر ''جہاں سے ساری تیزیوں نے جنم لیا ہے'' تو اس میں کوئی ایسی حیرت انگیز بات نہیں۔

ومن حولھا۔ صرف آس پاس ہی کی بستیاں اور آبادیاں مراد نہیں، بلکہ سارا عالم مراد ہے۔ مرکز سے قطر نزدیک ہو یا دور، بہرحال اُسی مرکز ہی سے اس کا تعلق قائم رہے گا۔

أی الأرض کلھا. (ابن جریر۔ عن ابن عباس) إلی المشرق والمغرب. (ابن جریر۔ عن ابن عباس، ج۱۱/ص:۵۳۱)

لَارَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ۞ وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ

جس میں ذرا شک نہیں ۸ ایک گروہ جنت میں (داخل) اور ایک گروہ دوزخ میں، اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی

لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ؕ

توان سب کوایک ہی طریقہ کا بنادیتا، لیکن جس کے لیے اس کی مشیت ہوتی ہے اسی کو وہ اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے

وَالظّٰلِمُوْنَ مَالَهُمْ مِّنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۞ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ

اوران ظالموں کا نہ کوئی حمایتی نکلے گا نہ مددگار ۹ کیا ان لوگوں نے (اللہ) کے سوا کارساز ٹھہرا رکھے ہیں؟

دخل فيه سائر البلدان و القرىٰ. (كبير، ج ١٣/ص: ٦٧)

يعني قرى الأرض كلها. (معالم، ج ٤/ص: ١٣٨)

من سائر الخلق. (قرطبي، ج ١٦/ص: ٦)

كذلك ۔ اس اسم اشارہ کا مشارٌ الیہ آیت ماقبل کا مفہوم ہے۔

ذلك اشارة إلى معنى الآية قبلها من أنّ اللّٰه تعالىٰ هو الرقيب عليهم، وما أنت برقيب عليهم، ولكن نذيرلهم. (كشاف، ج ٤/ص: ٢٠٤)

أوحينا إليك قرآناً عربيًا ۔ ایک بار پھر اس حقیقت کا اعلان کہ قرآن (بہت پڑھی جانے والی کتاب) رسول اسلامؐ پر اللہ نے وحی سے نازل کی ہے۔

۸ یعنی قیامت کے دن سے۔

روزحشر یا یوم احتساب کا ذر اصلاح عقائد واخلاق میں فطرتِ بشری کے لیے خاص طور پر مؤثر ہے۔

لاريب فيه ۔ یہ صفت یوم الجمع کی ہے۔

۹ مطلب یہ ہوا کہ اگر مشیت تکوینی یوں ہی ہوتی تو سب ایک ہی دینی طریق پر خلق کیے جاتے، لیکن بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں سے یہ منظور نہ ہوا، اب سب کے سب اضطراراً ہدایت یاب نہ ہوں گے، بلکہ صرف وہی مخصوص گروہ ہدایت یاب ہوگا جس پر مخصوص رحمت الٰہی بھی ہوگی اور منکرین وکافرین قیامت کے دن بالکل بے سہارے کے ہوں گے۔

فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٩﴾

سو کارساز تو بس اللہ ہی ہے اور وہی مردوں کو زندہ کردے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ۱۰

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ

اور جس چیز میں تم اختلاف کرتے ہو، اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے ۱۱ یہی اللہ میرا پروردگار ہے

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿١٠﴾ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

میں اسی پر توکل رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ۱۲ (وہی) پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا

والظلمون۔ ظلمون سے یہاں بھی مراد اہل کفر و شرک ہیں۔

الظلمون الكافرون. (معالم، ج ٤/ص: ١٤٠، مدارك، ص: ١٠٨٢)

۱۰ (تو اس کے سوا تو کسی میں کارساز بننے کی صلاحیت ہی نہیں)

مقصود مشرکوں اور اہل کتاب دونوں کے عقائد شرکیہ کی تردید ہے۔ کارساز اور مردوں کو جلانے والا اور قادر مطلق تو بس وہی ایک ہے۔

۱۱ (دنیا میں دلیل صحیح سے اور آخرت میں فیصلے کے عملی نفاذ سے)

فحکمه إلى الله۔ حکم إلى الله کے تحت میں حکم منصوص و حکم مستنبط دونوں آگئے، اور حکم نص اور استنباط دونوں پر حاوی ہے، گو دونوں کے درجۂ استناد میں بڑا فرق قائم رہے۔

اسی ایک حقیقت کے سمجھ لینے سے افراط و تفریط میں مبتلا بہت سے فرقوں کے مغالطوں کا جواب نکل آیا۔

۱۲ (اور ظاہر ہے کہ دنیا و آخرت کے ہر امر میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرے گا، اور اسی پر بھروسہ رکھے گا، اسے کسی مخلوق سے خوف ہی کیا ہوسکتا ہے)

قرآن نے بار بار زور اس حقیقت پر دیا ہے کہ اللہ کو ایک فلسفیانہ نظریے کے ماتحت محض مسبب الاسباب یا خالقِ کل سمجھے رہنا ہرگز کافی نہیں، ضرورت اس کی ہے کہ اس کے ساتھ انسان تعلق اپنی ہر ضرورت کا جوڑے رہے، اور اسی کو مدبر عالم و کارساز کائنات سمجھتا رہے۔ مشرک قوموں کی اصل گمراہیاں اسی باب میں تھیں۔

جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ

(اسی نے) تمھارے لیے تمھاری جنس کے جوڑے بنائے اور مویشیوں کے جوڑے بنائے اور اس کے ذریعہ سے تمھاری نسل

فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١١﴾

چلاتا رہتا ہے، کوئی چیز اس کے مثل نہیں اور وہی (ہر بات) کا سننے والا ہے (ہر چیز) کا دیکھنے والا ہے ۱۳

ذلکم ۔ یعنی وہی جو میرے اور تمھارے درمیان حاکم ہے۔

أی ذلکم الحاکم بینکم هو ربی. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۲۹)

علیه ...... أنیب ۔ توکل وانابت کے سارے رشتے بس اسی ایک ذات سے قائم رکھنے کے ہیں۔ علیه اور إلیه دونوں کی ترکیب میں معنی حصر کے پیدا ہو گئے ہیں یعنی توکل اسی ایک پر رکھتا ہوں اور رجوع اسی ایک کی طرف کرتا ہوں۔

۱۳ (اور وہ جاہلی مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح نہیں، جس کا علم وادراک وہ خود ہی ہر طرح ناقص ومحدود تسلیم کرتے ہیں)

فیه ۔ فی یہاں ''ب'' کے معنی میں ہے اور ضمیر ''ہ'' سے مراد تدبیر بشری ہے۔

أی فی ما ذکر من التدبیر. (روح، ج۲۵/ص:۱۷)

لیس کمثله شیئ ۔ یہ اصل اصول ہے صفات تنزیہ کی۔ کوئی شے بھی پیش کی جائے، اللہ کی ہم جنس، ہم نوع، ہمسر، ہم وصف، غرض کسی طرح بھی ''مثل'' نہیں ہو سکتی ہے۔

عارف رومی نے آخر عاجز آ کر کہہ دیا ہے ۔

اے برون از وہم وقول وقیل من
خاک بر خون من وتمثیل من

کمثله ۔ ك زائد تاکید کے معنی کے لیے ہے۔

الکاف الزائدة للتأکید. (روح عن الزجاج وابن جنّی والأکثرین، ج۲۵/ص:۱۸)

قیل إن الکاف زائدة للتوکید. (قرطبی، ج۱۶/ص:۸)

والمعنی لیس کهو شیئ علی سبیل المبالغة. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۳۲)

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ

اسی کے اختیار میں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی ہیں وہ جسے چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور (جسے چاہے) نپی تلی دیتا ہے

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۲ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا

بے شک وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے ۱۴ اسی نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا

وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى

اور جس کی ہم نے آپ کے پاس وحی کی ہے اور ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو یہی حکم دیا تھا

فاطر السموات والأرض۔ کائنات کی چھوٹی بڑی ہر چیز کو وہی نیستی سے ہستی میں لانے والا ہے۔

من أنفسکم أزواجاً۔ بیویاں جنس انسانی ہی سے ہیں، کسی دوسری جنس سے نہیں۔ اس میں ایک طرف تردید ہوگئی ان باطل مذہبوں کی جو عورت کو غیر انسانی قسم کی مخلوق قرار دیے ہوئے ہیں، اور دوسری طرف ترغیب آگئی بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت کی۔

۱۴ (ساری مخلوقات کی ضرورتوں سے، مصلحتوں سے خبردار)

ابھی ابھی ذکر آچکا ہے کہ زمین و آسمان ساری کائنات کا خالق حق تعالیٰ ہے، اب ارشاد ہو رہا ہے کہ محض خالق و فاطر ہی نہیں بلکہ رازق، قادر، حاکم، متصرف بھی وہی ہے، اور وہ بھی یوں ہی اٹکل پچو نہیں، بلکہ رتی ماشہ پورے پورے حساب کے ساتھ ـــــ اور اس کا علم کلیات تک محدود نہیں، کلیات وجزئیات، ظواہر وخفایا سب پر یکساں حاوی۔

له...... الأرض۔ وہی اس خزانۂ کائنات میں سے جس کو جتنا چاہے دے۔

یبسط...... یقدر۔ ہر ایک کے ظرف اور ضرورت اور مصلحت پر نظر رکھ کر اسے دینے والا۔

له...... ویقدر۔ اس میں بندوں کو تنبیہ ہے کہ تم فن معاشیات کا جتنا بھی چاہو مطالعہ کر ڈالو، یہ کبھی بھی نہ سمجھنا کہ تم نے اللہ کی قدرت وحکمت کا احاطہ کر لیا ہے، اللہ کی مشیت تمھارے جانے ہوئے ضابطوں اور بتائے ہوئے قاعدوں سے بہر حال ہمیشہ بالاتر ہی رہے گی۔ اور اسباب رزق کی فراہمی، وسعت وتنگی کو تم تمام تر اپنے علوم کی گرفت میں نہ لا سکو گے۔

اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الۡمُشۡرِكِيۡنَ

یعنی یہ کہ اس دین کو قائم رکھنا اوراس میں تفرقہ نہ ڈالنا ۱۴ (الف) مشرکین پر وہ بات بہت گراں ہے

مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَيۡهِ ؕ اَللّٰهُ يَجۡتَبِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ

جس کی طرف آپ انھیں بلارہے ہیں ۱۵ اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے، اوراپنی طرف رسائی دے دیتا ہے ہراس شخص کو

۱۴ (الف) (کہ دین کی اصل واحد یہی ہے)

شرع لکم......وعیسیٰ ۔یہ اصل یا بنیادی دین وہی ہے، جو ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، اور جس کی منادی سارے ہی پیمبر کرتے چلے آئے ہیں، شریعتیں یعنی وقتی ومقامی قانون تبدیل ہوتے رہے ہیں، لیکن اصل دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے توحید، رسالت وآخرت پر ایمان اور طاعت الٰہی کا حکم۔

دين نوح ومحمد ومن بينهما من الأنبياء . (كشاف) والمراد إقامة دين الإسلام الذى هو توحيد الله وطاعته، والإيمان برسله و كتبه، وبيوم الجزاء. (كشاف، ج٤/ص:٢٠٩)

۱۵ آیت میں ایک بڑے اہم مسئلہ وحدتِ دین کا بیان ہے۔دین اصلاً شروع سے بالکل ایک رہا ہے، تفصیلاتِ شریعت (یعنی احکام واعمال) ہر دور کی مناسبت سے بدلتے رہتے ہیں، لیکن نفس دین (یعنی عقائد اساسی) شروع ہی سے دین توحید ہے، اوراسی کا ایک لازمی جز مسئلۂ نبوت ہے۔

نوحاً ۔ نوحؑ وہ سب سے پہلے پیمبر ہیں جن سے سلسلۂ نبوت حضرت خاتم النبیینؐ کے وقت تک برابر قائم رہا، نوح، ابراھیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام سب پر حاشیے گزر چکے۔

ابراھیم علیہ السلام نبوت کے دونوں سلسلوں اسرائیلی واسماعیلی کے ابوالآباء تھے۔موسیٰ علیہ السلام سلسلۂ اسرائیلی کے مشہور ترین نبی اور صاحب شریعت وکتاب۔عیسیٰ علیہ السلام سلسلۂ اسرائیلی کے خاتم اور صاحب کتاب۔

بعض نے کہا ہے کہ ان چار کے نام صراحۃً اس لیے آئے ہیں کہ یہ چار انبیاء صاحب شریعت ہوئے ہیں۔

وخص نوحاً وابراهيم وموسىٰ وعيسىٰ بالذكر لأنهم أرباب الشرائع (قرطبی، ج١٦/ص:١١)

کبر......الیہ ۔یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ توحید کی دعوت مع اس کے مضمرات ومتضمنات

مَنۡ یُّنِیۡبُ ﴿۱۳﴾ وَ مَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡعِلۡمُ

جو (اس کی طرف) رجوع کرے ۱۶؎ اور تفرقہ تو اس وقت سے ان لوگوں نے پیدا کیے جب ان کے پاس علم (صحیح) پہنچ چکا تھا

بَغۡیًۢا بَیۡنَہُمۡ ؕ وَ لَوۡ لَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی

(وہ بھی) آپس کی ضدا ضدی سے ۱۷؎ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات ایک وقت معین تک کے لیے طے نہ ہو چکی ہوتی

لَّقُضِیَ بَیۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡرِثُوا الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ لَفِیۡ شَکٍّ

تو اس کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا ۱۸؎ اور جن لوگوں کو کتاب (الٰہی) ان کے بعد دی گئی وہ اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے

کے اہل جاہلیت کو ہر دور میں اور ہر جگہ نہایت گراں گزری ہے۔

۱۶؎ یعنی جس سے اس کی مشیت متعلق ہو جاتی ہے، اسے وہ دین حق کی توفیق دے دیتا ہے، اور جو اس کی طرف جھکتا ہے، اسے وہ اپنا تقرب دے کر رہتا ہے۔

یجتبی إلیه من یشاء۔ مرتبۂ اجتباء کا تعلق تمام تر مشیت تکوینی سے ہے۔

یهدی إلیه من ینیب۔ انابت و رجوع الی اللہ پر ہدایت ضرور ہی مرتب ہو جاتی ہے۔

یعنی توفیق ایمان کے بعد اگر انابت و اطاعت ہو تو اس پر قرب الٰہی و ثواب غیر متناہی مرتب ہوتا ہے (تھانوی، ج ۲/ص: ۲۶۵)

روح المعانی میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے جذب و سلوک کی طرف۔ (روح، ج ۲۵/ص: ۲۲)

مرشد تھانویؒ نے اس اجمال کی تفصیل یہ کی کہ جبی (مادہ اجتباء) کے معنی جذب کے اور ھدایت کے معنی ہیں سالک کو راہ دکھلانے کے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۴۶۴)

۱۷؎ یہاں ایک بار پھر اس حقیقت کا اعادہ ہے کہ دین اصلی اور دین قدیم تو دین توحید ہی ہے، شرک اور مبتدع و مخترع ادیان کی ایجاد تو بہت بعد کی چیز ہے، اور اس کی بنیاد بھی کسی اجتہادی غلطی پر نہیں، بلکہ تمام تر نفسانیت پر ہے۔

العلم۔ یعنی دین صحیح۔

• بغیاً بینهم۔ آپس کی نفسانیت سے، نہ کہ کسی علمی مسئلہ میں اختلاف فہم سے۔

۱۸؎ (عملاً اور عیاناً اسی دنیا میں)

مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ فَادۡعُ ۚ وَاسۡتَقِمۡ كَمَاۤ اُمِرۡتَ ۚ

متردد ہو رہے ہیں ۱۹ سو آپ اسی بنا پر (انھیں) بلائے جایئے (دین حق کی طرف) اور قائم رہیے جس طرح آپ کو حکم ملا ہے

وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ ۚ وَقُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنۡ كِتٰبٍ ۚ

اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیئے اور آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے جو بھی کتابیں نازل کی ہیں میں ان پر ایمان لاتا ہوں

وَاُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَيۡنَكُمۡ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡ ؕ لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا

اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ (اپنے اور) تمھارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی پروردگار ہے، ہمارے لیے ہمارے عمل

وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ؕ لَا حُجَّةَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ ؕ اَللّٰهُ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا ۚ

اور تمھارے لیے تمھارے عمل، ہماری تمھاری کوئی بحث نہیں، اللہ ہی ہم سب کو جمع کرے گا

كلمة سبقت من ربك۔ وہ طے شدہ بات یہی کہ پورا عذاب آخرت میں ہوگا۔

آیت مومنین کی تسکین و تسلی کے لیے ہے کہ یہ مجرم جواب تک بچے ہوئے ہیں، یہ اپنے کسی ذاتی استحقاق کی بنا پر ہرگز نہیں، بلکہ اس لیے کہ اللہ نے انھیں اپنی تکوینی حکمتوں اور مصلحتوں سے ان کی سزا کو دار العمل میں نہیں بلکہ دار الجزا کے لیے ملتوی رکھا ہے۔

۱۹ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر اہل کتاب۔

هم أهل الكتاب الذين كانوا في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم. (كبير، ج۲۷/ص:۱۳۶)

قال الأكثرون هم اليهود والنصارىٰ. (كبير، ج۲۷/ص:۱۳۶)

من بعدهم ۔ ضمیر هم منکرین سابقین اہل کتاب کی جانب ہے۔

أي من بعد أنبيائهم، وقيل من بعد الأمم الخالية. (معالم، ج٤/ص:١٤١)

لفي شك منه مريب۔ یعنی اپنے ہی دین اور اپنی ہی کتابوں کی حقیقت کی طرف سے شک و شبہ، تردد و تذبذب میں مبتلا ہیں اور اس پر اس طرح ایمان نہیں رکھتے جو ایمان کا حق ہے۔

منه ۔ ضمیر کتابھم کی طرف ہے۔

من كتابهم. (كشاف، ج٤/ص:٢١٠)

وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ

اور اسی کے پاس جانا ہے ۲۰ اور جو لوگ اللہ کے باب میں جھگڑے نکالتے ہیں بعد اس کے کہ وہ مان لیا گیا،

حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ

ان کی دلیل ان کے پروردگار کے نزدیک بالکل ردی ہے اور غضب (نازل ہونے والا) ہے ان پر

۲۰ (اور وہی سب کا فیصلہ کردے گا، ابھی بحث بے کار ہے، البتہ تبلیغ کیے جائیے)

لا تتبع أهوائهم۔ اور ان لوگوں کی خواہشوں پر نہ چلئے، جیسا کہ اب تک بھی نہیں چلے ہیں۔

لأعدل۔ ل مرادف أن کے ہے۔

أى أمرت أن أعدل. (روح، ج۲۵/ص:۲٤)

أمرت لأعدل بينكم ۔یعنی تمھارے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھوں، اور تمھارے اوپر اس سے زائد بار نہ ڈالوں، جتنے کا شریعت نے تمھیں مکلف کیا ہے، اور ہر حال میں تمھارے معاملے میں عدل سے کام لیتا رہوں۔

قال ابن عباس أمرت أن لا أحيف عليكم بأكثر فيما افترض الله عليكم من الأحكام وقيل لأعدل بينكم في جميع الأحوال والأشياء. (معالم، ج٤/ص:١٤١)

أى في الحكم كما أمرني الله. (ابن كثير، ج٤/ص:٩٧)

لأعدل۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ل یہاں لام کَی ہے۔

قيل هي لام كَي، أى لكي أعدل. (قرطبي، ج١٦/ص:١٣)

الله ربنا وربكم ۔ ہمارا اور تمھارا، مومنوں کا اور منکروں کا، خدا و پروردگار تو وہی اور ایک ہی ہے، یہ نہیں کہ ہمارے خدا کچھ اور ہیں اور تمھارے کچھ اور۔

فلذلك۔ یعنی ان کے اسی تفرق کی بنا پر۔

فلأجل ذلك التفرق أو الكتاب أو العلم الذى أوتيته. (بيضاوى، ج٥/ص:٥٣)

وإليه المصير۔ یعنی واپسی اسی ایک کی طرف ہے نہ کہ کسی اور کی جانب۔

لنا أعمالنا الخ ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ ہدایت ایسے موقع کے لیے ہے جب

وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿١٦﴾ اَللّٰهُ الَّذِيٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ

اورعذاب سخت ہے ان کے لیے ۲۱ اللہ وہی تو ہے جس نے کتاب کوحق اورانصاف کے ساتھ نازل کیا

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿١٧﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ

اورآپ کوکیا خبر،عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی ہو ۲۲ اس کے لیے جلدی وہی لوگ مچارہے ہیں جو

مناظرہ ختم ہوجانے پربھی قبول حق کی توقع نہ ہو۔(تھانوی،ج۲/ص:۴۶۴)

۲۱ (آخرت میں)

فی اللہ۔یعنی اللہ کے دین وشریعت کے باب میں۔یحاجون فی اللہ۔یعنی حق تعالیٰ کے دین حق کے باب میں اہل ایمان سے جھگڑا نکالتے رہتے ہیں۔

حجتھم......ربھم۔اس بطلانِ حجت کاظہورِکامل حشرمیں ہوگا۔

مااستجیب لہ۔لہ کی ضمیراللہ تعالیٰ کی جانب ہے،یعنی بعداس کے جولوگ اللہ اوراس کے دین کومان سکے۔

أی من بعد مااستجاب الناس للّٰہ عزوجل أولدینه. (روح،ج۲۵/ص:۲۵)

أی من بعد ما وحدوا اللّٰہ وشھدوا له بالوحدانیة. (قرطبی،ج۱٦/ص:۱٤)

۲۲ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کلی کا اثبات،جس کا دعویٰ اس زمانے کے بعض عالم نما جاہلوں نے کیا ہے ایک بدیہی البطلان دعویٰ ہے۔قرآن مجید نے جہاں اس کی اوربیسیوں طریقوں سے صراحت کی ہے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وقت قیامت کے علم کی نفی بھی بار بار کی ہے۔

المیزان۔میزان کے معنی عدل کے بھی کیے گئے ہیں اورشریعت کے بھی،اورحاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔

وھوالعدل والانصاف، قاله مجاھد وقتادة. (ابن کثیر،ج٤/ص:۹۸)

قال قتادة ومجاھد ومقاتل العدل. (معالم،ج٤/ص:۱٤۲)

أی العدل کما قال ابن عباس، ومجاھد، وقتادة وغیرھم أوالشرع الذی یوزن به الحقوق. (روح،ج۲۵/ص:۲٦)

لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۗ

اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جولوگ ایمان رکھتے ہیں وہ تو اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے ۲۳

أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿١٨﴾ اللَّهُ لَطِيفٌ

جولوگ قیامت کے باب میں جھگڑے نکالتے ہیں، دور دراز کی گمراہی میں مبتلا ہیں، اللہ اپنے بندوں کے باریک امور سے

بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿١٩﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ

خوب باخبر ہے، جس کو چاہتا ہے روزی دیتا ہے اور وہ بڑا قوت والا ہے بڑا زبردست ہے ۲۴ جو کوئی آخرت کی

الکتٰب ۔ایک بار پھر اس حقیقت کا اعلان کہ قرآن پاک شروع ہی سے ایک مستقل ومرتب کتاب ہے، یہ نہیں کہ بعد کو صحابہؓ نے اپنے ظن وتخمین سے ایک مجموعہ مرتب کرلیا!

۲۳ یعنی قیامت کو اگر آنا ہے تو آ کیوں نہیں جاتی ، یہ تقاضا بطور استہزا تو منکرین ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے، باقی جو اہل ایمان ویقین ہیں وہ تو اس کے یقینی وقوع سے اور اپنے اعمال کی کوتاہیوں پر نظر کر کے ہمیشہ اس سے عقلاً خائف ہی رہتے ہیں (گو کبھی حالاً واضطراراً اس کا شوق غالب بھی آجائے)

مشفقون منها ۔باب افعال میں سلب خاصیت کا اثر ہوتا ہے، اشفاق کے معنی میں مہربانی اور خوف دونوں شامل ہیں ۔استعمال میں جب اس کا صلہ من کے ساتھ آتا ہے (جیسا کہ یہاں ہے) تو ''خوف'' کا پہلو غالب آجاتا ہے، اور جب صلہ '' علی '' کے ساتھ آتا ہے، تو ''مہربانی'' کے پہلو کو غلبہ حاصل ہوجاتا ہے۔

الاشفاق عناية مختلطة بخوف فإذا عدى بمن كما هنا فمعنى الخوف فيه أظهر، وإذا عدى بعلىٰ فمعنى العناية أظهر. (راغب،ص:۲۹۶، روح،ج۲۵/ص:۲۶)

۲۴ (اور ان صفات کا پورا ظہور دوسری صفاتِ الٰہیہ کی طرح آخرت میں ہوگا)

اللّٰہ ......یشاء ۔یعنی حق تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے مصالح خفیف ومنافع بعید سے خوب واقف ہے۔ وہی حسب مصالح تکوینی جس کو جس قدر چاہتا ہے روزی دیتا ہے۔رزق کی افراط وتفریط، زر ومال کی کثرت یا افلاس، یہ سب انتظامی امور ہیں، انھیں کسی کے حق وباطل ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔

حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ‌ۚ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا

کھیتی کا طالب ہے ہم اسے اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے، اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا طالب ہے

نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ ۝ اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا

ہم اسے کچھ دنیا میں سے دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ بھی حصہ نہ ہوگا ۲۵ تو کیا ان کے (تجویز کیے ہوئے) کچھ شریک ہیں

إن الذين يمارون فى الساعة۔ یعنی وہ لوگ جو اپنی ان کج بحثیوں میں پڑے رہتے ہیں کہ قیامت آئے گی بھی یا نہیں۔

وهو القوى العزيز ۔اور اس پر کسی کا زور اور دباؤ نہیں، اس نے خود ہی حکمت و مصلحت سے جس کو جو چاہا دیا ہے۔ العزیز وہ ہے جو سب پر غالب ہو، اور کوئی اس پر غالب نہ ہو سکے۔ کوئی اس قوی وعزیز کے ارادے میں روک نہیں بن سکتا۔

هو الغالب القوى الذى لايُغلب (نهاية، ج٣/ص:٢٠٦)

الذى يَقهَر ولايُقهَر. (راغب،ص:٣٧٢)

الله لطيف بعباده۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ اپنے بندوں کے حق میں کامل الاحسان ہے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اللطیف جب بطور اسم الٰہی کے آتا ہے تو اس کے معنی ایسی ہستی کے ہوتے ہیں جو ایک طرف شفقت کی اور دوسری طرف باریک مصلحتوں کے علم کی اور تیسری طرف خلق تک اس کے پہنچا دینے کی قدرت کی جامع ہو۔

اللطيف هو الذى اجتمع له الرفق فى الفعل، والعلم بدقائق المصالح وإيصالها إلى من قدرها له من خلقه. (نهاية، ج٤/ص:٢١٧)

۲۵ (اس لیے کہ آخرت میں حصہ ملنے کی پہلی شرط ایمان ہے، اور وہی یہاں مفقود ہے)

مطلب یہ ہوا کہ طلب کے قابل صرف آخرت ہے (دنیا اس میں ضمناً خود ہی آجائے گی) نہ کہ دنیا کہ اول تو وہ حسب تمنا اور بہ مقدار طلب نصیب نہیں ہو پاتی، اور پھر جتنی بھی ملتی ہے اس میں پڑنے سے آخرت سے بالکل حرمان ہی ہو جاتا ہے۔

من كان يريد حرث الدنيا۔ یعنی اس کا مطمح نظر تمام تر دنیا ہی ہے، اس کی کسی سعی و تدبیر کا

شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ

جنھوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کردیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے، اور اگر ایک قول فیصل نہ ہوتا

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢١﴾ تَرَى الظَّالِمِينَ

توان کے درمیان (عملی) فیصلہ اب تک ہو چکا ہوتا، اور کافروں کو ضرور عذاب دردناک ہوگا ۲۶ آپ کافروں کو دیکھیں گے

آخرت سے کوئی تعلق ہی نہیں، ایسے شخص سے ظاہر ہے کہ ایمان تک مفقود ہوگا۔

اہل ایمان اس کے برعکس نہ دنیا کو سرے سے ترک کردیتے ہیں، نہ اسے اپنا مطمح نظر بنائے رکھتے ہیں، بلکہ دنیا کو آخرت کا ذریعہ بتاتے ہیں۔ آج مغربی تمدن کس طرف لیے جارہا ہے اور آج ''جدید'' ذہن کی کیا حالت ہورہی ہے، یہ ہر شخص پر روشن ہے!

طلبِ آخرت اور طلبِ دنیا، دونوں مقاصد میں قرآن مجید نے یہاں جو فرق بیّن رکھا ہے، وہ بہت اہم ہے۔ آخرت کے طالب کے لیے صاف وعدہ ہے، بلا کسی شرط وقید کے کہ اسے کامیاب ہی نہیں، بلکہ اس کے حوصلۂ طلب سے بڑھ کر کامیاب کردیا جاتا ہے، بخلاف اس کے طالب دنیا کو آخرت تو سرے سے ملتی ہی نہیں، اور دنیا جو کچھ ملتی ہے، وہ بھی پوری نہیں بلکہ اس کا صرف ایک حصہ۔ نؤتہ منھا.

حرث الآخرۃ۔ حرث الدنیا۔ آخرت اور دنیا دونوں کی تشبیہ کھیتی سے، اعمال کے نشوونما کے لحاظ سے ہے۔

آیت سے ظاہر ہے کہ انسان اپنے اختیار وانتخاب میں بالکل آزاد ہے، اس پر جبر کسی قسم کا بھی نہیں، اور اس آزادیٔ ضمیر پر مدار ثواب وعذاب کا ہے۔

ف ۲۶ (آخرت میں)

شرعوا......اللہ۔ شرک کے ساتھ ساتھ آیت کے اس جز میں بدعت یعنی دین میں اپنی طرف سے بات نکالنے کا بھی ابطال ہے۔

إن الظلمین......ظلمین یہاں بھی قرآن مجید کے اکثر مقامات کی طرح کافروں کے معنی میں ہے۔

أی المشرکین. (معالم، ج ٤/ص: ١٤٣)

لولا کلمۃ الفصل۔ وہ قول فیصل یہی ہے کہ پوری جزائے اعمال آخرت یا دارالجزا میں

مُشۡفِقِیۡنَ مِمَّا کَسَبُوۡا وَ ہُوَ وَاقِعٌۢ بِہِمۡ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا

ڈرتے ہوئے اپنے کرتوتوں سے اس حال کو وہ (وبال) ان پر پڑ کر رہے گا، اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ فِیۡ رَوۡضٰتِ الۡجَنّٰتِ ۚ لَہُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ

عمل بھی کیے وہ بہشتوں کے باغوں میں ہوں گے وہ جس چیز کو بھی چاہیں گے ان کے پروردگار کے پاس انھیں ملے گی

ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَضۡلُ الۡکَبِیۡرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِکَ الَّذِیۡ یُبَشِّرُ اللّٰہُ عِبَادَہُ الَّذِیۡنَ

بس یہی تو بڑا انعام ہے ۲۷ یہی وہ بشارت ہے جو اللہ اپنے بندوں کو دے رہا ہے جو

ملے گی، نہ کہ اس دنیا میں۔

۲۷ (نہ کہ وہ عیش وآرام جو اسی دنیا تک محدود ومخصوص رہے)

الظلمین۔ یہاں بھی مراد کافر ہی ہیں۔

أی المشرکین. (معالم، ج٤/ص:١٤٣)

والظالمون ھھنا الکافرون. (قرطبی، ج١٦/ص:٢٠)

دنیا میں ہیبتِ حق سے اہل ایمان ڈرتے رہتے ہیں اور منکر و کافر آخرت سے بےفکر رہتے ہیں، آخرت میں جب مشاہدۂ اعمال ہونے لگے گا، یہ ترتیب الٹ جائے گی۔ مؤمنین کے چہرے پر اطمینان وبشاشت کے انوار ہوں گے اور کافروں، منکروں کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی ہوں گی۔

الجنت۔ جنات کو صیغۂ جمع میں اس لیے لائے کہ بہشت کے مختلف طبقے اور درجے ہیں، پھر ہر طبقہ خود ایک بہشت ہے، پھر ہر طبقے کے اندر باغات متعدد ہیں۔ اپنے اپنے درجے ومرتبے کے مطابق کوئی کہیں ہوگا، اور کوئی کہیں۔

لھم......عند ربھم۔ "وہ جو کچھ بھی چاہیں گے، اپنے پروردگار کے یہاں حاصل کرلیں گے"۔ ان چند الفاظ کے اندر اہل جنت کے لیے ہر ممکن لذت وراحت وآسایش کی بشارت آگئی ـــــ جس کسی نے عالم ناسوت میں اپنے کو قوانین شریعت کے تابع بنا کر رکھا ہے تو آخرت میں اس کا یہ انعام ملے گا کہ خود قوانین تکوینی اس کی مرضی وارادے کے پابند ہوجائیں گے۔

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا

ایمان لائے اور (جنھوں نے) نیک عمل کیے، آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اور معاوضہ نہیں طلب کرتا بجز

الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ

رشتے داری کے محبت کے ۲۸ اور جو کوئی نیکی کرے گا ہم اس کی نیکی میں اور خوبی زیادہ کردیں گے

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ انعاماتِ جنت لامتناہی ہوں گے، کیوں کہ انسان کی خواہشیں تو کسی منزل ومقام پر بھی پہنچ کر رک نہیں جاتیں، وہ تو اور اس کے بعد کا بھی درجہ چاہا ہی کرتا ہے۔

يدخل في باب غير المتناهي لأنه لا درجة إلا والإنسان يريد ما هو أعلى منها.

(کبیر، ج۲۷/ص:۱۴۱)

اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس درجہ کی کنہ اور ماہیت تک بجز حق تعالیٰ کے کسی کا ذہن نہیں پہنچ سکتا۔

دل ذلك على أن ذلك الجزاء قد بلغ إلى حيث لا يعلم كنهَهٗ إلا الله تعالىٰ.

(کبیر، ج۲۷/ص:۱۴۱)

ذلك هو الفضل الكبير۔ سب سے بڑا فضل یہی تو ہے۔ متکلمین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ آخرت میں جو کچھ بھی انعامات حاصل ہوں گے، وہ اگرچہ عمل ہی پر مرتب ہوں گے، تاہم بطریق استحقاق نہ ہوں گے، صرف بطریق فضل ہوں گے۔ اللہ کے ذمہ اجر واجب نہیں ہے بلکہ بطور فضل وکرم حاصل ہو جائے گا۔

وأصحابنا استدلوا بهذه الآية على أن الثواب غير واجب على الله وإنما يحصل بطريق الفضل من الله تعالىٰ. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۴۱)

وهذا تصريح بأن الجزاء المرتب على العمل إنما حصل بطريق الفضل لا بطريق الاستحقاق. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۴۱)

۲۸ (اے اہل قریش)

والخطاب لقريش خاصة، قاله ابن عباس وعكرمة ومجاهد وأبو مالك والشعبي وغيرهم. (قرطبی، ج۱۶/ص:۲۱)

قرآن کریم کے مخاطب اول یہی قریش تھے، اور ان کی تمام شاخوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزیز داری تھی۔

عزیزوں قریبوں کی محبت اور ایک دوسرے کی خیرخواہی دنیا میں ضرب المثل کی حد تک شہرت رکھتی ہے، عرب میں حقوق قرابت کی پاسداری اور زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ یہ انھیں کے جذبات شرافت سے اپیل ہے، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اور کچھ نہ سہی تو عزیزداری کا ہی خیال کر کے میرے اوپر ظلم وزیادتی سے باز رہو ــــــ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے ایسے ہی معنی بیان ہوئے ہیں۔

قال ابن عباس ومجاهد وقتادة والضحاك والسدی معناه إلا أن تودونی لقرابتی منكم. (جصاص، ج۳/ص:٤٧٥)

وبه قال عكرمة وقتادة والسدی وأبو مالك وعبد الرحمن بن زيد بن أسلم وغيرهم. (ابن كثير، ج٤/ص:٩٩)

فی القربیٰ فی سببیہ ہے ل کے مرادف۔

أی فی حق القربی ومن أجلها، كما تقول الحب فی الله والبغض فی الله. (كشاف، ج٤/ص:٢١٥)

لقرابتی منكم ففی للنسبية مثلها فی بمعنی اللام لتقارب السبب والعلة، وإلی هذا ذهب مجاهد وقتادة وجماعة. (روح، ج٢٥/ص:٣٠)

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ جب مودت بین المسلمین اور افراد امت کی ایک دوسرے کے ساتھ محبت، متعدد آیات واحادیث کی بنا پر واجب ہے تو پھر امت کے اشرف ترین کے ساتھ کیوں نہ واجب تر ہوگی۔

والآيات والأخبار فی هذا الباب كثيرة واذا كان حصول المودة بين جمهور المسلمين واجبًا فحصولها فی حق أشرف المسلمين وأكابرهم أولیٰ. (كبير، ج٢٧/ص:١٤٢)

آیت سے اصحاب رسولؐ کے ساتھ بھی محبت کا حکم نکلتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

بے شک اللہ بڑا بخشنے والا ہے بڑا قدرداں ہے ۲۹

فيه منصب عظيم للصحابة لأنه تعالىٰ قال (والسابقون السابقون أولئك المقربون) فكل من أطاع الله كان مقربا عندالله تعالىٰ فدخل تحت قوله (إلا المودة فى القربىٰ) (كبير، ج۲۷/ص:۱۴۳)

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت رسولؐ کے آل واصحاب دونوں کی محبت کو جمع کرتی ہے اور یہی مسلک اہل سنت کا ہے۔

والحاصل أن هذه الآية تدل على وجوب حب آل رسول الله صلى الله عليه وسلم وحب أصحابه، وهذا المنصب لايسلم إلا على قول أصحابنا أهل السنة والجماعة الذين جمعوا بين حب العترة والصحابة. (كبير، ج۲۷/ص:۱۴۳)

القربیٰ۔ مراد اہل القربیٰ ہیں۔

المراد فى أهل القربىٰ. (كشاف، ج۴/ص:۲۱۳)

ذلك...... عباده۔ مضمون عبارت تو ابھی اوپر کی آیت میں آچکا ہے، لفظ بشارت کے ساتھ پھر اس کا ذکر کرنا اس بشارت ہی کی عظمت کی دلیل مزید ہے۔

أعاد البشارة على سبيل التعظيم وذلك يدل أيضاً على غاية العظمة، نسأل الله الفوز بها. (كبير، ج۲۷/ص:۱۴۱)

مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ مودۃ فی القربیٰ کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے بعد ایمان مطلوب نہیں، بلکہ یہ تو ایمان ہی کا تدریج ولطافت کے ساتھ طریق موصل بتایا ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص۴۶۹)

۲۹ (مطیعوں کے حق میں)

چنانچہ مسلم مطیع سے جب لغزش ہو جاتی ہے تو وہ رب غفور اسے معاف آسانی سے کر دیتا ہے اور جب وہ نیکی کرتا ہے تو رب شکور اسے اجر بھی استحقاق سے کہیں زائد دے دیتا ہے۔

نزد...... حسنا۔ یعنی جس قدر اجر اس نیکی کا حق ہے، ہم اجر اس سے کہیں زائد دے دیں گے۔

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۚ فَاِنۡ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخۡتِمۡ عَلٰی

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ (اس شخص نے) اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ رکھا ہے ۳۰ تو اللہ اگر چاہے تو آپ کے قلب پر

قَلۡبِکَ ؕ وَ یَمۡحُ اللّٰہُ الۡبَاطِلَ وَ یُحِقُّ الۡحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ

مہر لگادے، اور اللہ باطل کو مٹایا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے ثابت کیا کرتا ہے، وہ دلوں تک کی باتیں

بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۲۴﴾ وَ ہُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ عَنۡ عِبَادِہٖ وَ یَعۡفُوۡا

خوب جانتا ہے ۳۱ اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف

عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿ۙ۲۵﴾ وَ یَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا

کردیتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس سب کو جانتا ہے، اور ان لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور نیک

الصّٰلِحٰتِ وَ یَزِیۡدُہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ الۡکٰفِرُوۡنَ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ﴿۲۶﴾

عمل کیے اور ان کو اپنے فضل سے اور بڑھاتا رہتا ہے ۳۲ اور کافروں کے لیے تو سخت عذاب (مقرر) ہے

۳۰ (اور نعوذ باللہ وحی و نبوت کا دعویٰ خلاف واقع کردیا ہے)

۳۱ (چہ جائے کہ زبان سے ادا ہونے والے الفاظ و اقوال)

مطلب یہ ہوا کہ اگر اس احتمال میں شائبہ بھی صداقت کا ہوتا تو اللہ ایسے مدعی کاذب کو پھلنے پھولنے، کامیاب ہونے ہی کیوں دیتا۔ اُس کی زبان سے ادا ہونے والے خارق عادت پیام کو پھیلنے کا موقع ہی نہ دیتا، اور مدعی کاذب کی زبان ہی خاموش کردیتا، لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ وہ تو اس کے برعکس ان رسولؐ کے ہاتھ تائیدی معجزات سے اور زیادہ قوی کرتا جاتا ہے، اسی سے معلوم ہوا کہ یہ سرتاسر حق و صداقت پر ہیں۔ اور جو دلوں کے اندر تک کے بھید جانتا ہو، اس کے لیے الفاظ ظاہر پر گرفت کرنا کیا مشکل تھا۔

بکلمتہ ۔ کلمات سے یہاں مراد احکام تکوینی و تنزیلی دونوں ہیں۔

۳۲ یعنی جو عمل نیک ہیں وہ مقبول تو ہوتے ہی ہیں، اور اُن پر اجر اُن کے استحقاق اصلی سے اور زیادہ ملتا رہتا ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ

اور اللہ اگر اپنے بندوں کے لیے رزق فراخ کر دیتا تو وہ روئے زمین پر سرکشی کرنے لگتے، لیکن وہ جتنا چاہتا ہے

بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾

انداز (مناسب) سے اتارتا ہے وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر ہے اور خوب دیکھنے والا ہے ۳۳

یقبل......السیئات۔ چنانچہ کوئی کافر اگر کفر سے توبہ کر لے تو اس کی وہ توبہ بھی قبول ہو جائے گی، اور جو گناہ اس نے حالت کفر میں کیے ہیں وہ بھی سب معاف ہو جائیں گے۔

ویعلم ماتفعلون۔ اور اسی علم کل کا ایک مظہر یہ ہے کہ توبہ کا اخلاص وعدم اخلاص بھی اس سے مخفی نہیں رہتا۔

ویعفوا عن السیئات۔ یہ گناہ کبھی تو توبہ کے واسطے سے معاف ہوتے ہیں اور کبھی بلاواسطۂ توبہ یوں ہی معاف ہو جاتے ہیں۔

تارة يعفو بواسطة قبول التوبة وتارة يعفو ابتداءً من غير توبة. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۴۵)

ویستجیب الذین۔ یستجیب۔ بقول اصح، یہاں یجیب کے معنی میں ہے۔

وقال آخر منهم بل معنى ذلك ويجيب الذين آمنوا. (ابن جریر، ج۲۱/ص:۵۳۵)

اور فاستجاب لهم ربهم تو قرآن مجید میں فأجاب لهم ربهم کے معنی میں آ ہی چکا ہے۔ (آل عمران آیت:۱۹۵)

۳۳ یعنی اللہ سے بڑھ کر اپنے بندوں کی مصلحتوں، صلاحیتوں، استعدادوں کا جاننے والا اور ان کے احوال واعمال پر نظر رکھنے والا اور کون ہوگا! وہ ہر بندے کو اُس کے ظرف، ضرورت، مصلحت کے لائق ہی روزی دیتا ہے، ورنہ اگر وہ بے تحاشا سب کو خوش حال ہی بنا دے تو انسان کے عام طبائع ایسے ہیں کہ بجائے امن وآشتی کے فتنہ وفساد برپا ہو جائے، اور سب ایک دوسرے کے دشمن ہو کر کفر ونافرمانی میں مبتلا ہو جائیں۔

ولو بسط......الأرض۔ دنیا کی تاریخ اور روزمرہ کا تجربہ گواہ ہے کہ جو قومیں جتنی زیادہ دولتمند ہوئی ہیں اسی قدر شراب نوشی، قمار بازی، حرام کاری، سود خواری اور فسق کے انواع واقسام پر زیادہ دلیر،

وَهُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ

اور وہ وہی ہے لوگوں کے مایوس ہوجانے کے بعد مینہ برساتا ہے، اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے اور وہ

الْوَلِىُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بڑا کارساز ہے (ہر طرح) قابل حمد ہے ۳۴ؑ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا

وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ع

اور ان جانداروں کا جو اس نے دونوں جگہ پھیلا رکھے ہیں اور وہ ان کے جمع کر لینے پر جب وہ چاہے قادر ہے ۳۵ؑ

الربع

بے باک رہی ہیں، بجز اُن متقی قوموں کے جنھوں نے تقویٰ و امانت کو اپنے اوپر حاکم رکھا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسی طرح بسط باطنی بھی بعض طالبوں کے حق میں مضر ہوتا ہے، اس لیے اس کے نہ ہونے پر مغموم نہ ہونا چاہیے۔ (تھانوی، ج ۲/ص ۴۷۱)

۳۴ؑ یہ کارساز ستودہ صفات اللہ تعالیٰ ہی ہے، کوئی پانی برسانے والا دیوتا اندرو غیرہ نہیں۔

رحمته۔ رحمت سے یہاں مراد بارش ہے، بعض نے تقدیر کلام اثار رحمته سمجھی ہے، یہ ترکیب مان کر مراد نباتات و ثمرات سے ہوگی۔

۳۵ؑ چنانچہ قیامت کے دن سب کو دوبارہ زندہ کر کے اکٹھا کرلے گا۔

مابث فیهما من دابة۔ انتشارِ حیوانات کا اثبات یہاں قرآن مجید الأرض (زمین) کے ساتھ بظاہر السمٰوات (آسمانوں) کے لیے بھی کر رہا ہے، اور گو اِس سے دونوں کا صرف مجموعہ بھی مراد ہوسکتا ہے، لیکن کھلا ہوا قرینہ یہ ہے کہ آسمان اور زمین دونوں فرداً فرداً بھی مراد ہوں یعنی حیوانات کا مستقر جس طرح زمین ہے، آسمان بھی ہیں۔

اور مجاہدؒ تابعی کا تو صاف قول اس باب میں نقل ہوا ہے۔

ظاهر الآية وجود ذلك في السمٰوات وفي الأرض وبه قال مجاهد. (روح، ج ۲۵/ص: ۳۹)

اور اگرچہ مفسرین کا ایک گروہ اس جانب بھی گیا ہے کہ وجودِ حیوانات کا اثبات مجموعۂ زمین و آسمان کے لیے ہے، نہ کہ آسمان کے لیے منفرداً بھی، اس لیے کہ تحقیقاتِ قدیم کی رو سے حیوانات کا

وجود صرف زمین ہی تک محدود تھا، تاہم انھیں حضرات نے کسی خاص نوع کے حیوانات کا امکان آسمانوں میں بھی صراحت سے تسلیم کیا ہے۔

لایبعد أن یقال أنه تعالیٰ خلق فی السمٰوات أنواعاً من الحیوانات یمشون مشی الأناسیّ علی الأرض. (کبیر، ج۲۷/ص:۱٤٦، مدارك، ص:۱۰۸۹)

وقد جوزأن یخلق اللّٰه فی السماء حیواناً یمشون فیها مشی الأناسیّ علی الأرض. (بحر، ج۷/ص:۵۱۸، أبو سعود، ج٦/ص:۱۹)

ویجوز أن یکون فی السمٰوات أنواع أخر من الخلائق یدبّون کما یدب الحیوان فی الأرض. (نیشاپوری، ج٦/ص:۷۸)

اورزمخشری نے اسی طرح کی تفسیر کرکے آگے لکھا ہے کہ خدائے پاک نے ایسی مخلوقات بھی تو پیدا کر رکھی ہے، جو ہمارے دائرۂ علم سے باہر ہے۔

سبحان الذی خلق مانعلم ومالانعلم من أصناف الخلق. (کشاف، ج٤/ص:۲۱۹)

اورعلامہ آلوسی بغدادی نے تو ایک مستقل عنوان ہی یہ قرار دیا ہے: ھل یوجد فی السماء حیوانات؟ اوراس کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس میں بُعد کیا ہے کہ اللہ نے ہر آسمان میں ایسے ایسے حیوانات ومخلوقات مختلف قسم کے پیدا کر رکھے ہوں جو ہمارے دائرۂ علم سے باہر ہیں۔

لایبعد أن یکون فی کل سماء حیوانات ومخلوقات علی صورشتیّٰ وأحوال مختلفة لانعلمها. (روح، ج۲۵/ص:٤۰)

اور جب یہ ذہن میں رکھ لیا جائے کہ سمٰوات کے وسعت مفہوم میں تارے، سیارے اور سارے اجرام فلکی شامل ہیں، جن کے اندر اور بھی کتنی قسم کی جاندار مخلوق، شکل وصورت، ساخت وترکیب، مزاج وطبیعت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف آباد ہے تو پھر مفسر ابن کثیر کی اس تفسیر دابة کی پوری قدر ہوتی ہے۔

وھذا یشمل الملائکة والإنس والجن وسائرالحیوانات علی اختلاف أشکالھم وألوانھم ولغاتھم وطباعھم وأجناسھم وأنواعھم وقد فرقھم فی أرجاء أقطار السمٰوات والأرض. (ابن کثیر، ج٤/ص:۱۰۳)

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝

اور جو مصیبت بھی تمھیں پہنچتی ہے وہ تمھارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے سے پہنچتی ہے اور (اللہ) بہت سے تو درگزر کردیتا ہے ۳۶

"لفظ دابة شامل ہے فرشتوں اور انسان اور جنات اور سارے ہی حیوانات پر، ان کے اختلافات شکل ورنگ، زبان وطبیعت، جنس ونوع کے باوجود، اور اللہ نے انھیں اطراف آسمان وزمین میں پھیلا رکھا ہے۔"

اللہ بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آٹھویں اور ساتویں اور چھٹی اور پانچویں صدی ہجری کے اُن مفسرین قرآن پر جن کے دماغ میں سیاروں کے اندر انسانی وحیوانی آبادی کا خیال بھی کبھی کیوں گزرا ہوگا!

اور امام رازیؒ نے کہا ہے کہ بعید کچھ بھی نہیں ہے کہ اللہ نے آسمانوں (ستاروں) پر ایسے جاندار پیدا کر رکھے ہوں جو انسانوں کی طرح چلنے پھرنے پر قادر ہوں۔

لایبعد أن یقال أنه تعالیٰ خلق في السمٰوات أنواعاً من الحیوانات یمشون مشي الأناسي علی الأرض. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۴۷)

ستاروں میں حیوانی آبادی اگر کسی دلیل قوی سے ثابت ہوجائے تو آیت کا مفہوم اور زیادہ روشن ہوجائے گا۔

دابة کے عموم میں ہر قسم کا جاندار آسکتا ہے، گو اس کا اطلاق عمومی حشرات (رینگنے والے جانوروں) پر ہوتا ہے۔ تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

۳۶ خطاب عاقل بالغ اہل ذنوب سے ہے۔ بچے، مجنون وغیرہ اس سے خارج ہیں۔

خطاب مع من یفهم ویعقل فلا یدخل فیه البهائم والأطفال. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۴۹)

من مصیبة ۔ مصیبة سے یہاں واقعی وحقیقی مصیبت مراد ہے۔ بعض نعمتیں جو صرف صورۃً مصیبتیں ہیں، وہ درحقیقت عیش کے زینے ہیں، ان پر مصیبت کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ عربی میں اس کے لیے بالکل دوسرا لفظ "بــلا" موجود ہے، بلا و مصیبت صرف اردو میں مرادف ہیں، عربی میں نہیں۔

وَمَآ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ‌ۖۚ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ

اورتم زمین (کے کسی حصہ) میں (بھی) ہرا نہیں سکتے اور تمھارا اللہ کے سوا کوئی بھی نہ کارساز ہے

وَّلَا نَصِيۡرٍ ۝۳۱ وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الۡجَوَارِ فِى الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِ ۝۳۲ اِنۡ يَّشَاۡ

نہ مددگار ۳۷ اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے سمندر میں پہاڑ جیسے جہاز ہیں ۳۸ وہ اگر چاہے

يُسۡكِنِ الرِّيۡحَ فَيَظۡلَلۡنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهۡرِهٖ‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

تو ہوا کو ٹھہرادے تو وہ جہاز سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں، بے شک اس میں نشانیاں

يعفو عن كثير۔ کثیر سے مراد كثير من الذنوب بھی ہوسکتی ہے یعنی بہت سے گناہ بے گرفت ومواخذہ کے بھی چھوڑ دیتا ہے، اور كثير من الناس بھی مراد ہوسکتی ہے یعنی گرفت ہر بندے پر نہیں کرتا، بہت سے بندوں کو بے گرفت ومواخذہ بھی چھوڑ دیتا ہے۔

أى من الذنوب فلا يعاقب عليه أو عن كثير من الناس فلا يعاجلهم بالعقوبة. (مدارك، ص:۱۰۸۹)

أى من الذنوب......وجوز كون المراد بالكثير الكثير من الناس. (روح، ج۲۵/ص:۴۱)

۳۷ یہ سب مشرک جاہلی قوموں کے رد میں ہے، جو سمجھتے تھے کہ فلاں جگہ پناہ لے لینے سے خدائی گرفت کی دسترس سے باہر ہوجائیں گے، یا بعد موت فلاں فلاں دیوی دیوتا گاڑھے وقت کام آجائیں گے۔

۳۸ یعنی ایسے اونچے اونچے جہاز کہ گویا پہاڑ تیرنے لگے۔ ان عظیم الشان جسامت والوں کا پانی پر رواں دواں رہنا حق تعالیٰ کے کمالِ صناعی کی دلیل ہے۔

جس محل ترغیب پر اور جس سیاق میں ان اونچے اونچے جہازوں کا ذکر آیا ہے، اس سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ جہاز رانی اور جہاز سازی اسلام کی نظر میں مبغوض وناپسندیدہ نہیں، بلکہ گونہ پسندیدہ ہے اور پھر الجوار فى البحر كالأعلام کہہ کر آج کل کے قوی ہیکل، دیو پیکر، تجارتی اور جنگی جہازوں کی گویا تصویر کھینچ دی ہے۔

لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٣٣﴾ أَوْ يُوبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ

ہر صابر وشاکر کے لیے ہیں ۳۹ یا (چاہے تو) تباہ کردے ان جہازوں کو بسبب ان لوگوں کے کرتوتوں کے اور بہت لوگوں سے

كَثِيرٍ ﴿٣٤﴾ وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا ۖ مَا لَهُمْ

درگزر بھی کر جائے ۴۰ اور ان لوگوں کو معلوم ہو جائے جو ہماری آیتوں میں جھگڑے نکالتے رہتے ہیں کہ اب ان کے لیے

۳۹ یعنی اُس کی قدرت وصناعت پر دلالت کرنے والی نشانیاں کہ وہی ہوا کو چلاتا ہے، اور ہوا جہاز کو حرکت میں لاتی ہے۔

الریح ۔ ریح (ہوا) کا مفہوم بہت وسیع ہے، دخانی جہازوں کی ''اسٹیم'' بھی ہوا ہی کی ایک شکل ہے۔

صبّار شکور ۔ بندے کے لیے زندگی بھر دو ہی حالتیں ممکن ہیں: یا غم وحرمان کی اور یا مسرت وراحت کی۔ مومن پہلی صورت میں صبر وتسلیم سے کام لیتا رہتا ہے اور دوسری صورت میں شکر گزاری سے، اور یہ دونوں صورتیں حق تعالیٰ سے جڑے رہنے ہی کی ہیں۔ حق تعالیٰ سے غفلت کا مجرم وہ بہرحال کسی صورت میں بھی نہیں ہوتا۔

وأن يكون إما في البلاء وإما في الآلاء، فإن كان في البلاء كان من الصابرين، وإن كان في النعماء كان من الشاكرين، وعلى هذا التقدير فإنه لا يكون البتة من الغافلين. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۵۰)

۴۰ یعنی جس طرح جہازوں اور عظیم الشان جہازوں کو چلتے چلاتے، متحرک رکھنا اُس کی قدرت، عظمت، صنعت کی ایک دلیل ہے، اسی طرح یہ بھی اس کی مشیت وقدرت میں داخل ہے کہ جب چاہے ان جہاز والوں کی بداعمالی کی پاداش میں ان جہازوں کو طوفان لاکر تند وتیز ہوا چلا چلا کر تباہ بھی کردے۔

ویعف عن کثیر۔ ''کثرت'' کا تعلق کثرت معاصی سے بھی لیا گیا ہے اور کثرت عاصیان سے بھی۔

یوبقھن۔ ھن کا مضاف اھل مقدر ہے، اصل ترکیب کلام یوں ہے: أو یوبق أھلھن.

والمراد على ماقال غير واحد اهلاك أهلها. (روح، ج۲۵/ص:۴۳)

مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج

بچاؤ کی کوئی صورت نہیں، غرض جو کچھ بھی تم کو دیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کے برتنے کے لیے ہے ۴۱

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ

اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ بہتر ہی ہے اور پائدار تر بھی، وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان والے ہیں اور اپنے پروردگار پر

يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا

بھروسہ رکھتے ہیں ۴۱ (الف) اور جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے رہتے ہیں اور جب انھیں غصہ آتا ہے

هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ص

تو معاف کر دیتے ہیں ۴۲ اور جن لوگوں نے کہ اپنے پروردگار کا حکم مانا اور نماز کی پابندی کی

۴۱ (کہ خاتمۂ عمر کے ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا)

اور اس سے ظاہر ہے کہ مطلوب و مقصود بنانے کے قابل دنیا نہیں، صرف آخرت ہے۔

فمتاع الحیاۃ الدنیا۔ حیات دنیا کے ساتھ متاع کا لفظ اُس کی بے حقیقتی کے اظہار کے لیے ہے۔

سماہ متاعاً تنبیھا علی قلتہ و حقارتہ. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۵۱)

۴۱ (الف) آیت میں کتنی تسلی مومنین صالحین کے حق میں ہے، جو دنیا میں زر و دولت ساز و سامان سے محروم رہتے ہیں!

وما عند اللہ۔ اس سے مراد اعمالِ صالحہ ہیں جو غیر مختتم و دائمی زندگی کو کہتے ہیں۔

۴۲ آیت کے الفاظ قابل غور ہیں!

یجتنبون کبائر الإثم۔ بڑے چھوٹے سارے گناہوں سے ہمیشہ بچے رہنا، صالحین غیر معصوم کے لیے بھی ممکن نہیں، اس لیے بشریت کی اس کمزوری کی رعایت سے مقبولین و ممدوحین تک کے لیے یہ قید لگا دی کہ وہ وہ ہیں جو بڑے بڑے گناہوں سے بچے رہتے ہیں۔

وإذا ماغضبوا ھم یغفرون۔ اسی طرح موقع مدح و تحسین پر بھی یہ ارشاد نہیں ہوتا کہ صالحین و ابرار کو غصہ سرے سے آتا ہی نہیں، غصہ کا اپنے موقع و محل پر نہ آنا، دلیل حلم نہیں، دلیل جبن و بے حمیتی

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾

اوران کا ہر (اہم) کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں ۴۳

ہے۔ کمال نہیں، نقص ہے۔ ہنر نہیں، عیب ہے۔ کمال اور ہنر صرف یہ ہے کہ بندے کو جب بے محل و بے جا غصہ آ جائے تو اس کے مقتضا پر عمل نہ کرے، بلکہ اپنی طبیعت کو قابو میں رکھے۔

کبائر الاثم۔ مراد غالباً اعتقادی گناہوں سے ہے۔

قيل المراد بكبائر الإثم ما يتعلق بالبدع واستخراج الشبهات. (كبير، ج٢٧/ص:١٥١)

بہر حال اِثم جو کچھ بھی ہوں، ان کے کبائر سے اجتناب کو مومن کے لیے کہا گیا ہے، نہ کہ اِثم کی چھوٹی بڑی ہر شکل سے۔

والفواحش۔ مراد غالباً ان گناہوں سے ہے، جن کا تعلق بے حیائی اور شہوانیت سے ہے۔

قيل المراد بالفواحش مايتعلق بالقوة الشهوانية. (كبير، ج٢٧/ص:١٥١)

۴۳ یہ سارے اوصاف مومنین صادقین کے بیان ہو رہے ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی نیکیاں ان میں آ گئیں۔

وأمرهم شورىٰ بينهم۔ باہمی مشورے کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ شوریٰ کا ذکر نماز وزکوٰۃ کے ساتھ ساتھ فرمایا گیا ہے ــــ اجتماعی صورت میں اس حکم کی تعمیل کی صورت یہ ہے کہ حکومت، حکومت شوریٰ ہو، جیسی کہ خلفائے راشدین کی تھی ــــ اور وہ شرعی شورائی حکومت آج کی جمہوری نامذہبی حکومت کے مرادف نہیں۔

فقہائے مفسرین نے شوریٰ کی حیثیت کو خوب سمجھا ہے۔

يدل على جلالة موقع المشورة لذكره لها مع الإيمان واقامة الصلوٰة ويدل على انا مامورون بها. (جصاص، ج٣/ص:٣٨٦)

البتہ شوریٰ کے سلسلے میں یہ یاد رہے کہ مشورے صرف انھیں امور میں پسندیدہ ہیں، جو بجائے خود قابل مشورہ ہوں بھی، اور جو چیزیں احکامِ قطعی میں داخل ہیں مثلاً نماز پنجگانہ، رمضان کے روزے وغیرہا، سو اُن میں مشورہ نہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ

اور وہ ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم واقع ہوتا ہے تو وہ (برابر کا) بدلہ لے لیتے ہیں ۴۴ اور برائی کا بدلہ برائی سے

مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

ویسی ہی، لیکن جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ رہا، بے شک اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ۴۵

شوریٰ بینھم۔ الفاظ جہاں آمریت (ڈکٹیٹرشپ) و مطلق العنانی کی نفی کامل کرتے ہیں، وہیں جمہوریت اصطلاحی کے لیے بھی ہرگز وجہ جواز نہیں بنتے۔ الفاظ قرآنی کا صحیح مصداق دور خلافت راشدہ تھا۔

۴۴ (اور ظلم و زیادتی کے جواب وانتقام میں خود بھی ظلم و زیادتی نہیں کرنے لگتے)

آیت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ معاف کرنا نہیں جانتے۔

والمعنی أن یقتصروا فی الانتصار علی ما یجعله اللّٰه لهم ولا یتعلونه.(کبیر، ج۲۷/ص:۱۵۲)

أنهم الاخصاء بالانتصار وغیرهم یعدو ویتجاوز. (روح، ج۲۵/ص:۴۷)

وقال السدی معناه فی من بغیٰ علیهم من غیر أن یتعلوا علیهم. (جصاص، ج۳/ص:۳۸۶)

۴۵ (خواہ وہ ظالم ظلم کی ابتدا کرنے والے ہوں، یا جواب وانتقام میں حدود سے تجاوز کرنے والے ہوں)

جــزاء......مثلهــا ۔ جزائے سیئہ کو سیئہ کہنا، ظاہر ہے کہ محض مجازاً اور عربی زبان کے قاعدۂ مشاکلت کے مطابق ہے، ورنہ درحقیقت یہ تو برائی کی سزا ہوئی، نہ کہ خود کوئی برائی۔

امام رازیؒ نے کہا ہے کہ اس آیت سے فقہ کی ایک بڑی اصل ہاتھ آجاتی ہے۔

هــذه الآیة أصــل کبیــر فــی عــلم الفقه فإن مقتضاها أن تقابل کل جنایة بمثلها (کبیر، ج۲۷/ص:۱۵۳)

وأصلح ۔یعنی اپنے باہمی معاملات کو درست کرلیا۔

أی بینه وبین خصمه بالعفو والإغضاء. (مدارك،ص:۱۰۹۱)

مثلها یعنی سزائے جرم بھی درجۂ جرم کی مناسبت ہی سے دی جائے، اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔

والمعنی أنه یجب إذا قوبلت الاساءة أن تقابل بمثلها من غیر زیادة. (مدارك،ص:۱۰۹۱)

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝٤١ اِنَّمَا السَّبِيْلُ

اور جو اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ (برابر کا) لے لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں ۴۶ الزام تو ان لوگوں پر ہے

عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ

جو لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین پر ناحق سرکشی کرتے (پھرتے) ہیں

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٤٢ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ

ایسوں کے لیے دردناک عذاب ہے ۴۷ اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے یہ البتہ

لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝٤٣ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى

بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے ۴۸ اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی چارہ ساز نہیں ۴۹ اور آپ کافروں کو

ع ۵

ھذہ الآیۃ أصل کبیر فی علم الفقہ فإن مقتضاھا أن تقابل کل جنایۃ بمثلھا.

(کبیر، ج ۲۷/ص: ۱۵۳)

۴۶ یہاں یہ حقیقت بیان کردی کہ تشدد مطلق صورت میں اسلام میں ممنوع نہیں، حرام تو صرف تشدد بیجا ہے۔

۴۷ ویبغون فی الأرض بغیر الحق۔ اس سے اس جانب بھی اشارہ ہوگیا کہ کبر نفس ہی ظلم وزیادتی کی جانب لے آتا ہے!

۴۸ یہاں سے یہ مسئلہ صاف ہوگیا کہ انتقام کی بھی جائز حدود کے اندر پوری اجازت اسلام میں ہے، لیکن اولیٰ وافضل معاف ہی کردینا ہے ــــــ فطرت بشری کی کیسی ٹھیک ٹھیک اور پوری رعایت ہماری شریعت میں موجود ہے۔

۴۹ (کہ وہ اسے زبردستی راہِ راست پر لے آئے)

ومن یضلل اللہ۔ یہ اضلال اسی بنا پر ہوگا کہ اُس بندے کے اندر حق کی طلب وتلاش موجود نہیں ــــــ حق تعالیٰ کی جانب نسبت اضلال پر حاشیے کئی بار گزر چکے ہیں۔

بعدہ۔ ضمیر اللہ کی طرف ہے اور بعد علاوہ کے معنی میں ہے۔

الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾

دیکھیں گے کہ جب وہ عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو کہتے ہوں گے کہ آہ واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ط

اور آپ انھیں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ کے روبرو لائے جائیں گے، ذلت سے جھکے ہوئے پست نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ۵۰

وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ

اور ایمان والے کہیں گے کہ (اصلی) خسارے والے تو وہ لوگ ہیں جو اپنی ذات سے اور اپنے متعلقین سے

اور بعض نے اللہ سے قبل خذلان محذوف مانا ہے یعنی اللہ کی گرفت میں آجانے کے بعد۔

أی من بعد خذلان اللّٰه تعالىٰ إياه.(روح،ج٢٥/ص:٥٠)

۵۰ (جس طرح ایک خوف زدہ انسان دیکھتا ہے)

الظّٰلمين۔ ظالم یہاں بھی کافر کا مرادف ہے۔

وهم المشركون باللّٰه. (ابن كثير،ج٤/ص:١٠٧)

لفظ الظالم المطلق فی القرآن مخصوص بالكافر.(كبير،ج٢٧/ص:١٥٧)

ترىٰ۔ رأو۔ ماضی کے صیغے کا استعمال مستقبل کے معنی میں تیقن وتحقق کے موقع پر قرآن میں عام ہے۔

يعرضون عليها۔ میں ضمیر ھا کا اشارہ النار یا جهنم کی طرف ہے۔

فكنى عن العذاب المذكور بحرف التانيث، لأن ذلك العذاب هو النار وإن شئت جهنم.(قرطبی،ج١٦/ص:٤٥)

وينظرون من طرف خفی۔ ڈری سہمی ہوئی نگاہوں سے، جھکی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے، جیسا کہ مجرموں کی عادت ہے۔

من طرف خفی۔ من یہاں ب کے معنی میں ہے۔

قال من بمعنى الباء. (قرطبی،ج١٦/ص:٤٥)

يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ فِىۡ عَذَابٍ مُّقِيۡمٍ ۞ وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ

قیامت کے دن خسارے میں پڑے، یادرکھو کہ کافر عذاب دائمی میں رہیں گے ۵۱ اوران کے کوئی

اَوۡلِيَآءَ يَنۡصُرُوۡنَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ سَبِيۡلٍ ؕ ۞

چارہ ساز نہ ہوں گے جو اللہ سے الگ ہوکران کی مدد کرسکیں اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کے لیے کوئی راہ نہیں ۵۲

اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِرَبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمۡ

کہنا مان لو اپنے پروردگار کا قبل اس کے کہ ایسا دن آپہنچے جس کے لیے اللہ کی طرف کوئی ہٹنا نہیں، تم کو اس روز

مِّنۡ مَّلۡجَاٍ يَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَكُمۡ مِّنۡ نَّكِيۡرٍ ۞ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ

کوئی پناہ نہ ملے گی اور نہ تمھارے بارے میں کوئی روک ٹوک کرنے والا ہے ۵۳ یہ لوگ اگر پھر بھی اعراض کیے رہیں تو ہم نے آپ کو

۵۱ (جس سے کبھی رہائی و مخلصی نہیں ہونے کی)

أى دائم سرمدى أبدى لاخروج لهم منها ولا محيد لهم عنها. (ابن كثير، ج ٤/ ص: ١٠٧)

أى دائم لاينقطع. (قرطبى، ج ١٦/ص: ٤٦)

اور ظاہر ہے کہ یہ ظالم عذاب ابدی کے مستحق کافر و مشرک ہی ہو سکتے ہیں۔

ومعلوم أن هذا لايليق إلا بالكفار. (كبير، ج ٢٧/ص: ١٥٧)

۵۲ (نہ نجات کی، نہ معذرت کی، نہ نصرت کی)

ومن يضلل الله ۔ یہ اضلال ان لوگوں کے عدم تلاش حق کے پاداش میں ہوتا ہے، جیسا کہ بارہا بتفصیل بیان ہو چکا ہے۔

۵۳ (جیسا کہ بہت سی گمراہ قوموں اور فرقوں نے سمجھ رکھا ہے)

يوم لا مردّ له ۔ یعنی دنیا میں جس طرح عذاب کا ہٹ جانا ممکن ہے، وہاں مہلت و توقف کی کوئی صورت ہی نہ ہوگی۔

مالكم من نكير ۔ أى من ناصر ينصركم قال مجاهد. (قرطبى، ج ١٦/ص: ٤٧)

عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ؕ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً

کوئی نگراں کرکے نہیں بھیجا ہے آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے ۵۴ اور ہم انسان کو جب کچھ اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں

فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ

تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے اور اگر ایسے لوگوں پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے ان کرتوتوں کے بدلے میں جو وہ پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں تو انسان

كَفُوۡرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنۡ

ناشکری کرنے لگتا ہے ۵۵ اللہ ہی کی ملک ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے (اولاد)

يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ الذُّكُوۡرَ ۙ﴿۴۹﴾ اَوۡ يُزَوِّجُهُمۡ ذُكۡرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ

مادہ عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے (اولاد) نرینہ عنایت کرتا ہے، یا ان کو نر و مادہ (کی صورت) میں جمع بھی کر دیتا ہے

وَيَجۡعَلُ مَنۡ يَّشَآءُ عَقِيۡمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌ قَدِيۡرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّكَلِّمَهُ

اور جسے چاہتا ہے لاولد رکھتا ہے، بے شک وہ بڑا علم والا ہے بڑا قدرت والا ہے ۵۶ اور یہ کسی بشر کا مرتبہ نہیں کہ اللہ اس سے

۵۴ (ہمارے احکام و پیامات کا)

مطلب یہ ہے کہ اتنے سمجھانے بجھانے کے بعد بھی یہ لوگ بدستور ایمان سے منکر ہیں تو آپ زیادہ فکر و تردد میں نہ پڑیئے، آپ سے ان کے اعمال سے متعلق بازپرس کا احتمال ہی نہیں۔ انبیاء و مرسلین کے اس موقف کو قرآن نے بار بار صاف کیا ہے۔

۵۵ (بجائے اس کے کہ حق تعالیٰ کی طرف بطریق توبہ والتجا رجوع کرے)

إذا......بها۔ یعنی بجائے اس کے کہ منعم کی جانب منسوب کرکے اس کی شکرگزاری میں لگ جائے، یہ اسے اپنی جانب منسوب کرکے بیجا طور پر اترانے لگتا ہے۔

الإنسان۔ انسان سے آیت میں دونوں جگہ مراد ناشکرگزار اور ایمان سے خالی انسان ہے۔

۵۶ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، کسی کے اولاد خوب ہوتی ہے، کوئی لاولد رہتا ہے، کسی کے صرف بیٹیاں ہوتی ہیں، کسی کے صرف بیٹے، کسی کے دونوں۔ سو یہ سب کچھ محض اٹکل پچو، اندھا دھند نہیں ہو رہا ہے۔ فرد، جماعت، کائنات سب کی بے انتہا حکمتوں اور بے شمار مصلحتوں کے

اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْیُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ

کلام کرے مگر ہاں یا تو وحی سے یا کسی آڑ سے یا کسی (فرشتہ) قاصد کو بھیج دے سو وہ وحی پہنچادے

بِاِذْنِہٖ مَایَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ عَلِیٌّ

اللہ کے حکم سے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے ۵۷ بے شک وہ عالی شان ہے

پیش نظر ایک حکیم مطلق کے زیر انتظام ہو رہا ہے، پھر اس حکیم مطلق کی قدرت اور اختیارات بھی محدود نہیں، لامحدود ہیں، علم بھی اسی کا کامل اور قدرت بھی اسی کی کامل، اس کے انتظام میں کسی قسم کی غلطی یا خرابی کا احتمال ہی کیا ہو سکتا ہے!

یخلق مایشاء۔ اس کی قوتِ تخلیق بھی غیر محدود ہے، جس کو جب اور جس طرح چاہے پیدا کرے۔ جس طرح تقسیم رزق کا تعلق تمام تر مشیتِ الٰہی سے ہے، اسی طرح عمل تخلیق بھی تمام تر مشیتِ تکوینی ہی کے مطابق ہوتا رہتا ہے۔

آیت میں عام قدرتِ الٰہی کا بیان ہے، کسی خاص واقعہ کی تعیین مراد نہیں۔

وقال الأکثرون من المفسرین ھذا الحکم عام فی حق کل الناس، لأن المقصود بیان نفاذ قدرة اللّٰہ فی تکوین الأشیاء کیف شاء وأراد، فلم یکن للتخصیص معنی. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۵۹)

۵۷ یہاں یہ مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے کہ عام فطری قوائے بشری اس قابل ہی نہیں کہ حق تعالیٰ سے براہِ راست عزت ہم کلامی حاصل کر سکیں۔ مخاطبت کے ممکن طریقے صرف تین ہیں:۔

(۱) بطریق وحی، یعنی بلا واسطہ مُدرکات طبعی، قلب میں کوئی بات ڈال دی جائے۔

(۲) بواسطۂ حجاب کچھ کلام سنا دیا جائے، حجاب کا تعلق تجلی حق سے نہیں، ضعف ادراک سے ہے۔

حجاب۔ حجاب عظمت ہے جو مشاہدۂ تجلیات سے بشر کو روک دیتا ہے، ذات حق محجوب نہیں۔

”اور یہ حجاب کوئی جسیم حائل نہیں، اور نہ یہ حجاب حق تعالیٰ کے نور وذات کو مخفی کر سکتا ہے، بلکہ حقیقت اس حجاب کی بشر کا ضعف ادراک ہے جس سے باوجود کمال ظہورِ نور ذات کے یہ ادراک سے قاصر ہے“۔ (تھانوی، ج۲/ص ۴۷۷)

حَكِيمٌ ﴿٥١﴾ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي

حکمت والا ہے ۵۸ اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے ۵۹ آپ کو نہ یہ خبر تھی

وليس المراد به حجاب الله تعالىٰ لأن الله تعالىٰ لايجوز عليه ويجوز على الأجساد من الحجاب ولكن المراد به أن السامع محجوب عن الرؤية فى الدنيا. (مدارك،ص:١٠٩٣)

(٣) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ فرشتے کے ذریعے سے وحی بشر کو بھیج دی جاتی ہے، اس وحی کے مخاطب حضرات انبیاء تو قطعی ہوتے ہیں اور غیر انبیاء کے لیے بھی اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ حضرت مریمؑ کے معاملے میں قرآن مجید ہی سے ثابت ہے۔

اور یہ منکرین ومشرکین جو خود مخاطبۂ الٰہی کی تمنا میں تھے، ان کا ظرف ان میں سے کسی طریق کے بھی قابل نہیں۔

باذنہ۔ إذن یہاں حکم کے معنی میں ہے جیسا کہ اور بھی موقعوں پر آیا ہے۔

۵۸ (اور وحی کے ان طریقوں میں اس کی ان دونوں صفات کا ظہور ہو رہا ہے)

عَلِیٌّ۔ وہ بلند شان ہے، اور اس کی عُلُوِّ شان کا تقاضا یہی ہے کہ بندے کو اس سے ہم کلامی کی مجال ہی نہ ہو۔

حکیم۔ لیکن وہ حکیم مطلق بھی ہے، اس لیے اس نے بندوں کے مصالح پر نظر کر کے اپنی ہم کلامی کے تین طریقے نکال دیے۔

۵۹ (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر آپ کی نبوت پر دلائل قائم کیے ہیں)

روح سے یہاں مراد قرآن یا وحی ہے، جبریل یا فرشتہ مراد نہیں۔

وهو ما أوحى إليه عليه الصلاة والسلام أو القرآن الذى هو للقلوب بمنزلة الروح للأبدان. (روح،ج٢٥/ص:٥٨)

والمراد به القرآن. (كبير،ج٢٧/ص:١٦٣)

اور روح سے قرآن کو تعبیر اس مناسبت سے کیا گیا ہے کہ قرآن زندگی بخشتا ہے۔

وسمى القرآن روحاً وذلك لكون القرآن سببا للحياة الأخروية. (راغب،ص:٢٣١)

مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ

کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا چیز ہے ۶۰ لیکن ہم نے اس (قرآن) کو نور بنا دیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہم ہدایت کرتے ہیں

مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ

بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ راہ راست ہی کی ہدایت کر رہے ہیں ۶۱ یعنی راہ اس اللہ کی

الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ

کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے

وسماه روحاً لأنه يفيد الحياة من موت الجهل أو الكفر. (كبير، ج۲۷/ص:۱۶۳)

كذلك۔ یعنی جس طرح ہم انبیائے قدیم پر وحی نازل کرتے رہے ہیں۔

أی كما أوحينا إلى الرسل قبلك. (مدارك، ص:۱۰۹۳)

۶۰ یہاں اس عام حقیقت کا اظہار ہے کہ بلا فیضانِ الٰہی، کامل ترین استعداد وصلاحیت رکھنے والا بھی بے کار ہے، اس خاص حقیقت کا اعلان کہ قبل نبوت آپ کی یہ لاعلمی ہرگز اُن کمالات کی قادح نہیں، جو بعد نبوت آپ کو حاصل ہوئے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کمالات سب کے سب موہوب ہیں، جس کو ہبۂ کمالات پر قدرت ہے، اس کو سلب کمالات پر بھی قدرت ہے تو کسی کو بھی اپنے کمال پر ناز نہ ہونا چاہیے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۴۷۷)

ما كنت......الإيمان۔ یعنی قبل نبوت آپ کو شریعت کے ان دقائق کا علم ہی نہ تھا۔

۶۱ اسی کتاب کے ذریعے سے۔

یہاں اس حقیقت کا اعادہ ہے کہ محمدؐ بن عبداللہ نامی شخص نہ اپنے ارادے واختیار سے رسول وصاحب وحی بن گئے، نہ اپنے ارادے واختیار سے قرآن اپنے اوپر اتار لائے اور نہ بندوں کی عام ہدایت یابی اُن کے اختیار میں ہے ــــــ یہ سارے کام صرف حق تعالیٰ کے ہیں۔

جعلناه۔ نهدی به۔ ضمیریں دونوں موقعوں پر قرآن کی جانب ہیں۔

رکوع ۵

اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

یادرکھوسب اموراسی کی طرف رجوع کرتے ہیں ۶۲

۶۲ (اور کسی مخلوق کو نہ کوئی اختیار ان تصرفات کا ہے، نہ کوئی شرکت آسمان وزمین میں ہے)

یہاں صفاتِ باری میں سے دوصفاتِ کمال کا اثبات ہے: ایک حق تعالیٰ کی ملکیت کامل کا، دوسرے اس کی طرف مرجعیتِ مطلق کا۔

(۴۳)

آیاتہا ۸۹ — ۸۹ آیتیں

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ

رکوعاتہا ۷ — ۷ رکوع

سورۂ زخرف مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ۚ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ ② اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ ③

حا۔میم۔قسم ہے (اس) کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم خوب سمجھ جاؤ لے

لے (اے اہل عرب، بطور مخاطب اول کے)

والکتٰب المبین ۔قرآن ایک بالکل واضح کتاب بلحاظ اپنے پیش کیے ہوئے مہمات عقائد کے بھی ہے اور بلحاظ اپنے احکام اساسی واد لّی کے۔

و۔ کلام عرب میں تاکید وزور کلام کے موقع پر قسم لانے کا دستور عام ہے، اور استشہاد کا پہلو جو قسم میں ہوتا ہے، وہ اس خاص موقع پر عیاں وظاہر ہے یعنی قرآن پر غور کرنے سے خود اس کے مضامین کا اعجاز ظاہر ہوا جارہا ہے ـــــــــ عربی اسلوب بیان یہی ہے کہ مثلاً جب عرب ادیب، خطیب، شاعر کو اپنی شجاعت ودلیری کا اظہار مقصود ہوگا تو بجائے اس کے کہ اردو محاورے کے مطابق وہ یہ کہے کہ میرے کارناموں پر میری تلوار گواہ ہے، وہ یہ کہے گا کہ مجھے تلوار کی قسم ہے۔

جعلنٰہ ۔ضمیر ’ہ‘ الکتٰب کی جانب ہے۔

حٰمٓ ۔ان حروفِ مقطعات پر حاشیہ گزر چکا ہے۔

اِنّا جعلنٰہ ۔بڑی پرانی بحث چلی آرہی ہے کہ قرآن مجید قدیم وغیر مخلوق ہے یا حادث ومخلوق۔ آیت کے لفظ جعل سے اہل اعتزال کو اپنے مسلک حدوث قرآن کی گویا سند ہاتھ آگئی ہے۔

القائلون بحدوث القرآن احتجوا بهذه الآية. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۶۶)

وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ ۝ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ

اور بے شک وہ لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے بڑے مرتبہ کا، حکمت سے بھرا ہوا ۲ کیا ہم تم سے (اس) نصیحت نامہ کو

اہل سنت کا مذہب صحیح یہ ہے کہ قرآن مجید کی حیثیتیں دو ہیں: ایک معنوی، دوسرے تعبیری۔ معنوی حیثیت سے یعنی فی نفسہ کلام الٰہی ہونے کے اعتبار سے دوسری صفات الٰہی کی طرح وہ بھی قدیم اور غیر مخلوق اور ہر عرض (صوت، صورت، حروف ولغت وغیرہ) سے منزہ ومبریٰ ہے۔ رہی اس کی دوسری یا تعبیری حیثیت، سو ہماری فہم وادراک کی گرفت میں لانے کے لیے وہ مجموعۂ اعراض ہے، اس میں حروف ہیں، کلمات ہیں، نقوش ہیں وقس علیٰ ہٰذا۔ اور اس اعتبار سے اس کا حادث یا مخلوق ہونا بالکل ظاہر ہے۔

المبین ۔صفت مبین کا ایک پہلو تو ظاہر لفظ وعبارت کے لحاظ سے ہے، اور اس معنی میں وہ اپنے مخاطبین اول یعنی قوم عرب کے لیے بالکل واضح ہے۔ اور دوسرا پہلو اس کے معانی ومطالب کے لحاظ سے ہے کہ اس نے راہ ہدایت اصلاح کو طریق کفر وضلالت سے بالکل واضح وممتاز کر دیا ہے۔ اور اس معنی میں اس کی ابانت کا تعلق سارے عالم سے ہے۔

وفی وصف الکتاب بکونہ مبیناً وجوہ: الأول للذین أنزل إلیهم لأنه بلغتهم ولسانهم، والثانی المبین هو الذی أبان طریق الهدیٰ من طریق الضلالة وأبان کل باب عماسواہ وجعلها مفصلة وملخصة. (کبیر، ج۲۷/ص:۱۶۵-۱۶۶)

۲ (اپنے نازل کرنے والے کے ہم صفت)

لعلیّ حکیم ۔ سورۂ ماقبل کے ختم کے قریب حق تعالیٰ کی شان انھیں صفات کے ساتھ بیان ہو چکی ہے، إنه علی حکیم ۔اب ذکر اس کا ہے کہ کلام بھی متکلم ہی کی شان کے مطابق بڑے رتبہ والا ہے، خاک کو پاک بنا دینے والا ہے، اور حکمتوں اور دانائیوں سے لبریز ہے ——— جس کتاب پر دار ومدار سارے عالم کی ہدایت ورہنمائی کا ہو، بے شک اُسے ہونا بھی ایسا ہی تھا۔

أم الکتب سے یہاں مراد لوح محفوظ ہے۔

۰أی اللوح المحفوظ. (ابن کثیر، عن ابن عباس ومجاهد، ج٤/ص:۱۰۹)

صَفۡحًا اَنۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِيۡنَ ۝۵ وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِيٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۶

اس لیے ہٹالیں گے کہ تم حد سے گزر جانے والے ہو ۳؎ اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں

وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝۷ فَاَهۡلَكۡنَاۤ اَشَدَّ

اور ان (لوگوں) کے پاس کوئی نبی (ایسا) نہیں آیا جس سے انھوں نے تمسخر نہ کیا ہو ۴؎ پھر ہم نے ان لوگوں کو جو ان

مِنۡهُمۡ بَطۡشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۸ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ

(موجودہ مخاطبین) سے بھی زیادہ زور آور تھے غارت کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی یہ حالت گزر چکی ہے ۵؎ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِيۡزُ

آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا، تو یہ یقیناً کہیں گے کہ انھیں پیدا کیا ہے (اس خدائے) ہمہ تواں نے

دوسرے معنی خود قرآن کے بھی کیے گئے ہیں۔

لدینا۔ قرب، شرف واختصاص کے اعتبار سے۔ قرب رتبہ، قرب مکان نہیں۔

۳؎ یعنی کیا قرآن کا نزول اور اس کی تبلیغ اس لیے موقوف کردی جائے گی کہ تم اس پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ عین حکمت ورحمت دونوں کا تقاضا ہے کہ یہ فیض کامل برابر جاری رہے۔

هذا الكلام تحمل وجهين: الأول الرحمة والثاني المبالغة فى التغليظ. (كبير، ج٢٧/ص:١٦٧)

مسرفین۔ معنی مشرکین کے بھی لیے گئے ہیں، یعنی جرم وبغاوت میں حد سے گزر جانے والے۔

ومعنى مسرفين مشركين. (قرطبي، ج١٦/ص:٦٣)

۴؎ (لیکن اس تکذیب واستہزاء کے باوجود سلسلۂ ارشاد وہدایت برابر جاری ہی رہا)

یہاں دو تاریخی حقیقتوں کا اعلان ہے: ایک یہ کہ زمانۂ ماضی میں انبیاء کثرت سے آتے رہے۔ دوسرے یہ کہ ان کے ساتھ منکرین کی طرف سے تمسخر واستہزاء کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔

۵؎ (اس لیے آپ فکر نہ کریں، ان کا بھی یہی اہتمام ہوتا ہے، اور خود بھی مطمئن نہ رہیں کہ آخر پرانے نمونے ان کے سامنے موجود ہی ہیں)

أشد منهم بطشا۔ وہ قومیں جو اپنی زور آوری میں مشرکین مکہ سے بڑھی ہوئی تھیں۔

الْعَلِيمُ ۝٩ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا

ہمہ داں نے ۶ وہی جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنادیا اوراس میں تمہارے لیے

سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝١٠ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ

راستے بنائے تاکہ تم راہ پاتے رہو، اورجس نے آسمان سے پانی ایک خاص انداز سے برسایا

فَأَنشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ۝١١ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ

پھرہم نے اس سے خشک زمین کوزندہ کیا، اسی طرح تم بھی (اپنی قبروں سے) نکالے جاؤ گے، اورجس نے تمام اقسام

كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ۝١٢ لِتَسْتَوُوا

بنائیں، اورتمہارے لیے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پرتم سوار ہوتے ہو ۷ تاکہ تم ان کی پیٹھ پر

۶ جہاں تک نفس تخلیق کا سوال ہے، مشرکین بھی اکثر اور عموماً توحید ذات ہی کے قائل ہیں، اور صفت خالقیت میں بہت کم کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ سارا زور شرک کا صفاتِ ربوبیت وغیرہ میں اچھل پڑتا ہے ___ مشرکین عرب بھی خالق کو واحد ہی تسلیم کرتے تھے اور مشرکین ہند بھی برہما (خالق کائنات) کو ایک ہی مانتے ہیں۔

العزیز العلیم۔ یہ صفات اسی کے ہیں جس کو مومنین خدائے واحد تسلیم کرتے تھے اور مشرکین خدائے اعظم واکبر۔

۷ مشرکین کو قائل کرنے کے لیے اب ذات خالق واحد کی دوسری صفات کا بیان ہورہا ہے یعنی جس خالق کو یکتا تم خود تسلیم کرتے ہو، اُسی کے صفات وکمالات یہ بھی تو ہیں۔ کائنات کے سارے انتظامات میں بھی تو وہی لاشریک لہ ہے۔ زمین کی یہ خاص ہیئت اسی کی حکمت کاملہ نے بنائی ہے کہ اس پر انسان کا رہنا سہنا ممکن ہو۔ سطح زمین کے راستوں، سڑکوں میں تقسیم یہ بھی اسی حکیم مطلق کا فعل ہے کہ تم بآسانی چل پھر سکو۔ آسمان کی طرف سے پانی برسانا ایک خاص مقدار میں، ایک معین وقت پر، حسب ضرورت ومصلحت، یہ سب بھی اسی کا کام ہے، پھر اس بارش سے زمینِ خشک کو سبزہ زار بنادینا، اسی کی حکمت وصفت ہے جو بعث وحشر پر بھی اسی طرح قادر ہے، اور جو اُس کے یہ ہلکے نمونے روزمرہ

تمھاری آنکھوں کے سامنے لاتار رہتا ہے، پھر اشیاء مخلوق کی بے شمار قسمیں، باہم متناسب نمودار کرنا، یہ بھی اُسی کی کارسازی ہے۔اور بحری وبری سواریاں بہم پہنچادینا اسی کا احسان عظیم ہے۔

الذی جعل ...... سبلاً ۔زمین کے سارے جغرانی تغیرات جن سے انسان کو مدد مل سکتی ہے،اس کے تحت میں آگئے۔

مھداً ۔ جیسا کہ پہلے کئی بار بیان ہو چکا ہے،قرآن مجید کو زمین کی ہیئت جغرافی وغیرہ سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں،اسے غرض تمام تر اس کے فرش ہونے کی حیثیت سے ہے۔

والذی ...... میتاً ۔ بادل، بارش، کاشت کاری، باغبانی کے سلسلے کے چھوٹے بڑے جتنے تغیرات ہیں، سب اسی میں شامل ہیں ـــــــ قرآن کو نہ آسمان کی حقیقت فلکیاتی سے کچھ غرض ہے نہ بارش وکاشت کاری کی فنی تفصیل سے،اسے تو اس مثال سے صرف بعثت ثانی کے عام فہم استدلال کا کام لینا ہے،ہاں ضمناً یہ بھی ارشاد ہوگا کہ بارش جو کچھ بھی ہوتی ہے ایک مقدار معیّن میں ہوتی ہے، حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق، یہ نہیں کہ اندھا دھند ہو جائے۔

والذی ...... کلّھا۔مخلوقات کی تنویع،تقسیم،تزویج،سب اس کے تحت میں آگئی۔

قال ابن عباس الأزواج الضروب والأنواع كالحلو والحامض والأبيض والأسود والذكر والانثیٰ. (کبیر،ج۲۷/ص:۱۷۰)

قرآن کو اپنے حسب دستور یہاں بھی مسئلے کے علمی اور سائنسی پہلوؤں سے بحث نہیں، بحث صرف اس حقیقت کے اثبات سے ہے کہ یہ ساری کارسازی،کاریگری،صناعی خدائے واحد ہی کی ہے۔

بعض قدیم محققین نے کہا ہے کہ مخلوقات جتنی بھی ہیں، سب جوڑے جوڑے ہیں، مثلاً ذات وصفات،آگے پیچھے،دائیں بائیں،اوپر نیچے،ماضی و مستقبل،مثبت ومنفی،اچھا برا وغیرہ،اور یہی دلیل ہے اس کے حادث وممکن الوجود ہونے کی۔

قال بعض المحققين كل ماسوى الله فيه زوج كالفوق والتحت واليمين واليسار وكونها أزواجاً يدل على كونها ممكنة الوجود فى ذاتها محدثة. (کبیر،ج۲۷/ص:۱۷۰)

صرف ذات واجب الوجود فرد مطلق ہے،ہر رشتۂ تضاد وتقابل وشرکت سے ماوراوما فوق۔

عَلٰی ظُهُوۡرِهٖ ثُمَّ تَذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ اِذَا اسۡتَوَیۡتُمۡ عَلَیۡهِ وَتَقُوۡلُوۡا

جم کر بیٹھو، پھر جب تم اس پر جم کر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی (اس) نعمت کو یاد کرو اور کہو کہ

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِیۡنَ ۝۱۳ وَاِنَّاۤ اِلٰی

پاک ذات ہے وہ جس نے ہمارے تابع کر دیا اس (سواری) کو اور ہم تو ایسے تھے نہیں کہ اس کو قابو میں کر لیتے، اور ہم کو تو

رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ۝۱۴ وَجَعَلُوۡا لَهٗ مِنۡ عِبَادِهٖ جُزۡءًا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ

اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹنا ہے ۸ ان لوگوں نے اللہ کا جز اللہ کے بندوں میں سے ٹھہرا لیا، بے شک انسان

فأما الحق سبحانه فهو الفرد المنزه عن الضد والند والمقابل والمعاضد.

(کبیر، ج۲۷/ص: ۱۷۰)

جعل ......ماتر کبون ۔اور زمینی جتنی بھی سواریاں ہیں سب اس میں داخل ہو گئیں۔

بحری اور برّی سواریوں کی تفصیل میں جانا قرآن کے موضوع سے باہر تھا۔قرآن شریف

تو صرف یہ کہنا چاہتا ہے کہ یہ سارا نظم وانتظام اللہ ہی کا قائم کیا ہوا ہے۔

۸ اسلام زندگی کے ہر ہر شعبے کے لیے ایک مکمل دستور العمل ہے، وہ انسان کو خدا کی حاکمیت اور اپنی عبدیت کی طرف سے غفلت کی اجازت کسی وقت اور کسی حالت میں نہیں دیتا۔سواری اچھے گھوڑے کی ہو یا موٹر کی، یا ریل کی ہو یا جہاز کی، انسان جب کبھی اس نعمت سے مستفید ومحظوظ ہوتا ہے تو اکثر اس میں ایک گونہ تفاخر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ اسے اپنے کمال واستحقاق کی جانب منسوب کر کے فخر کرنے لگتا ہے۔قرآن نے اسی کی جڑ کاٹ دی، اور ارشاد فرما دیا کہ جب سواریوں سے فائدہ اور لطف اٹھاؤ تو پہلے دل میں خدائی نعمتوں کا استحضار کرلو، اور یہ خیال تازہ کرلو کہ یہ جو کچھ بھی مل رہا ہے سب عنایت وافضالِ الٰہی سے مل رہا ہے، اسی نے تم میں اتنی طاقت، ہمت وتدبیر دے دی ہے، اور پھر بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی یہ کہہ ڈالے کہ ہم میں کوئی ذاتی استحقاق اس کا کب تھا، ہم ایسے طاقتور یا ایسے ہنرور کب تھے کہ ان سواریوں کو قابو میں لے آتے! یہ تو محض آپ کا فضل وکرم ہے، اور ہم کو عین وقت فرح ومسرت میں اپنا انجام یاد ہے کہ ہم اور ہماری لذتیں فانی ہیں، باقی نہیں، ہم سب کو اپنے پروردگار کے حضور میں حساب وجواب کے لیے حاضری دینا ہے ــــــــ دنیا کے

لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾ أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّأَصْفٰكُم بِالْبَنِينَ ﴿١٦﴾

کھلا ہوا ناشکرا ہے ۹ (ہاں تو) کیا (اللہ نے) مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں پسند کرلیں اور تمھیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کردیا؟

بڑے بڑے سائنس داں اگر آج صرف یہ روح اپنے اندر بیدار کرلیں، اور حیرت انگیز ایجادیں صرف اس احساس عبدیت کے ساتھ کیا کریں تو دنیا سے ہلاکت آفرینیوں کا خاتمہ ہو جائے، اور بڑے سے بڑے آلات بجائے موجب بربادی ہونے کے ذریعۂ امن بن جائیں!

ثم تذکروا...... و تقولوا۔ سواریوں کا نعمت ہی نہیں، نعمت عظیم ہونا بھی بالکل ظاہر ہے۔ قرآن مجید سچ ماننے والوں سے توقع اس کی رکھتا ہے کہ ان نعمتوں کا احساس پوری طرح رکھیں، اور دل کے ساتھ زبان سے بھی منعم کے وصف احسانات بیکراں کا اعتراف کرتے رہیں۔

سبحٰن ......لمنقلبون۔ ذرا تصور میں لائیے، دنیا کے ایک ارب پتی کو، جو ایک آدھ موٹر کا نہیں، بلکہ تیز رو اور بہترین و نفیس ترین موٹروں کی ایک پوری پلٹن کا مالک ہے، اور وہ جس وقت اپنی موٹر پر سوار ہونے لگتا ہے تو آیت کا پورا مضمون اپنے ذہن میں لے آتا ہے، اور اس کے الفاظ اپنی زبان سے دہراتا ہے، تو ایسے ہی زبان پر کوئی بھی خیال اپنے تفوق و تمکنت کا پیدا ہو سکتا ہے، پر ایسا شخص بھلا مسلمان کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ کہاں اور یہ تعلیم ملے گی؟ اُس کے لیے تو موٹر نشینی بھی عبادت بن گئی!

۹ بیان عام فطرتِ بشری کا ہے کہ بجائے نعمتوں کی شکر گزاری کے وہ اور الٹا ناسپاسی اور نافرمانی کی طرف جاتا ہے۔

جزءاً۔ ماوردی وغیرہ نے کی تفسیر اناث سے کی ہے لیکن امام عربیت زمخشری نے اسے تفسیری بدعت قرار دے کر اس معنی کا شد و مد سے انکار کیا ہے اور اسے عربی زبان پر ایک اتہام سے تعبیر کیا ہے۔

ومن بدع التفاسير تفسير الجزء بالإناث، وادعاء أن الجزء في لغة العرب اسم للإناث، وما هو إلا كذب على العرب، ووضع مستحدث منحول. (كشاف، ج٤/ص:٢٣٤)

اور قرطبی اور روح المعانی نے سنداً اسے نقل کیا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ لسان العرب نے زمخشری کی تائید کردی ہے اور جو دو شعر کلام عرب سے اس معنی کی سند میں پیش کیے گئے ہیں، زمخشری نے انھیں بھی جعلی اور مصنوع قرار دیا ہے، اور صاحب کبیر نے بھی اس معنی کو نقل کر کے لکھا ہے کہ زجاج

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ

درانحالیکہ ان لوگوں میں سے خود جب کسی کو اس کی بشارت دی جاتی ہے جسے (خدائے) رحمٰن کا نمونہ قرار دے رکھا ہے تو اس کا چہرہ

مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿١٧﴾ أَوَمَن يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ

دن بھر اداس رہتا ہے اور وہ اندر ہی اندر گھٹتا رہتا ہے ۱۰ تو کیا جو زیورات میں پرورش پائے اور مباحثہ میں بھی ژولیدہ بیاں

اور ازہری جیسے ائمہ لغت اور زمخشری نے اس معنی سے انکار کیا ہے اور دونوں شعروں کو گڑھا ہوا قرار دیا ہے۔

وزعم الزجاج والأزهری وصاحب الکشاف أن هذه اللغة فاسدة، وأن هذه الأبيات مصنوعة. (کبیر، ج ٢٧/ص: ١٧٣)

وجعلو...... جزء اً۔ مثلاً مسیحی جو الوہیت کے اجزا روح القدس و مسیحؑ کو بھی قرار دیے ہوئے ہیں۔

المراد أنهم أثبتوا له ولداً. (کبیر، ج ٢٧/ص: ١٧٢)

فلسفۂ قدیم کی اصطلاحوں میں مسئلہ کی تقریر یوں ہوگی کہ خدا کو جب خالق مان لیا تو لازم ہے کہ وہ قدیم بھی ہو، کیوں کہ حادث موجدِ کُل ہو ہی نہیں سکتا، اور جب وہ قدیم ٹھہرا، تو اسی سے عدم ترکیب بھی اس کے لیے لازم آئی، جو مرکب ہے وہ قدیم کیوں کر ہو سکتا ہے تو جو قدیم غیر مرکب ہے اس کا کوئی جز تسلیم کرنا اُسے مرکب و حادث قرار دینا ہوا!

آیت کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انھوں نے مخلوقات کے درمیان تقسیم کر دی، کچھ کو اللہ کے لیے رکھا اور کچھ کو غیر اللہ کے سپرد کر دیا۔

زعموا أن كل العباد ليس لله، بل بعضها لله، وبعضها لغير الله. (کبیر، ج ٢٧/ص: ١٧٣)

جعلوا۔ جعل آیت میں حکم لگانے یا قرار دینے کے معنی میں ہے، اور انبیاء پرستی، ارواح پرستی، ملائکہ پرستی، اولیاء پرستی کی جتنی بھی پھیلی ہوئی صورتیں ہیں، سب اس کے تحت میں آگئیں۔

ومعنی الجعل ههنا الحکم بالشیئ. (معالم، ج ٤/ص: ١٥٦)

ف ۱۰ بہت سی مشرک قوموں نے دیویوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا ہے۔ مشرکین عرب میں یہ مرض اور زیادہ تھا۔

غَيْرُ مُبِيْنٍ ⑱ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا

رہے (وہ اللہ کی اولاد بننے کے قابل ہے؟) ۱۱ اور انھوں نے فرشتوں کو جو (خدائے) رحمٰن کے بندے ہیں، عورت قرار دے رکھا ہے

اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ⑲ وَقَالُوْا

تو کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے، ان کا دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور ان سے باز پرس ہوگی ۱۲ اور یہ کہتے ہیں کہ

مشرک قوموں نے عموماً اور عرب نے خصوصاً بیٹیوں کو ذلیل بھی بہت سمجھا ہے تو یہاں مقصود کلام یہ ہے کہ یہ احمق ایک تو اللہ کی اولاد فرض کرتے ہیں اور پھر اولاد بھی بیٹیاں! جنھیں خود اپنے لیے باعث ننگ و عار سمجھتے ہیں۔

أم۔ أم میں ہمزہ انکار و حیرت کے اظہار کے لیے ہے۔

الهمزة فی أم للانكار والتعجب. (بيضاوی، ج٥/ص:٥٨)

الهمزه للإنكار، تجهيلاً لهم وتعجيباً من شأنهم. (كشاف، ج٤/ص:٢٢٥)

لفظه لفظ الاستفهام ومعناه التوبيخ. (قرطبی، ج١٦/ص:٧٠)

کظیم۔ مغموم و محزون کے معنی میں ہے۔

كظيم أی حزين. (قرطبی، ج١٦/ص:٧١)

ف ۱۱ (نہیں اور ہرگز نہیں)

آیت میں فطرت نسوانی کے متعلق عموماً اور فطرت خواتین عرب کے متعلق خصوصاً دو حقیقتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ زیور، آرائش و نمائش کا شوق عورت کی سرشت میں داخل ہے۔ دوسرے یہ کہ اُس کی قوت استدلال ضعیف ہی ہے ـــــ ان دونوں کے لیے ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔

خدا کی بیٹیاں ہونا، بیٹیوں کو ذلیل و حقیر سمجھنا، یہ خصائص و اطوار خصوصیت کے ساتھ قرآن کے مخاطبین اول یعنی اہل عرب کے تھے۔

ف ۱۲ (جس کا جواب ان سے کچھ نہ بن پڑے گا)

فرشتوں کی نسائیت پر حاشیے اس کے قبل گزر چکے ہیں سورہ نساء (آیت ۱۱۷) اور سورہ بنی اسرائیل (آیت ۴۰)

لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ

اگر (خدائے) رحمٰن کو (بھی) منظور ہوتا تو ہم فرشتوں کی پرستش (ہی) نہ کرتے، انھیں اس بارے میں کچھ بھی تحقیق نہیں، محض

اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝٢٠ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ۝٢١

اٹکل کے پھیر میں ہیں ۱۳ ہم نے کیا اس (قرآن) سے قبل انھیں کوئی کتاب دے رکھی ہے، جس سے یہ سند پکڑ رہے ہیں؟ ۱۴

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝٢٢

نہیں بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک خاص طریقے پر پایا ہے اور ہم انھیں کے نقش قدم پر قدم رکھ رہے ہیں ۱۵

محققین نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ کسی عقیدے کا بلا دلیل قائل ہو جانا قابل ملامت ہے، اور تقلید جامد جو محض رسم پرستی کی مرادف ہے، مستحق وعید ہے۔

هذا يدل على أن القول بغير دليل منكر، وأن التقليد يوجب الذم العظيم والعقاب الشديد. (كبير، ج٢٧/ص:١٧٤)

۱۳ مشرکوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ شرک اگر ایسی ہی بُری چیز تھی تو خدا نے آخر ہمیں اس پر قدرت کیوں دی؟ اسے یہی منظور ہوتا تو وہ ہمیں شرک کرنے ہی نہ دیتا ——— گویا استدلال یہ تھا کہ چونکہ اس نے ہمیں گناہ پر قادر کر دیا ہے، اس لیے وہ گناہ پر راضی بھی ہے! بالکل ظاہر ہے کہ انسان کو اختیار جو ملا ہے، وہ تو محض اُسے مکلف بنانے کے لیے، اسے موردِ احتساب، مستوجب عذاب وثواب بنانے کے لیے ہے۔ اختیار ہی اگر نہ ہوتا تو وہ تو بالکل مشین کے حکم میں داخل ہوتا، اور عذاب وثواب کا کوئی سوال ہی نہ باقی رہتا!

مالهم ...... يخرصون ۔ کیسی الٹی منطق ان مشرکوں کی اور کتنا غلط استدلال ان کا ہے۔ اختیار اور آزادیِ انتخاب کو مرادف رضا کا قرار دے رہے ہیں!

۱۴ مشرکوں کے استدلال عقلی کی تردید ابھی ہو چکی، اب ارشاد ہو رہا ہے ان کے پاس شرک پر کوئی دلیل نقلی ہے؟ کسی قدیم آسمانی نوشتے کی سند ہے ان کے پاس؟

۱۵ یعنی بجز اندھی تقلید کے اُن کے پاس دلیل کے نام سے کوئی چیز ہی نہیں ——— آج دنیا میں کثرت سے مذاہب شرکیہ ایسے ہیں جن کے پاس نہ تو کوئی قدیم مذہبی نوشتہ موجود ہے

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ

اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیمبر نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ

ہم نے تو اپنے باپ دادا کو ایک (خاص) طریقے پر پایا ہے، اور ہم انھیں کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں ۱۶ (اس پر ان کے پیمبر نے) کہا

اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ

کہ اور اگر میں اس سے اچھا طریقہ منزل پر پہنچا دینے کے اعتبار سے لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ وہ بولے (جب بھی) ہم

اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اس کے تو ماننے والے نہیں جسے دے کر تمھیں بھیجا گیا ہے، سو ہم نے انھیں سزا دے دی، سو دیکھئے تکذیب کرنے والوں کا

اور نہ ان کی بنیاد دلائل عقلی پر ہے، بس کچھ آبا و اجداد کے وقت سے ریت رسمیں چلی آتی ہیں، اور انھیں کو یہ کلیجے سے لگائے ہوئے ہیں۔

امام رازیؒ نے کہا ہے کہ آبا پرستی و تقلید جامد کی مذمت میں قرآن مجید میں اگر اور کہیں کچھ نہ ہوتا، جب بھی یہی آیات بالکل کافی تھیں۔

لولم يكن فى كتاب الله إلا هذه الآيات لكفت فى إبطال القول بالتقليد. (كبير، ج۲۷/ص:۱۷۷)

علـــى أمة۔ یہاں امت سے اٹکل پچو اور متفرق طریقے پر نہیں، بلکہ ایک مستقل نظام اور مستقل مملکت و مرتب معاشرے کی صورت میں، ایک متعین اسٹیٹ اور متعین سوسائٹی کی صورت میں۔

الأمة الطريقة والدين. (جوهرى، ج۵/ص:۱۸٦٤)

۱٦ یعنی یہ آبا پرستی اور جمود و تقلید پسندی کوئی نئی بات نہیں، گمراہوں کا شعار ہمیشہ سے رہی ہے۔

إلا قال مترفوها۔ پیمبروں کی مخالفت کے لیڈر اور سرغنہ، قوم کے امراء و رؤساء ہی ہمیشہ ہوتے ہیں۔ عوام نے ان کی صرف تقلید کی ہے۔

من نذير۔ اور یہ ضروری نہیں کہ یہ نذیر پیمبر ہی ہو، کوئی بھی نائب رسول انذار کا کام کرسکتا ہے۔

اَلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۲۵﴾ وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰہِیۡمُ لِاَبِیۡہِ وَ قَوۡمِہٖۤ اِنَّنِیۡ بَرَآءٌ

کیسا انجام ہوا ۱۷؎ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں

مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ

جن کی تم پرستش کرتے ہو ۱۸؎ ہاں البتہ پرستش اس کی کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا

۱۷؎ ان آیتوں کا خلاصۂ مطالب یہ ہے کہ پیمبر جب اور جہاں کہیں اصلاحِ امت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں، حق، دلیل و برہان انھیں کے ساتھ رہا ہے۔ منکرین و مخالفین کے پاس بجز تعصب، ہٹ دھرمی، آبائی پاسداری، رسم و رواج کی شدت کے اور کچھ نہیں ہوتا، وہ پیمبرانہ حقائق کے مقابلے میں صرف اپنے ہاں کے رسوم اور دستوروں کو پیش کرتے ہیں، اور اسی ضد و عناد میں ان کے روساء و سردار آگے آگے ہوتے ہیں۔ پیمبروں کے دلائل و شواہد سب بے اثر رہتے ہیں، یہاں تک کہ قوم تباہ و ہلاک ہو کر رہتی ہے۔

أو......آبـاء کـم۔ پیمبروں کا جواب ہمیشہ یہی رہا ہے کہ اپنے آبائی ریت و رسم اور ہماری لائی ہوئی شریعت کا مقابلہ کرکے دیکھ لو نا! کہ کون عملی، اخلاقی، ہر اعتبار سے بہتر ہے۔

بما أرسلتم به۔ یعنی تم اپنے زعم و خیال میں جو رسالت لے کر آئے ہو ـــــــ یہ مراد نہیں کہ منکرین ان کی پیمبری تسلیم کر چکے تھے۔ رسول کے پیش کیے ہوئے دلائل پر غور نہ کرنے اور اپنی ضد، ہٹ، تعصب، تقلید پرستی پر قائم رہنے کی پوری مذمت آیت سے نکلتی ہے۔

فيه الدلالة علىٰ ابطال التقليد لذمه إياهم علىٰ تقليد آباء هم و تركهم النظر فيما دعاهم إليه الرسول صلى الله عليه وسلم. (جصاص، ج۳/ص:۳۸۸)

فـانـتـقـمـنـا منهم۔ ''انتقام'' کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لیے آتا ہے تو مطلب ہوتا ہے پوری سزا دے دینا یا کیفر کردار کو پہنچا دینا۔

۱۸؎ قوم عرب جو قرآن کے مخاطب اول تھی اور سب سے زیادہ تقلید آبائی اور جمود میں گرفتار، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل سے تھی، حالانکہ آپ خود موحدِ اعظم تھے۔ ایک خاص غایت اس محل پر آپ کے ذکر کی یہ بھی ہے۔

فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ

پھر وہی میری رہنمائی کرتا ہے ۱۹ اور وہ اس (عقیدۂ توحید) کو اپنے اخلاف میں ایک قائم رہنے والی بات کر گئے تاکہ (مشرک آیندہ بھی توحید کی طرف)

یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ

رجوع کرتے رہیں ۲۰ اصل یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں اور ان کے باپ دادوں کو (خوب سا) سامان دے دیا، یہاں تک کہ ان کے پاس (کلام) حق

وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ

اور ایک روشن رسول آ گیا ۲۱ اور جب ان کے پاس (کلام) حق آ گیا تو وہ بولے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے

ابراھیم لأبیہ ۔ ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے والد آزر دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے۔

قومہ ۔ ضمیر "ہ" ابراھیم کی طرف بھی کی جا سکتی ہے اور أبیہ کی طرف بھی، حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔

مما تعبدون ۔ کلدانی قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی کے دُہرے شرک میں مبتلا تھی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق سابق کے حاشیوں میں گزر چکا۔

۱۹ ایک موحّد کی یہی شان ہے کہ وہ اسی طرح شرک و متعلقاتِ شرک سے اپنی بے تعلقی و بیزاری کا اظہار کرتا رہے۔

آیت میں اثباتِ توحید دوگونہ صفات کے لحاظ سے ہے۔ سب کا فاطر و خالق بھی وہی ہے اور سب کا ہادی و مرشد حقیقی بھی وہی۔

۲۰ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام خود ہی تنہا موحّد نہ تھے، بلکہ اپنے سلسلے میں بھی یہی پیامِ توحید چھوڑ گئے۔

جعلھا ۔ ضمیر ھا کلمۂ توحید کی جانب ہے۔

أی کلمة التوحید التی تکلم بھا. (کبیر، ج ۲۷/ص: ۱۷۹)

۲۱ (اور وہ اسی متاعِ دنیوی میں مشغول و منہمک ہو کر دینِ حق کی طرف سے غافل بلکہ منکر ہو بیٹھے)

ھٰؤلاء ۔ یعنی قوم عرب جس کا ذکر ابھی فی عقبہ میں ضمناً آ چکا ہے۔

كٰفِرُوْنَ ۝٣٠ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ

منکر ہیں، اور کہنے لگے کہ یہ قرآن دو (مشہور) بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا ۲۲

يعني أهل مكة وهم من عقب إبراهيم بالمد في العمر والنعمة. (كبير، ج۲۷/ص:۱۷۹)

وجعلها۔قال مجاهد وقتادة يعني كلمة التوحيد. (معالم، ج٤/ص:١٥٨)

الحق۔ یعنی قرآن مجید۔

يعني القرآن. (معالم، ج٤/ص:١٥٨)

رسول مبين۔ یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۲ یہ آخری اعتراض ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر معاندین کی طرف سے ساحر وغیرہ قرار دیے جانے کے بعد عائد کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر یہ واقعی رسول ہیں تو یہ ہم میں سے کوئی بہت بڑے آدمی بلحاظ جاہ وتمول کے کیوں نہ آئے؟ کہ عوام اپنے رؤساء کی راہ پر قدرۃً چلنے لگتے ہیں۔ گویا اعتراض کی اصل یہ تھی کہ ان لوگوں کے زعم میں جاہ وریاست، لوازم نبوت ومقبولیت میں سے ہے۔

هذا...... كفرون۔ معاندین نے اعجاز قرآنی سے عاجز ولا جواب ہو کر یہی کہنا شروع کیا تھا کہ یہ کلام جو اس درجہ مؤثر ہے، یہ تو سحر وساحری کا نتیجہ ہے۔

القريتين۔ دو شہروں سے مراد مکہ وطائف ہیں جو اس وقت حجاز کے مرکز تہذیب وتمدن تھے۔

عظيم۔ یہ صفت رجل کی ہے، مراد یہ ہے کہ قرآن کو نازل ہی ہونا تھا تو کسی صاحب مال وجاہ یا صاحب ریاست پر کیوں نہ نازل ہوا؟

هو الذي يكون كثير المال والجاه. (كبير، ج۲۷/ص:۱۸۰)

قریش کے ہاں اکثر جاہلی قوموں کی طرح کسی شخص کا اولاد اکبر میں سے ہونا ایک بڑا معیار ریاست وسرداری کا تھا۔ ہمارے حضورؐ کے والد، اول تو اپنے والد کی اولاد اکبر نہ تھے، اور پھر حضورؐ کی پیدائشی یتیمی، جس کی بنا پر آپؐ اپنی کفالت کے لیے پہلے دادا اور پھر ایک نسبتاً مفلس چچا کے دست نگر رہے، یہ سب باتیں مل ملا کر آپ کو کسی طرح بھی قریش کی نظر میں ''عظیم'' نہیں بننے دیتی تھیں۔

عَظِيمٍ ﴿٣١﴾ أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم

تو کیا آپ کے پروردگار کی رحمت (خاصہ) کو تقسیم یہ لوگ کرتے ہیں ۲۳ ہم نے تو ان کے درمیان ان کی

مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ

دنیوی زندگی (تک) میں ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے، اور ہم نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کر رکھے ہیں

لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ

تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے، اور آپ کے پروردگار کی رحمت اس سے (کہیں) بہتر ہے

مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٣٢﴾ وَلَوْلَآ أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَٰحِدَةً

جسے یہ لوگ سمیٹے رہتے ہیں ۲۴ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے

۲۳ کیا یہ احمق یہ سمجھتے ہیں کہ نبوت جو اللہ کا سب سے بڑا ممکن عطیہ ہے، اور خاص الخاص رحمت و عنایت، اس کی تقسیم ان لوگوں کے صلاح و مشورے سے کی جاتی ہے؟ اللہ ہی سب کی صلاحیتوں، اہلیتوں، استعدادوں کا علم کامل رکھتا ہے، اور اسی نے اپنے اس ہمہ گیر علم کی مناسبت سے موزوں ترین شخص کو اس منصب پر مامور کیا ہے۔

رحمة ربك۔ رحمة کے عام معنی کے علاوہ یہاں خصوصی اشارہ نبوت کی جانب بھی سمجھا گیا ہے۔

أي النبوة. (مدارك، ص:۱۰۹۹)

۲۴ مطلب یہ ہوا کہ دنیوی نعمتیں جو اس قدر حقیر ہیں، ان تک کی تقسیم اور ان کا انتظام ہم نے اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا ہے تو نبوت جیسی گراں بہا نعمت کسی مخلوق کے ہاتھ میں کبھی چھوڑی جا سکتی تھی؟ اس کی تقسیم اور اس کا انتظام تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔

آیت سے دو امور اور بھی مستنبط ہوتے ہیں:۔

(۱) دنیا میں معاشی تقسیم یوں ہی اٹکل پچو نہیں، ایک خاص نظام تکوینی کے ماتحت چل رہا ہے۔

(۲) معاشی حیثیت سے بھی درجات کا فرق بالکل فطری و طبعی ہے۔ کوئی دائن ہوگا کوئی مدیون، کوئی دولتمند کوئی بے مایہ۔

لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ

تو جولوگ (خدائے) رحمٰن سے کفر کرتے ہیں، ان کے گھروں کی چھتیں ہم چاندی کی کردیتے اور زینے بھی (چاندی کے کردیتے)

عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾

جن پر یہ چڑھا کرتے، اور ان کے مکانوں کے دروازے (تک بھی) اور وہ تخت بھی جس پر یہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں

وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ

اور سونے کی بھی (یہ چیزیں کردیتے) ۲۵ لیکن یہ سب سامان صرف دنیاوی زندگی کی چندروزہ کامرانی ہے اور آخرت تو

رفعنا......سخریا۔ معاشرے میں فرق مراتب بالکل فطری وطبعی ہے۔ کوئی دولتمند ہوگا کوئی نادار، کوئی افسر کوئی ماتحت، بے طبقات معاشرہ (Classless Society) کے کوئی معنی ہی نہیں، وہاں بھی کوئی وزیر ہوگا، کوئی صنعت گر، کوئی کاشت کار ـــــــ اسلام صرف جور و جبر کو روکتا ہے، کسی پر ظلم کی گنجائش شریعت اسلامی میں نہیں۔ باقی بڑے چھوٹے کا نفس فرق تو قائم رہے گا، اور اسے قائم رہنا چاہیے۔

سخریاً۔ یہاں محکومی اور تابعداری کے معنی میں ہے۔ ابوالبقالغوی ونحوی نے کہا ہے کہ مادۂ سخر قرآن میں اور ہر جگہ مسخرہ پن کے معنی میں ہے سوا اس مقام کے کہ یہاں تسخیر واستخدام کے مرادف ہے۔

كل ما في الفرقان من سخر فهو الاستهزاء إلا في الزخرف فإن المراد التسخير والاستخدام. (أبو البقاء، ص:۷۷۹)

رحمة ربك۔ رحمة سے یہاں مراد نبوت یا دین الٰہی سے لی گئی ہے۔

أي النبوة، أو دين الله. (مدارك، ص:۱۱۰۰)

۲۵ مطلب یہ ہوا کہ دنیا اور اس کا سارا ساز وسامان اللہ کے ہاں اس قدر حقیر وبے وقعت ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ خلقت کا رجحان تمام تر کفر کی طرف ہو جاتا، اور قریب قریب سب ہی ملت کفر اختیار کرنے لگتے تو اللہ صرف کافروں ہی کو دولت دنیوی وسامانِ مادی سے نوازتا، یہاں تک کہ اُن کے گھر، در، فرنیچر سب کو چاندی سونے سے منڈھ دیتا، سب کو چاندی سونے کا بنا دیتا، ایسا ہوتا تو لوگ یہی سمجھنے لگتے کہ مقبولیت طریق کفر کو حاصل ہے، اور اسی طرف جھک پڑتے۔

عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۝٣٥ وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ

آپ کے پروردگار کے ہاں خداترسوں ہی کے لیے ہے ۲۶ اور جوکوئی بھی (خدائے) رحمٰن کی نصیحت کی طرف سے اندھا بن جائے گا ہم اس پر

والمقصود من هذا الكلام تحقير الدنيا وبيان ما في المال والجاه من المضار العظيمة، وذلك لأنّ كثرة المال والجاه تجعل الإنسان كالأعشىٰ عن مطالعة ذكر اللّٰه تعالىٰ ومن صار كذلك صار جليساً للشيطان. (كبير، ج۲۷/ص:۱۸۳)

آیت سے یہ بھی نکل آیا کہ مال وجاہ کی افراط نقصان وحرمان ہی کا باعث ہوتی ہے۔

فثبت بما ذكرنا أن كثرة المال والجاه توجب كمال النقصان والحرمان في الدين والدنيا. (كبير، ج۲۷/ص:۱۸۳)

سقفاً من فضة ومعارج......وزخرفاً۔ مکان، دریچہ، زینہ، چھپرکھٹ، سب کے سب چاندی اور سونے کے ہوجاتے۔ انتہائی عیش دنیوی کا نقشہ کھینچ دیا ہے!

۲۶ یعنی دنیا تو پوری کی پوری ہاتھ آجانے کے بعد بھی بہرحال فانی ہی ہے، سرتاسر ناقابل قدر وناقابل طلب، قابل قدر اور قابل طلب تو صرف آخرت ہے، اور وہ تقویٰ یعنی ایمان وطاعت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

علمائے حق نے کہا ہے کہ آیت سے چار مضمون پیدا ہوتے ہیں:۔

(۱) مومنین کے حق میں رعایت کہ کہیں یہ پھسل نہ جائیں اور دولت کو رضائے الٰہی سمجھنے لگیں۔ (۲) آخرت کی تخصیص مومنین متقین کے ساتھ۔ (۳) دنیا کی تحقیر اور اُس کی اصلاً تخصیص کافروں کے ساتھ۔ (۴) چاندی اور سونے کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ، کہ جو چیز کافروں کے سزاوار ہے مومن کے پسند کی نہ ہونا چاہیے۔

وإن ......الدنيا۔ بالفرض یہ سب کچھ ہوجائے، اوڑھنا بچھونا، سونے چاندی کا ہوجائے، جب بھی کیا اور کے دن کا؟ متاع الحيوٰة الدنيا۔ دنیوی زندگی کی عارضی فانی، چندروزہ چمک دمک!

والآخرة عند ربك للمتقين۔ آخرت کی دولت سرمدی، جو اہل ایمان وتقویٰ کا حصہ ہے، اس کا اور اس دنیا کا مقابلہ ہی کیا!

لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ

ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ اس کے ساتھ رہتا ہے ۲۷ اور وہ (شیاطین) ان لوگوں کو راہ (راست) سے روکتے رہتے ہیں

۲۷ (اور ہر وقت اُسے بدی کی ترغیب دیتا رہتا ہے)

نقیض ...... قرین ۔ یعنی انسان جب اپنے قصد وارادے سے کج روی اختیار کر لیتا ہے، تو قوائے شیطانی بھی خارج سے برابر اس کی کج روی و گمرہی کو تقویت پہنچاتے رہتے ہیں۔

ایسا شخص گو سزائے ظاہری سے سر دست محفوظ ہو، لیکن یہ عذاب کچھ کم ہے کہ ترقی سیئات ہی میں کرتا چلا جا رہا ہے!

اس فعل تقییض کی نسبت اللہ کی طرف بالکل ایسی ہی ہے جیسے "فلما زاغوا أزاغ الله قلوبهم" میں ازاغت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، محض علت العلل یا تکوینی مسبب الاسباب کی حیثیت سے۔

اس تقییض سے مراد تقییض خصوصی ہے، جس سے ضلالت مرتب ہی ہو جائے، ورنہ شیطان تو عمومی رنگ میں ہر انسان کے ساتھ رہتا ہی ہے، جیسا کہ حدیث نبوی میں آچکا ہے۔

عن ذکر الرحمٰن ۔ یعنی قرآن اور وحی الٰہی کی طرف سے۔

ومن ...... الرحمٰن ۔ اشارہ قرآن کے مخاطبین اول کی جانب ہے، جو رسالت کے دلائل اور امورِ اعجاز قرآنی کی طرف سے قصداً آنکھیں بند کیے رہتے تھے۔

آیت سے جب یہ معلوم ہو گیا کہ قرآن و ذکر الٰہی کی طرف سے ارادی غفلت ہی تسلط شیطان کا باعث ہوتی ہے تو اس مصیبت سے بچنے کا یہ کھلا ہوا علاج بھی نکل آیا کہ قرآن و ذکر کی جانب مشغولی دوام رہے۔

وفيه إشارة إلى أن من داوم عليه لم يقرنه الشيطان. (مدارك، ص: ۱۱۰۱)

صحبت صالح کی بھی کتنی اہمیت آیت سے نکل آئی! ـــــــ آج اپنے اپنے جلیسوں اور ہم صحبتوں کا جائزہ ذرا ایمان و عرفان کی عینک سے لیا جائے تو خدا معلوم کتنے شیاطین وقت اپنے اردگرد، اپنی مجلسوں، اپنے معاشرے میں گھسے ہوئے نظر آئیں گے!

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِىْ

اور (اپنے لیے) خیال کرتے رہتے ہیں کہ ہم راہ یاب ہیں ۲۸ (یہ تغافل قائم رہتا ہے) یہاں تک کہ جب وہ شخص ہمارے پاس آجاتا ہے، تو (اس شیطان سے) کہتا ہے کہ کاش میرے

وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ

اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا تو وہ (شیطان) کیسا برا ساتھی ہے؟ ۲۹ اور آج یہ بات بھی تمھارے کام نہ آئے گی

۲۸ (اور اس غلط اطمینان اور تغافل کی بدولت کبھی ضرورت بھی مزید تحقیق وکاوش کی نہیں سمجھتے) کیا حد ہے ان کی گمرہی کی، کہ عین گمرہی کو ہدایت سمجھ رہے ہیں!۔۔۔۔۔ کتنا عبرت کا مقام ہم سب لوگوں کے لیے ہے، خدا معلوم ہم خود کتنی گمراہیوں اور بدراہیوں میں گرفتار، کتنی ضلالتوں کو ہدایتیں سمجھ رہے ہیں!

وإنهم...... السبيل ۔لوگوں کو راہِ حق سے روکنا بھی تسلط شیطانی ہے۔إنهم میں ضمیر هم شیاطین کی طرف ہے۔

أي الشياطين. (روح،ج ۲۵/ص: ۸۱)

يحسبون أنهم مهتدون ۔اس میں ضمیریں سب انھیں اندھے بن جانے والے انسانوں کی طرف ہیں۔

أي يحسب كفار بني آدم أنهم على هدى. (معالم،ج ٤/ص: ١٦١)

۲۹ انکشاف حقیقت کے وقت انسان حسرت وندامت سب کچھ کرے گا کہ کیوں شیطان کا ساتھ ہوا، لیکن اُس وقت سب بے کار ہوگا۔

ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ کافر کا شیطان خواب وخور میں اس کا شریک رہتا ہے، اور مومن کا شیطان منتظر رہتا ہے کہ کب اُسے غفلت ہو، اور یہ پہنچے اور اُسے دبائے۔

حتى إذا جآء نا۔ یعنی یہ تغافل اور یہ مغالطہ بس اسی دنیوی زندگی تک رہتا ہے، اس کے ختم ہوتے ہی کشف حقائق ہونے لگتا ہے۔

بُعد المشرقين۔ مشرقین سے محاورے میں مراد ''دومشرقوں'' سے نہیں، بلکہ مشرق ومغرب سے ہوتی ہے۔

إِذْ ظَّلَمْتُمْ أَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٩﴾ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ

جب کہ تم خود کفر کر چکے ہو، کہ تم عذاب میں (دوسروں کے ساتھ) شریک ہو ۳۰ تو کیا آپ بہروں کو

الصُّمَّ أَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٤٠﴾ فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ

سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں ہیں رستہ دکھا سکتے ہیں؟ ۳۱ پھر اگر ہم آپ کو

بِكَ فَإِنَّا مِنْهُم مُّنتَقِمُونَ ﴿٤١﴾ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِى وَعَدْنَٰهُمْ

اٹھالیں تو بھی ہم ان (کافروں کو) سخت سزا دینے والے ہیں یا اگر ہم آپ کو وہ دکھلا ہی دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے

فَإِنَّا عَلَيْهِم مُّقْتَدِرُونَ ﴿٤٢﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىٓ أُوحِىَ إِلَيْكَ ۖ إِنَّكَ

تو ہم اس پر بھی قادر ہیں ۳۲ بہر حال آپ اس سے تمسک کیے جائیے جو آپ پر وحی کیا گیا ہے آپ بے شک

يريد المشرق والمغرب والأصل بعد المشرق.... من المغرب، والمغرب من المشرق. (كشاف، ج ٤/ص:٢٤٦)

ومن عادة العرب تسمية الشيئين المتقابلين باسم أحدهما. (كبير، ج٢٧/ص:١٨٣)

إذا قيلا بلفظ التثنية فإشارة إلى مطلعي ومغربي الشتاء والصيف. (راغب، ص:٢٩١)

۳۰ یعنی جو لوگ دنیا میں کافر مرے، ان کی تسکین اس سے ذرا بھی نہ ہو سکے گی کہ دوسرے بھی بہت سے اُن کے ساتھ دوزخ میں پڑے ہوئے ہیں، اور مرگ انبوہ جشنے دارد کا قانون وہاں بالکل نہ چل سکے گا۔

إذ ظلمتم۔ ظلم یہاں بھی کفر ہی کے معنی میں ہے۔

أی أشركتم فی الدنيا. (معالم، ج ٤/ص: ١٦١)

۳۱ یعنی ایسے ارادی کج رووں اور گمراہوں کی ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار سے خارج ہے، آپ ذرا بھی اس کے لیے فکر مند نہ ہوں۔

۳۲ مطلب یہ ہوا کہ ان کا عصیان وطغیان خالی جانے والا نہیں، عذاب ان پر ضرور مرتب ہوگا، خواہ آپؐ کی حیات ہی میں ہو یا آپؐ کے بعد ہو، ہم بہر صورت قادر ہیں، ہم ہر صورت

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤٣﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ

سیدھے راستے پر ہیں، اور یہ (قرآن) آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے بڑے شرف کی چیز ہے اور عنقریب

تُسْـَٔلُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا

تم سب سے پوچھا جائے گا ۳۳ آپ ان (سب) پیمبروں سے جنھیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے دریافت کر لیجیے کہ کیا ہم نے

میں ان پر قدرت یکساں رکھتے ہیں۔

۳۳ (کہ اپنے اپنے ذمہ کے حقوقِ قرآن کہاں تک ادا کیے؟)
آپ سے سوال تبلیغ کے متعلق ہوگا، اور ان لوگوں سے اُس پر عمل کا۔

إنه ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔

يعنى القرآن. (معالم، ج٤/ص:١٦٢)

أى ما أوحى إليك والمراد به القرآن. (روح، ج٢٥/ص:٨٥)

ذکر ۔ یہاں شرف کے معنی میں ہے۔

أى شرف لك ولقومك. (راغب، ص:٢٠٠)

معناه لشرف لك ولقومك قال ابن عباسؓ ومجاهد وقتادة والسدى وابن زيد، واختاره ابن جرير. (ابن كثير، ج٤/ص:١١٥)

أى إنه يوجب الشرف العظيم لك ولقومك. (كبير، ج٢٧/ص:١٨٥)

لك ولقومك ۔ موجب شرف ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو اس لیے کہ آپ براہِ راست مخاطب تھے، اور آپ کی قوم کے لیے اس واسطے کہ وہ بالواسطہ مخاطب تھی، اور اس طرح اس کے واسطے سے آپؐ کی اور آپؐ کی قوم دونوں کی نیک نامی اور بلند نامی قیامت تک قائم رہے گی۔

فقہائے مفسرین نے یہاں سے یہ پہلو بھی پیدا کیا ہے کہ بندۂ مومن کو اپنی نیک نامی دل سے عزیز رکھنا چاہیے۔

واعلم أن هذه الآية تدل على أن الإنسان لابد وأن يكون عظيم الرغبة فى الثناء الحسن والذكر الجميل، ولولم يكن الذكر الجميل أمراً مرفوعاً فيه لما منّ الله به على

ع ۱۰

مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ

(خدائے) رحمٰن کے سوا دوسرے خدا ٹھہرا دیے تھے کہ ان کی پرستش کی جائے؟ ۳۴ اور ہم نے موسیٰ کو اپنے نشانات کے ساتھ

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٦﴾

فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا تھا تو انھوں نے فرمایا کہ میں پروردگار عالم کی طرف سے پیمبر ہوں

محمد صلى الله عليه وسلم. (كبير، ج۲۷/ص:۱٦٣)

قوم سے مراد قوم قریش اور عرب بھی ہو سکتی ہے، اور ساری امت بھی۔

القوم هم العرب، فالقرآن لهم شرف إذ نزل بلغتهم. (معالم عن مجاهد، ج٤/ص:۱۸)

والقوم على هذا قريش ثم العرب قاله ابن عباس ومجاهد وقتادة والسدى وابن زيد. (بحر، ج۸/ص:۱۸)

وقال الحسن القوم هنا أمته. (بحر، ج۸/ص:۱۸)

أى لأمتك. (مدارك، ص:۱۱۰۱)

فاستمسك بالذى أوحى إليك۔ قرآن مجید کی تبلیغ بھی تمسک بالقرآن ہی کی ایک فرد ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیرت انگیز و معجزانہ استقامت پر فرنگی شہادت کے لیے ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔

۳۴ یعنی ان کتابوں اور صحیفوں سے جیسے کچھ بھی وہ موجود ہیں، تحقیق کر لی جائے۔

ليس المراد بسؤال الرسل حقيقة السؤال، ولكنه مجاز عن النظر فى أديانهم والفحص من مللهم. (مدارك، ص:۱۱۰۱)

والمراد به الاستشهاد باجماع الأنبياء على التوحيد. (بيضاوى، ج٥/ص:٦١)

''اس سے اوروں کا سنانا منظور ہے کہ جس کا جی چاہے تحقیق کر لے، اور کتابوں میں دیکھنے کو رسولوں سے پوچھنا مجازاً کہہ دیا، جیسے ہمارا بھی محاورہ ہے کہ کسی مسئلۂ طبیہ مختلف فیہا کو مختلف کتابوں میں دیکھنا ہو، یہ کہتے ہیں کہ آؤ ذرا شیخ بوعلی سینا سے پوچھیں کہ وہ کیا کہتا ہے، اور یہ کہہ کر قانون شیخ دیکھنے لگیں'' (تھانوی، ج۲/ص:۴۸٦)

فَلَمَّا جَآءَهُم بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُم مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِم

لیکن جب وہ ہمارے نشانات لے کر آئے تو ان لوگوں نے کیا کیا، کہ لگے ان پر ہنسنے، اور ہم ان کو جو بھی

مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ

نشانی دکھاتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑی ہوتی تھی، اور ہم نے انھیں عذاب میں پکڑا کہ شاید وہ

يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ

باز آجائیں ۳۵ اور وہ بولے کہ اے جادوگر! اپنے پروردگار سے ہمارے حق میں اس چیز کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے

اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ

(اب) ہم ضرور راہ پر آجائیں گے ۳۶ پھر جب ہم نے ان سے عذاب ہٹا دیا جب ہی انھوں نے

۳۵ (اپنے کفر و عناد سے)

وما نريهم ...... أختها۔ یہاں آیت یا نشانی سے مراد قحط وغیرہ کے نو مشہور معجزے یا خوارق ہیں۔

"مطلب یہ ہوا کہ سب نشانیاں بڑی ہی تھیں، اور یہ مطلب نہیں کہ ہر نشانی ہر نشانی سے بڑی تھی۔ یہ ایک محاورہ ہے جب کئی چیزوں کا کمال بیان کرنا ہوتا ہے تو یوں ہی بولتے ہیں کہ ایک سے بڑھ کر ایک"۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۴۸۸)

ولقد...... فرعون۔ آیات سے یہاں مراد دلائل، معجزات دونوں ہیں۔

موسیٰ و فرعون پر حاشیے بار بار گزر چکے۔

إني رسول رب العالمين۔ قوم فرعون ایک پروردگار عالم کی تخیل ہی سے نا آشنا تھی، علیٰ ہذا نبوت و رسالت کے عقیدے سے۔ قرآن مجید کے مختصر سے فقرے میں دونوں عقیدوں کی تبلیغ آگئی ــــــ پیمبروں کی تبلیغ جب اور جہاں کہیں بھی ہوئی ہے، خدائے واحد ہی کی ہوئی ہے۔

إذا هم منها يضحكون۔ پیام موسوی پر ایمان لانا تو الگ رہا، وہ معجزاتِ موسیٰ و دلائلِ موسوی کو سرے سے ناقابل التفات سمجھتے، اور الٹا اُن پر مضحکہ کرتے رہتے تھے۔

۳۶ فرعون اور فرعونی گو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شدید مخالف اور عقیدۂ نبوت

يَنۡكُثُوۡنَ ۝ وَنَادٰى فِرۡعَوۡنُ فِىۡ قَوۡمِهٖ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَيۡسَ لِىۡ

عہد بھی توڑ دیا ۳۷ اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرادی، یہ کہا کہ اے میری قوم والو! کیا مصر کی

کے یکسر منکر تھے، تاہم ایک زبردست عامل کی طرح آپ علیہ السلام کو سحر وکہانت وغیرہ میں کامل سمجھتے، اور آپؑ کی قوت تسخیر تکوینی کے پوری طرح قائل تھے، اور یہ یقین رکھتے تھے کہ دنیوی بلائیں اور مصیبتیں آپ کی وساطت سے آبھی سکتی ہیں اور دور بھی ہوسکتی ہیں۔

توریت میں اس موقع پر ہے:

''تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو بلایا اور کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے، اور میں ان لوگوں کو جانے دوں گا تا کہ وہ خداوند کے لیے قربانی کریں''۔ (خروج، ۸:۸)

''فرعون بولا کہ میں تمھیں جانے دوں گا تا کہ تم خداوند اپنے خدا کے لیے بیابان میں قربانی کرو، لیکن تم بہت دور مت جاؤ، میرے لیے شفاعت کرو''۔ (خروج، ۸:۲۸)

يٰاَيُّهَ السحر۔ اہل مصر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوتِ اعجازی کے پوری طرح قائل تھے، البتہ وہ اس کو آپؑ کی صداقت کی دلیل نہ سمجھتے، اور نبوت ورسالت کا تو مسئلہ ہی سرے سے ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ آپؑ کے لائے ہوئے تمام خوارق کو آپ کی زبردست قوتِ تسخیری تکوینی پر محمول کررہے تھے۔

اِنَّنَا لَمُهۡتَدُوۡنَ۔ یعنی اب ہم قائل ہوجائیں گے، اور اس کے بعد وہی ماننے لگیں گے، جو آپؑ ہم سے منوانا چاہتے ہیں۔

۳۷ توریت میں ہے:

''پھر جب فرعون نے دیکھا کہ مہلت ملی تو اس نے اپنا دل سخت کیا، اور جیسا خداوند نے کہا تھا اُن کی نہ سنی''۔ (خروج، ۸:۱۵)

''فرعون نے اس بار بھی اپنا دل سخت کیا، ان لوگوں کو ہرگز جانے کی رخصت نہ دی''۔ (خروج، ۸:۳۲)

''تو بھی فرعون کا دل سخت ہوا، اور اس نے لوگوں کو جانے نہ دیا''۔ (۹:۷)

''اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کردیا اور اس نے جیسا کہ خداوند نے موسیٰ سے کہا تھا، اُن کی نہ سنی''۔ (۹:۱۲)

مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٥١﴾

سلطنت میری نہیں اور یہ ندیاں میرے تحت میں بہہ رہی ہیں؟ کیا تم یہ (سب) نہیں دیکھتے ہو؟ ۳۸

غرض جب جب مصیبت اُن سے دور ہو جاتی تھی، یہ اپنے سارے عہد و پیمان بھول بھال پھر وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اور سرکشی پر آجاتے تھے۔

۳۸ فرعون کے اس اعلانِ خسروی کا مضمون یہ تھا کہ حکومت، جائز و قانونی حکومت تو مصر اور اس کے توابع پر میری ہے، میری حکومت کے خلاف یہ باغی ہے کون جو کھڑا ہوا ہے؟

الأنھار۔أنھار کے مفہوم دو ہو سکتے ہیں اور اردو میں ان کے لیے لفظ بھی دو ہیں: ایک تو انسانی صنعت سے تیار کیے ہوئے پانی کے چشمے اور دھارے، اردو میں نہر انھیں کو کہتے ہیں۔ دوسرے قدرتی ندیاں یا دریا۔ یہاں مراد دونوں ہی ہو سکتی ہیں، اگر ندیاں سمجھی جائیں تو اس سے مراد عظیم الشان مصری دریا نیل کی شاخیں ہوں گی۔ دریائے نیل بھی کہیں تو اپنے گرنے کے مقام کے قریب متعدد چھوٹی چھوٹی شاخوں میں تقسیم ہو گیا ہے، بلکہ بجائے خود مجموعہ ہے کئی معاون دریاؤں (نیل الأزرق وغیرہ) کا۔ اور قاہرہ کے بعد خود نیل کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں: ایک شاخ دمیاط اور ایک شاخ رشید یہ۔ اور اگر مراد اردو ہی کی نہریں سمجھی جائیں تو وہ نہریں مراد ہوں گی جن کا جال مصر میں قدیم سے بچھا چلا آرہا ہے۔

ایوری مینس انسائیکلوپیڈیا (Every Mans Encyclopedia) میں عنوان Canal (نہر) کے تحت میں ہے: ''مصر میں زمانۂ تاریخ کے قبل ہی سے دریائے نیل اپنی آب پاشی کی نہروں کے لیے مشہور چلا آرہا ہے''۔ (جلد ۳/ص: ۳۳، نیا ایڈیشن)

بریسٹڈ (Breasted) کی مستند تاریخ مصر (History of Egypt) میں فرعون موسیٰ سے پشتہا پشت قبل کے بادشاہوں کے زمانے میں نہروں کا ذکر بار بار آتا ہے تو فرعون کے عہد تک تو ان میں کہیں زیادہ ترقی ہو چکی ہوگی ـــــــ حوالے یہاں پر صرف دو بغرض اختصار دے دیے گئے، ورنہ قدیم مصر کی تاریخ پر انگریزی میں کہا جائے کہ جو بھی کتابیں اور نوشتے موجود ہیں، سب میں نہروں اور آب پاشی کے لیے نہروں کا ذکر موجود ہے، دریائے نیل کے گرنے کے سلسلے میں جو Delta (مثلث یا قطعہ یا تکونا یا مربع) بیسوں مربع میل تک چلا گیا ہے، وہ خود ایک مجموعہ ندیوں کا ہے۔

أَمۡ أَنَا۠ خَيۡرٞ مِّنۡ هَٰذَا ٱلَّذِي هُوَ مَهِينٞ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ۝٥٢

تو (بھلا بتاؤ) کیا میں افضل (نہیں) ہوں اس شخص سے جو بے وقعت ہے اور بولنا تک اسے نہیں آتا ۳۹

فَلَوۡلَآ أُلۡقِيَ عَلَيۡهِ أَسۡوِرَةٞ مِّن ذَهَبٍ أَوۡ جَآءَ مَعَهُ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ

سو اس کے (ہاتھوں میں) سونے کے کنگن کیوں نہیں پڑے ہوئے ہیں ۴۰ یا اس کے جلو میں فرشتے ہی

مُقۡتَرِنِينَ ۝٥٣ فَٱسۡتَخَفَّ قَوۡمَهُۥ فَأَطَاعُوهُۚ إِنَّهُمۡ كَانُواْ قَوۡمٗا

پرا جمائے ہوتے ۴۱ غرض اس نے اپنی قوم کو مغلوب کرلیا اور انھوں نے اس کا کہا مان لیا، وہ لوگ تھے ہی

۳۹ نسبی و نسلی کمال کی نفی تو ابھی فرعون اوپر کر چکا، اب ذاتی و شخصی تنقیص کر رہا ہے۔ کہتا ہے کہ اسے تقریر تک تو آتی نہیں!

لا یکاد یبین ۔خوش تقریری اس دور تمدن میں بھی ایک اعلیٰ کمال وفضیلت سمجھی جاتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوتِ تقریری کی کمی پر ملاحظہ ہو، سورۂ طٰہٰ (رکوع ۲) کے حاشیے۔

ھذا الذی ھو مھین ۔یعنی یہ شخص تو کوئی چھوٹا موٹا سا حاکم بھی نہیں، بلکہ الٹا مع اپنے سارے کنبے قبیلے کے میری ادنیٰ رعایا ہے! مغرور حکمران قوم کے نزدیک کسی فرد کا محکوم رعایا میں سے ہونا ہی اس کا انتہائی عیب ہے۔

۴۰ (جو جاہلی تہذیب و تمدن میں ایک اعلیٰ معیار و منصب واعزاز تھا)

مصری نظام حکومت میں جب بادشاہ کی خاص نظر عنایت کسی پر ہوتی تھی، کسی معمولی انسان کو نواب یا رئیس بااختیار بنایا جاتا تھا تو بطور اعزاز اسے سونے کے زیور پہنائے جاتے تھے۔ملاحظہ ہو، تفسیر انگریزی۔

۴۱ مشرکوں کی سمجھ ہی میں یہ نہیں آتا کہ کوئی انسان عام ومحض معمولی انسانیت کے ساتھ نبی کیوں کر ہوسکتا ہے، ان کے عقیدہ میں خدا کا اوتار یا مظہر جب دنیا میں آئے گا تو لازم ہے کہ فوق الانسان ہستیوں کے پورے جلسہ اور جلوس کے ساتھ آئے ـــــــ ڈاکٹر بی ایسٹر کی کتاب ہسٹری آف دی اینشینٹ ورلڈ (تاریخ دنیائے قدیم) میں ہے کہ ایک عجیب وغریب تصویر اب تک

فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾

بدراہ ۴۲ پھر جب ان لوگوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے انھیں سزا دے دی اور ہم نے ان سب کو ڈبو دیا

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ

تو ہم نے انھیں پچھلوں کے حق میں (ایک خاص قسم کا) پیش رو اور نمونہ (عبرت) بنادیا ۴۳ اور جب ابن مریم کو نمونے کے

مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ

طور پر پیش کیا گیا تو آپ کی قوم والے یہ سن کر اچھل پڑے اور بول اٹھے کہ اچھا تو افضل ہمارے دیوتا ہوئے یا وہ؟ ۴۴

موجود ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ رعمیس ثانی (فرعون مصری) ایک بت کے سامنے کھڑا ہوا، جو خود اسی رعمیس کا بت ہے، بیشر س کی پوجا کر رہا ہے! گویا بادشاہ اپنی انسانی حیثیت سے پرستش اپنی بھی اس کی الوہیتی حیثیت سے کر رہا ہے"۔ (ص: ۷۷)

۴۲ (خدا کے نافرمان و سرکش)

مصری قوم بھی اپنے بادشاہ کی ہم زبان و ہم خیال ہوگئی، اور وہ تھی بھی پہلے ہی سے گمراہ و بدعقیدہ۔

۴۳ یعنی بعد کی نسلیں ان کی سرکشی اور پھر غرقابی کے قصے یاد کر کے ان کے حال سے عبرت پکڑیں۔

آسفونا۔ اللہ کی ناراضی میں، بخلاف بندوں کی خفگی کے، کوئی شائبہ تاثر و انفعال کا نہیں ہوتا، تمام تر اپنے ارادے سے ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو، تفسیر انگریزی۔

غرقابی فرعون پر حاشیے سورۃ البقرہ (آیت ۵۰) میں گزر چکے۔

اجمعین۔ فرعون کو بھی اور فرعونیوں کو بھی۔

۴۴ قرآن مجید میں دوسرے پیمبروں کی طرح حضرت مسیحؑ کا بھی ذکر بارہا بطور نمونہ و نظیر کے آیا ہے۔ مشرکین عرب ان کا معبود مانا جانا بھی سن چکے تھے، اب جو رسولؐ کی زبانِ مبارک سے ان کی مدح و توصیف سنی، تو اپنی سفاہت و حماقت سے مارے خوشی کے اچھل پڑے، گویا کوئی بڑی سخت گرفت ان کے ہاتھ آ گئی، اور بول اٹھے کہ جب مسیحؑ باوجود اپنی معبودیت کے قابل مدح و داد ہو سکتے ہیں تو پھر آخر ہمارے دیوتاؤں، ٹھاکروں نے کیا برائی کی ہے! کیوں نہ مسیحؑ کی طرح یہ بھی

بزرگ و مقبول سمجھے جائیں؟______ مسیحیت کی جو شکل چھٹی صدی عیسوی کے عرب میں رائج تھی، وہ درحقیقت بولوسی مسیحیت بھی نہ تھی، بلکہ جاہلیت عرب اور مسیحیت کا ایک مخلوطہ تھی، اس لیے مشرکین مکہ کا یہ سوال ان کے نقطۂ نظر سے کچھ زیادہ عجیب تھا بھی نہیں۔

یونیورسٹی کالج ٹورنٹو (امریکا) کے ایک استاد اف، وی، وینٹ (Wenett) جنھوں نے ابھی چند سال ہوئے یمن، شام وغیرہ کے بہت سے قدیم کتبوں کی جانچ پڑتال کی تھی، وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں:۔

''ہمیں جو تصویر نظر آتی ہے، وہ مسیحیت اور جاہلیت عرب کی ملی جلی ہوئی ہے۔ مسیحؑ نے قدیم دیوتاؤں کو بے دخل نہیں کیا ہے، بلکہ ان کی فہرست میں خود مسیح کا ایک اضافہ ہوگیا ہے۔ شامی مسیحیت میں بے شک مسیح کا مرتبہ کچھ بلند ہے...... اور جنوب میں ان کا مرتبہ اور بھی پست تر ہے۔ (آگے ایک اقتباس درج ہے جس میں یمن کی دوسری دیوی دیوتاؤں کے درمیان مسیح کا نام بھی ہے۔) یہ تو صاف وصریح شرک ہے، اوپر گزر چکا ہے کہ جانور بھی مسیح کے نام بھینٹ چڑھائے جاتے تھے، ان سے دعائیں اسی طرح کی جاتی تھیں، جیسے دوسرے دیوتاؤں سے، گویا مسیح کا شمار بھی عرب کی مشرکانہ جاہلیت کے دیوتاؤں میں ہوگیا تھا۔'' (سہ ماہی مسلم ورلڈ، نیویارک اکتوبر ۱۹۴۱ء۔ صفحہ ۵۳-۵۴)

اس کے بعد آیت کی تفسیر میں کوئی اشکال نہیں رہتا، اور مشرکین مکہ کی غلط فہمی کے اسباب بالکل واضح ہوجاتے ہیں۔

ابن مریم۔ مراد عیسیٰ مسیحؑ ہیں، بجائے ان کے نام یا لقب کے یہاں انھیں صرف اسی کنیت سے یاد کرنا غالباً ان کی بشریت پر زور دینے کے لیے ہے۔

قومک۔ قوم قریش یا مشرکین مکہ۔ وہ قوم جو داعیٔ قرآن کی براہِ راست مخاطب تھی۔

یصدون۔ صَدّ یَصِدُّ کے معنی ہیں خوشی سے چیخ اٹھنا۔

قال قتادة یجزعون ویضحکون۔ (ابن کثیر، ج ٤/ ص: ۱۱۷)

یضحکون أی اعجبوا بذلك (ابن کثیر عن ابن عباسؓ وعکرمة ومجاهد والسدی والضحاك، ج ٤/ ص: ۱۱۷)

یعنی اس سے مشرکین مکہ کو اپنے خیال میں ایک بڑی زبردست گرفت ہاتھ آگئی تھی۔

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ

(حقیقت یہ ہے کہ) انھوں نے یہ آپ کے سامنے محض کٹ حجتی کے طور پر پیش کیا ہے ۴۵ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو ۴۶ وہ تو بس

اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ

ہمارے ایک بندے تھے کہ ان پر ہم نے اپنا فضل کیا تھا اور انھیں بنی اسرائیل کے لیے ایک نمونہ بنایا تھا ۴۷ اور اگر ہم چاہتے

۴۵ (نہ کہ تحقیق وطلب حق کے لیے)

مشرکوں نے عیسائیوں کے "ابن اللہ" اور قرآنی مسیح کے درمیان خلط کردیا، اور کمال حماقت سے مسلمانوں کو مسیحی سمجھ لیا، اور ان کے سامنے بطور حجت الزامی وہ چیز پیش کی، جو صرف مسیحیوں کے مقابلے میں پیش کی جاسکتی ہے، مسلمان حضرت مسیحؑ کو معبود سمجھتے ہی کب اور کہاں ہیں؟ وہ تو خود اس عقیدے پر لاحول پڑھتے ہیں، اور اسے کھلا ہوا شرک سمجھتے ہیں، معبودیت والے جز کا جواب تو مسیحیوں سے طلب کرنا چاہیے، مسلمانوں کو اس عقیدے سے کیا سروکار؟ قرآن تو اس کی تردید ہی بار بار کر رہا ہے۔

۴۶ یعنی حق کی طلب نہ رکھنے والے، بلکہ صرف کج بحثی میں لگے رہنے والے، چنانچہ اس مسئلے میں بھی عیسائیوں کے عقیدے کو خواہ مخواہ مسلمانوں پر چپکا دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت واحترام میں بے شک مسلمان اور عیسائی متحد ہیں، لیکن بس اس کے آگے زمین وآسمان کا فرق ہے، مسیحی ان کے معبودیت کے، الوہیت کے قائل ہیں، اسلام اس عقیدے پر لعنت بھیجتا ہے۔ مشرکوں کی غباوت وجہالت ملاحظہ ہو کہ عیسائیوں کی مزعومہ الوہیت ومعبودیت کو بطور استدلال مسلمانوں کے مقابلے میں پیش کر رہے ہیں!

۴۷ یہاں حضرت مسیح ابن مریمؑ کی اصلی حقیقت اور ان کا صحیح مقام بیان کردیا ہے۔ وہ اللہ کے ایک مقبول بندے ہیں اور بنی اسرائیل کے حق میں ایک نمونۂ قدرت یا مثال یا قدوہ —— اسلام میں بلند ترین مقام کمال یہی عبدیت یا بندگی ہے۔

مثلاً ۔ مَثَل سے مراد دلیل وعلامت قدرت بھی ہوسکتی ہے۔

أی دلالة وحجة وبرهاناً علی قدرتنا علی مانشاء. (ابن کثیر، ج ۴/ص: ۱۱۹)

اور یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ وہ بطور مثال یا امام یا قدوہ کے تھے۔

لَجَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ مَّلٰٓئِكَةً فِى الۡاَرۡضِ يَخۡلُفُوۡنَ ۝۶۰ وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ

توہم تم سے فرشتے پیدا کردیتے جو زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کرتے ۴۸ اور وہ تو ایک ذریعہ تھی

لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوۡنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ

قیامت کے یقین کا ۴۹ تو تم لوگ اس میں شک مت کرو اور تم لوگ میری پیروی کرو یہی سیدھی

لبنی اسرائیل۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیام بنی اسرائیل ہی کے لیے تھا، اس کا اعتراف اب تک انجیلوں میں موجود ہے۔

''ان بارہ کو یسوع نے بھیجا، اور انھیں حکم دے دیا گیا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا، اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا''۔ (متی، ۱۰:۵-۷)

''اس نے جواب میں کہا کہ بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس بھیجا نہیں گیا''۔ (متی، ۱۵:۲۴)

۴۸ (اور یہ چیز تو مسیحؑ کی بن باپ کی پیدائش سے کہیں بڑھ کر ہوتی)

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے، بے باپ کی ولادت سے بھی کہیں زیادہ عجیب وغریب چیزوں پر۔

ولو نشاء۔ یعنی اگر ہماری مشیت تکوینی یہی ہوتی۔

۴۹ یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے مسیحؑ کی آمد ثانی کی طرف، یعنی آپؑ کا دوبارہ ظہور قرب قیامت کی ایک یقینی علامت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور ثانی کی پوری تفصیلات کتب حدیث میں ملیں گی۔ ابواب الفتن، اشراط الساعة وغیرہ میں۔

علم کے معنی متعدد ہیں: معرفت، شعور، یقین وغیرہ۔ یہاں اسے شرط یا علامت کے مفہوم میں لیا گیا ہے، اور یہ لینے والے عربیت کے بہترین ماہرین ہیں۔

أى شرط من أشراطها تعلم به فسمى الشرط علماً لحصول العلم. (كشاف، ج٤/ص:٢٥٤)

لأن حدوثه ونزوله من أشراط الساعة تعلم به دنوها. (بيضاوى، ج٥/ص:٦٢)

أى نزول المسيح عليه السلام يعلم به قرب الساعة. (ابن قتيبة، ص:٣٤٥)

اور یہی معنی بکثرت تابعین، بلکہ بعض صحابیوں سے بھی منقول ہیں۔

يدل على قرب قيامها إذ خروجه شرط من أشراطها وهو نزوله من السماء فى آخر الزمان

(بحر عن ابن عباس ومجاهد وقتادة والحسن والسدى والضحاك وابن زيد، ج٨/ص:٢٥)

قال مجاهد أى آية للساعة خروج عيسى بن مريم عليه السلام قبل يوم القيامة، وهكذا روى عن أبى هريرة وابن عباس وأبى العالية وأبى مالك وعكرمة والحسن وقتادة والضحاك وغيرهم. (ابن كثير، ج٤/ص:١١٩)

علم کی دوسری قرأت بھی یہاں بعض صحابیوں اور تابعین کی روایت سے عَلَم بالفتح ہے، جو خود علامت کے معنی میں ہے۔

عن ابن عباس ماذكرت عنه فى فتحها، وعن قتادة والضحاك. (ابن جرير، ج٢١/ص:٦٣٣)

قرأ ابن عباس عَلَم وهو العلامة. (كشاف، ج٤/ص:٢٥٤)

وقرأ ابن عباس وأبو هريرة وقتادة بفتح اللام والعين أى أمارة وعلامة. (معلم، ج٤/ص:١٦٦)

لیکن اشارہ اگر مسیحؑ کی آمد ثانی نہیں، صرف آمد اول ہی کی طرف مانا جائے، جب بھی کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا، مراد اس صورت میں یہ ہوگی کہ مسیح کی یہی تاریخی آمد، جو خاتم ہے قومی و نسلی انبیاء کے دور کی، یہ خود ایک یقینی علامت قرب قیامت کی ہے۔

بعض ائمۂ لغت نے بھی دونوں قراءتیں نقل کر کے معنی وہی قرار دیے ہیں، جو ابھی نقل ہو چکے ہیں۔

المعنى أن ظهور عيسىٰ ونزوله إلى الأرض علامة تدل على اقتراب الساعة.

(لسان، ج٩/ص:٣٧٢)

بایں ہمہ اس میں شک نہیں کہ آیت کا شمار قرآن مجید کی مشکل آیتوں میں ہے۔

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٢﴾

راہ ہے ۵۰ اور شیطان تمھیں ہرگز روکنے نہ پائے، وہ بے شک تمھارا صریح دشمن ہے

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ

اور جب عیسیٰ کھلے نشان لے کر آئے ۵۱ تو انھوں نے فرمایا میں تمھارے پاس حکمت کی باتیں لے کر آیا ہوں

وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور اس لیے تاکہ تم پر واضح کردوں وہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو، سو اللہ سے ڈرو

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ

اور میری اطاعت کرو ۵۲ بے شک اللہ ہی میرا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی پروردگار ہے، اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی

۵۰ یعنی پیمبر کی پیروی ہی سیدھی راہ ہے، اور اس میں عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، عقیدۂ معاد سب آ گئے۔

بها ضمیر الساعۃ کی طرف ہے یعنی وقوع حشر ہرگز کوئی شک وشبہ والی چیز نہیں۔

في وقوعها. (روح، ج ۲۵/ص: ۹۶)

۵۱ بینات میں احکام، دلائل وخوارق سب آ گئے۔

أي بالمعجزات وبالشرائع البينات الواضحات. (کبیر، ج ۲۷/ص: ۱۹۱)

۵۲ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہود مختلف فرقوں میں شدید باہمی اختلافات کے ساتھ بٹے ہوئے تھے اور عقائد واحکام کے باب میں سخت خانہ جنگی برپا تھی، یہ اشارے سب اسی طرف ہیں، اور قرآن کے اعجاز پر ایک دلیل مزید ہے۔ عرب کے ایک غریب اُمی کو ایک بالکل دوسری قوم اور دوسرے ملک کے، اور وہ بھی ساڑھے پان سو سال قبل کے شدید باہمی اختلافات کی خبر از خود ہو بھی کیا سکتی تھی؟

جئتکم بالحکمۃ۔ معارف وحقائق کا درس پیمبر سے بڑھ کر اور کون لاتا ہے! انھیں علوم حقیقی کو الحکمۃ کے جامع لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ

راہ ہے ۵۳ پھر بھی (مختلف) گروہوں نے آپس میں اختلاف ڈال لیا، پس بڑی خرابی ہے ان

ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٦٥﴾ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ

ظالموں کے لیے ایک پُردرد دن کے عذاب سے ۵۴ یہ لوگ تو بس قیامت ہی کا انتظار کرتے ہیں

أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٦﴾ الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ

کہ وہ بس ان پر اکبارگی آپڑے، اور انھیں خبر بھی نہ ہو ۵۵ اس روز (دنیا کے) جگری دوست ایک دوسرے کے

فاتقوا اللّٰہ و أطیعون ۔ ان الفاظ سے صاف اشارہ اس طرف ہوگیا کہ اتباعِ نبی کی راہ میں اصلی رکاوٹ خوفِ خدا کا فقدان ہی ہے۔ آپس میں نفسا نفسی، ضد اور جمود، طلب حق کی طرف سے بے التفاتی سب اسی تقوائے الٰہی کی کمی سے پیدا ہوتی ہے۔

۵۳ دین کا اصل اصول یہی مسئلۂ توحید ہے ـــــ یہی فقرہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کیا جا چکا ہے، اور اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے دہرایا جا رہا ہے۔

إن ...... ربکم ۔ وہ ایک خدا، جس طرح تمھارا پروردگار، میرا بھی پروردگار، جیسے تم اس کے بندے، میں بھی اس کا بندہ ـــــ مروجہ مسیحیت پر خاص زد ہے۔

۵۴ للذین ظلموا۔ ظلم یہاں بھی کفر کے مرادف ہے، اور الذین کفروا کے معنی کافروں ہی کے ہیں ـــــ سیاق میں مختلف گروہ یہود اور نصرانیوں کے معلوم ہوتے ہیں جنھوں نے عیسیٰ مسیحؑ کی بشریت اور رسالت کے بارے میں افراط وتفریط سے کام لیا۔

فاختلف الأحزاب من بینھم ۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو سیدھے سادھے مذہب توحید کی دعوت دے گئے تھے، یہ تو ان کے مخاطبین تھے جنھوں نے مسلکِ توحید سے ہٹ کر طرح طرح کے مذہب تراش لیے۔ ان خرافات کی ذمہ داری مذہب اسلام پر یا حضرت مسیحؑ کی اصل تعلیمات پر کیا آسکتی ہے!

أحزاب سے مراد ایک طرف تو یہود ہیں، اور دوسری طرف مسیحی اور ان کے اندرونی فرقے۔

۵۵ ذکر منکرین قیامت کا ہے، یہ منکرین انھیں غفلتوں میں پڑے ہوں گے کہ

لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۶۷﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ

دشمن ہوں گے مگر ہاں متقین (نہیں) ۵۶ اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں

ع ۱۱ ۶ ۱۲

قیامت یک بیک آواقع ہوگی، یہاں اصل مقصود اِن منکرین کی غفلت و مدہوشی پر زور دینا ہے، یہ مراد نہیں کہ قربِ قیامت کی علامتیں مفقود ہوں گی، قربِ ساعت تو قرآن مجید نے بار بار بیان کیا ہے اور احادیث میں ان کی بڑی تفصیل وارد ہوئی ہے۔

ینظرون۔ یہاں ینتظرون کے معنی میں ہے۔

یعنی ینتظرون. (روح، ج ۲۵/ص:۹۷، جلالین، ص:٦٥٤)

ھل ۔ یہاں سوالیہ نہیں نافیہ ہے۔

ماینتظرون. (جلالین، ص:٦٥٤)

۵۶ عالم آخرت کشف حقائق کا عالم ہے، دنیا کی جتنی بھی دوستیوں، محبتوں کی بنیاد باطل پر ہے، سب کا بطلان وفساد اس وقت قدرتی طور پر آئینہ ہوکر رہے گا، اور ان دوستوں اور محبوں سے نفرت وبیزاری بھی اسی درجہ شدت کے ساتھ پیدا ہوجانی ناگزیر ہے بخلاف اس کے جن دوستیوں، محبتوں کی بنیاد حق واصلاح پر ہوگی، ان کا نفع واجر بھی قدرۃً اس وقت پوری طرح مشاہدے میں آئے گا، اور اس لیے ایسے محبوبوں کے ساتھ محبت اور بڑھے گی ــــــ ایک ہی کلب کی ممبری، ایک ہی نشاط خانہ سے روسیاہی، ایک ہی میکدے سے شراب نوشی، اس قسم کی ساری رفاقتیں اس روز کیا کام آئیں گی!

إلا المتقین کا ٹکڑا بہت زور دے کر پڑھنے والا اور خاص طور پر سمجھنے والا ہے۔

الأخلاء۔ معمولی شناساؤں اور سبھی ملاقاتیوں کو نہیں کہتے، گہرے اور جگری دوستوں کو کہتے ہیں۔ ان تک کی باہمی محبتیں سب حشر میں باطل اور نابود ہوکر رہیں گی، قیام وبقا صرف انھیں محبتوں اور اخلاص مندیوں کو ہوگی، جن کی بنیاد حق اور تقوے پر قائم ہوگی۔

الأخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو۔ سیاسی پارٹیاں جو آج اپنے ممبروں کے برتاؤ اور منانے ہی کے باب میں کس قوت کے ساتھ یہاں مستعد نظر آتی ہیں، حشر کے دن ان کی افسردگی وفغاں حالی اور نفسانفسی دیکھنے کے قابل ہوگی!

وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝٦٨ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝٦٩

اور نہ تم غمگین ہو گے ۵۷ (یہ وہ لوگ ہیں) جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور ہمارے فرماں بردار تھے

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝٧٠ يُطَافُ عَلَيْهِمْ

تم اور تمھاری بیویاں خوش خوش جنت میں جا داخل ہو، ان کے پاس

بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ

سونے کی رکابیاں لائی جائیں گی اور گلاس (بھی) اور وہاں وہ سب کچھ ملے گا جس کا جی خواہش کرے گا

وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٧١ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ

اور جس سے آنکھوں کو لذت ملے گی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے، اور یہی وہ جنت ہے جس کے

اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٧٢ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ

تم اپنے اعمال کے عوض میں مالک بنا دیے گئے ہو، تمھارے لیے اس میں بہت سے میوے ہیں

مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝٧٣ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝٧٤

جن سے تم کھا رہے ہو ۵۸ بے شک نافرمان لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے

۵۷ یہ ندا حشر میں مومنین کو حق تعالیٰ کی طرف سے دی جائے گی۔
خوف کا تعلق مستقبل سے ہے، اور حزن کا تعلق ماضی سے، یعنی نہ آیندہ کسی تکلیف کا اندیشہ کرو، اور نہ اب ماضی کی یاد تمھارے دل میں کوئی کیفیت غم کی پیدا کرے گی۔

۵۸ (اور اس سے اب کبھی بے دخل نہ ہو گے)
یہ منظر سب جنت کے ہیں۔ ہر نعمت، ہر سرور، ہر لذت، مادی و معنوی، جسمانی و روحانی، ہر قسم کی اہل جنت کو حاصل ہو گی، اس میں کوئی استثناء ہی نہیں۔
وفیھا۔ ضمیر ھا جنت کی طرف ہے۔
وأنتم فیھا خالدون۔ اور پھر یہ نعمتیں علاوہ بے انداز و بے حساب ہونے کے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دائمی ہوں گی، جن کے قطع ہونے کا کبھی خطرہ ہی نہیں۔

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ

وہ ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے اور ہم نے ان پر (ذرا) ظلم نہیں کیا بلکہ

كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ

وہ خود ہی (اپنے حق میں) ظالم رہے ہیں ۵۹ اور یہ لوگ پکاریں گے کہ اے مالک! تمھارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے

وفیھا......الأعین۔ نفس وعین کی لذات کی اس تصریح نے حسی وبصری لذات کی اس صراحت نے ان باطل فرقوں کی جڑ کاٹ دی، جو سمجھتے ہیں کہ جنت صرف کیفیاتِ روحانی کا محل ہے، اور لذات مادّی کا وہاں پتا نشان ہی نہ ہوگا۔

أزواجکم ۔ أزواج کے تحت میں بیویوں کا ہونا تو ظاہر ہی ہے، باقی دوسرے ساتھی بھی اگر أزواج کے عموم میں داخل سمجھ لیے جائیں تو گنجایش اس کی بھی ہے۔

أورثتموھا بما کنتم تعملون۔ اہل جنت کو بار بار اس کا بھی یقین دلا دیا جائے گا کہ تم اب ان نعمتوں کے مالک بنا دیے گئے ہو، بے کھٹکے، ان سے جس طرح چاہو لذت گیر ہو، اور یہ سب تمھیں اپنے اعمال کے حق سے ملا ہے۔

فاکھة کثیرة۔ کثرت سے مراد کثرتِ عددی تو ظاہر ہی ہے کہ جنت کے میوے بے حد وشمار ہوں گے، باقی یہاں اشارہ ان کی بے انتہا لذت کی جانب بھی ہے یعنی دنیا کے میووں کا بلحاظ لذت وذائقہ بھی اُن سے کوئی مقابلہ نہیں۔

جعلھا کثیرة اعتباراً بمطاعم الدنیا، ولیست الکثرة إشارة إلی العدد فقط بل إلی الفضل. (راغب، ص:٤٧٦)

۵۹ (کہ پیامِ اسلام کو سُنا اَن سُنا کرکے اور کفر وشرک اختیار کرکے، اپنے ہاتھوں اس مصیبت میں پڑے)

المجرمین ۔ مجرمین سے مراد کفر وشرک کے مرتکبین ہیں نہ کہ مطلقاً عاصی۔

أی الراسخین فی الاجرام الکاملین فیه وھم الکفار. (روح، ج۲۵/ص:١٠٢)

المشرکین. (معالم، ج٤/ص:١٧٠)

قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ

وہ کہے گا تمھیں تو (اسی حال میں) پڑا رہنا ہے ۶۰ بالیقین ہم نے سچا دین تم تک پہنچا دیا، لیکن تم میں سے زیادہ تر

لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ

سچے دین سے بیزاری ہی رکھتے ہیں ۶۱ تو کیا انھوں نے کوئی انتظام کر رکھا ہے؟ ہاں تو ہم نے بھی انتظام کر رکھا ہے، کیا ان کا یہ خیال ہے

اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾

کہ ہم ان کے رازوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو سن نہیں رہے ہیں؟ ضرور سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھتے (بھی) جاتے ہیں ۶۲

يدل على أن المراد من المجرمين الكفار. (كبير، ج۲۷/ص:۱۹٤)

وماظلمنهم۔ یہ خدائے اسلام کے صفات میں سے نہیں کہ وہ کسی کو ناحق دوزخ میں ڈال دے، یا خواہ مخواہ عذاب میں مبتلا کردے۔

الظلمين۔ ظالم یہاں بھی کافر کے مرادف ہے۔

أى الواضعين الكفر موضع الإيمان. (بحر، ج۸/ص:۲۷)

لا......مبلسون۔ یہ سب صفت خلدون (ہمیشگی جہنم) کو اور زیادہ واضح و مؤکد کرنے کے لیے ہے۔

ف۶۰ (نہ مرنا ہے نہ اس سے نکلنا ہے)

يملك ۔ مالك لقب ہے داروغۂ جہنم کا۔

وهو خازن النار. (ابن كثير، ج٤/ص:۱۲۱)

يملك......ربك۔ انتہائی اضطرار میں، یہ سمجھ کر کہ شاید موت ہی ساری اذیت کا خاتمہ کردے، اہل دوزخ تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش ہمیں موت ہی آجائے!۔۔۔۔۔۔ اور اس درخواست میں داروغۂ جہنم سے سفارش چاہیں گے۔

ف۶۱ ۔ دینِ حق کی تبلیغ کے بعد اس سے اسی انکار و کراہت اعتقادی ہی کا نتیجہ تو دوزخ کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

ف۶۲ (تو کیا ہم ان کی سازشوں کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیہ سے بھی لاعلم و بےخبر رہ سکتے ہیں؟)

قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ ﴿۸۱﴾ سُبۡحٰنَ

آپ کہہ دیجئے کہ اگر خدائے رحمن کے اولاد ہو تو سب سے پہلے عبادت کرنے والا تو میں ہوں ۶۳ پاک ہے

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرۡهُمۡ

آسمانوں کا اور زمین کا پروردگار، عرش کا پروردگار ان چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں ۶۴ تو آپ انھیں پڑا رہنے دیجئے

أم يحسبون......نجوٰهم ۔ یہ مشرکین جو اسلام و بانی اسلام کے خلاف چپکے چپکے اتنی سازشیں اور کمیٹیاں کرر ہے ہیں تو کیا یہ احمق یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ان کے اسی جزئیہ سے ناواقف بھی ہیں؟

سرّهم ۔ یعنی جو کچھ یہ اپنے دلوں میں منصوبہ باندھتے رہتے ہیں اور اس کو سب سے راز رکھے ہوئے ہیں۔

نجوٰهم ۔ یعنی جو کچھ یہ اپنے رازدار دوستوں سے چپکے چپکے صلاح و مشورہ کرتے رہتے ہیں۔

۶۳ (اس لیے کہ خدا زادہ بھی لامحالہ تمام اوصاف الوہیت و معبودیت ہی سے متصف ہوگا)

إن......ولد ۔ بطور فرض محال اگر واقعی اُس کے اولاد ہو، جیسا کہ مسیحیوں کا عقیدہ ہے ——— اسلوب بیان میں عقیدۂ ولدیت کی کمال نفی ہے۔

هذا كلام وارد على سبيل الفرض والتمثيل لغرض، وهو المبالغة في نفي الولد والإطناب فيه. (كشاف، ج٤/ص:٢٥٨، بحر، ج٨/ص:٢٨)

فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ امر محال کا فرض کرنا اور پھر اس پر احکام کا ترتب دونوں بالکل جائز ہیں۔

۶۴ جو بات فرض محال کے طور پر ابھی پیش ہوئی تھی، اب اُس کی تردید ہو رہی ہے کہ ”مگر نہیں، توبہ توبہ ایسا کہاں؟ ایسا ہونا ممکن ہی کیوں کر ہے؟ اس کی صفات میں جس قدر بھی شرک یہ ظالم شریک کرر ہے ہیں، وہ ان سب سے ارفع و منزہ ہے، اُس کی ناقابل پیمائش عظمت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ وہ خالق و مالک زمین کا بھی ہے، آسمانوں کا بھی، اور عرش کا بھی، اُس کی معبودیت میں شریک ان عظیم ترین ہستیوں میں سے کوئی بھی نہیں، وہ یکتا و قدوس ہر شریک اور ہر شرکت سے بالاتر ہے“۔

يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾

کہ (یہی) شغل وتفریح کرتے رہیں، یہاں تک کہ اس دن سے انھیں سابقہ پڑجائے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ۶۵

وَهُوَ الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِى الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ

اور وہ وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے اور وہی حکیم کل ہے

الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ج

علیم کل ہے ۶۶ وہ ذات بڑی عالی شان ہے جس کی ملک آسمان وزمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے وہ سب ہے

۶۵ (اُس وقت ساری حقیقت کھل جائے گی)

ذکر اُن گمراہوں کا ہورہا ہے جو باوجود وضوح حق کے اپنے عناد سے باز نہیں آتے۔
یہ مطلب نہیں کہ آپ انھیں ان کی حالت پر پڑا رہنے دیجیے اور اُن کی طرف سے غافل وبے فکر ہوجایئے، یا یہ کہ تبلیغ بند کردیجیے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی مخالفت کی طرف زیادہ التفات نہ کیجیے، اور ان کی محرومی پر زیادہ غم وتاسف نہ کیجیے۔

فذرھم ۔ صورۃً امر ہے، لیکن مقصود کمال توہین واظہارِ غضب ہے۔

۶۶ (کہ نفس الوہیت وربوبیت میں کوئی اس کا شریک کیا ہوتا، ان صفات علم وحکمت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں)

بہت سی مشرک قوموں میں (اور انھیں میں قدیم ہندی قوم بھی ہے) عقیدے یہ رہے ہیں کہ فلاں فلاں دیوتا زمین کے ہیں، فلاں فلاں آسمان پر رہتے ہیں، فلاں فلاں فضائے آسمانی کے ہیں، یہاں اسی عقیدے کی تردید ہورہی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

وھو الذی...... الأرض إله۔ امام رازیؒ نے کہا ہے کہ آیت ان لوگوں کی قطعی تردید کررہی ہے، جو حق تعالیٰ کا مستقر آسمان کو سمجھے ہوئے ہیں، اُس کا تعلق آسمان سے بھی بس وہی ہے، جو زمین سے ہے، اور زمین کا مستقر الٰہی نہ ہونا ظاہر ہی ہے۔

هذه الآية من أدل الدلائل على أنه تعالىٰ غير مستقر فى السماء. (کبیر، ج ۲۷/ص: ۱۹۸)

وَعِندَهُۥ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾ وَلَا يَمْلِكُ ٱلَّذِينَ

اور اسی کو قیامت کی خبر ہے اور اس کی طرف (تم سب) واپس کیے جاؤ گے ۶۷ اور جن کو یہ اللہ کے سوا

يَدْعُونَ مِن دُونِهِ ٱلشَّفَـٰعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِٱلْحَقِّ وَهُمْ

پکارتے ہیں انھیں تو سفارش (تک) کا اختیار نہیں، ہاں جن لوگوں نے حق کا اقرار کیا اور وہ تصدیق بھی کرتے رہے

يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ ٱللَّهُ فَأَنَّىٰ

(وہ البتہ سفارش کر سکیں گے) ۶۸ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ انھیں کس نے پیدا کیا تو یہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے، پھر آخر

۶۷ (نہ کہ کسی اور کی طرف)

داورِ محشر صرف وہی ذات حق تعالیٰ ہے ــــــ اس کے اس وصف میں بھی کوئی شریک نہیں ــــــ اس تردید کی زد براہِ راست عیسائیوں پر پڑتی ہے، جنھوں نے داورِ محشر حضرت مسیحؑ کو قرار دے رکھا ہے۔

وعندہ علم الساعۃ۔ یعنی آمدِ قیامت کے ٹھیک وقت کی خبر صرف حق تعالیٰ کو ہے، دوسروں کے اختیار میں اور تو کیا ہوتا، اس اطلاع تک میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

لہ...... بینھما۔ اس کی مالکیت کامل و محیط و بلا شریک ہے ــــــ صفت علم و صفت قدرت وملک کا اثبات قرآن مجید میں اکثر ساتھ ہی ساتھ آیا ہے۔

۶۸ مسئلۂ شفاعت جیسا کہ مسیحیوں اور بعض دوسری قوموں میں چلا ہوا ہے، سرتاسر باطل و بے اصل ہے، اس عقیدے کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی ہے جو اس معنی میں خدائی طاقت رکھتی ہے، اور قیامت میں سابقہ اسی سے پڑے گا، فیصلہ وہی کرے گا، وہ جسے چاہے معاف کردے، یا پھر یہ کہ وہ خدا تعالیٰ پر زور اور دباؤ ڈال کر فیصلہ اپنی اولاد اور اپنے متوسلین کے حق میں کرالے گا۔

اسلام نے ان سب لغویات کی تردید کی، اس نے بار بار بتایا کہ فیصلے تو سارے کے سارے صرف حق تعالیٰ کریں گے۔ علم اس کا کامل، مصلحتوں پر پوری پوری نظر اس کی، پھر اسے حاجت ہی کسی کی شرکت یا اعانت کی کیا ہے، البتہ مخلوق دوسرے مخلوق کی صرف شفاعت کر سکتی ہے، سو شفاعت بھی مطلق نہیں بلکہ ان قیود کے ساتھ:۔

يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

کدھر الٹے چلے جارہے ہیں ۶۹؎ اور اسے رسول کے اس کہنے کی (بھی خبر ہے) کہ اے میرے پروردگار! یہ لوگ ایسے ہیں کہ ایمان نہیں لاتے ۷۰؎

(۱) وہ شفاعت اذنِ الٰہی کے بعد ہو، کوئی شخص ازخود شفاعت کی جرأت نہیں کرسکتا۔

(۲) شفاعت جس کی کی جائے وہ خود بھی صاحب ایمان ہو۔

ولا یملك......الشفاعة ۔ بچا لینے یا معاف کردینے یا اس احکم الحاکمین کے کسی فیصلے سے معارضہ کرنے کی تو خیر کسی کی کیا مجال ہوتی، حق تعالیٰ کے حضور میں سعی و سفارش کے لیے لب کھولنے کا اختیار بھی ہر ایک کو نہیں۔

إلا من شهد بالحق ۔ شہادت بالحق یعنی کلمۂ توحید کا اقرار۔

من شهد بالحق بكلمة التوحيد. (مدارك،ص:١١٠٧)

وهو توحيد الله. (كشاف،ج٤/ص:٢٦٠)

وهم يعلمون ۔ یعنی اس کا علم و یقین رکھتے ہیں کہ خدائے واحد کے بجز اور کوئی شفاعت کا مختار نہیں۔

يعلمون أن الله ربهم حقاً ويعتقدون ذلك هو الذى يملك الشفاعة. (مدارك،ص:١١٠٧)

۶۹؎ (کہ خالق تو صرف اسی ایک کو مانتے ہیں اور پھر صفاتِ ربوبیت وغیرہ میں دوسروں کو شریک کیے جاتے ہیں)

کثرت سے مشرکین دنیا میں اسی قسم کے گزرے ہیں کہ ایک طرف زبان سے ایک خدائے اعظم و برتر کا اقرار ہے اور دوسری طرف بیسیوں سیکڑوں چھوٹے چھوٹے صاحب اختیار و تصرف خدا یا دیوتا بھی مانتے جاتے ہیں۔

۷۰؎ (باوجود میری ہر کوشش اور فہمایش کے)

قیله ۔ ضمیر ''ہ'' رسول کی طرف ہے۔

والهاء يعود إلى محمد صلى الله عليه وسلم. (مدارك،ص:١١٠٨)

وهو قول الرسول. (بيضاوى،ج٥/ص:٦٤)

قیل قول ہی کی طرح مصدر اور اس کے مرادف ہے۔

ع ۲۲ ۱۳

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

تو آپ ان سے بے رخ رہئے اور کہہ دیجئے کہ (تم کو) سلام، سو عنقریب انھیں معلوم ہو کر رہے گا ۱ے

القيل مصدر كالقول. (كبير، ج۲۷/ص:۲۰۱)

القَول والقيل واحد. (راغب، ص:٤٦٣)

اے (اور مرتے ہی ان پر سب حقیقت کھل جائے گی)

فاصفح عنهم وقل سلٰم۔ یعنی ان کے ایمان کی زیادہ امید نہ رکھئے اور نہ زیادہ اس کاوش میں پڑے رہئے، اور ان سے یہ کہہ بھی دیجئے کہ اب آگے میں تم سے کچھ تعلق وعلاقہ نہیں رکھتا۔

فأعرض عن دعوتهم يائساً عن إيمانهم ودعهم وتاركهم. (كشاف، ج٤/ص:٢٦١، مدارك، ص:١١٠٨، بيضاوى، ج٥/ص:٦٥)

سلٰم۔ یہ سلام تحیت کے معنی میں نہیں، سلام متارکت ہے۔

أى تسلم منكم ومتاركة. (كشاف، ج٤/ص:٢٦١، مدارك، ص:١١٠٨، بيضاوى، ج٥/ص:٦٥)

وعيد لهم وتهديد وموادعة. (بحر، ج٨/ص:٣٠)

فليس ذلك أمراً بالسلام عليهم والتحية، وإنما هو أمر بالمتاركة. (روح، ج٢٥/ص:١٠٩)

(۴۴)

سُوۡرَۃُ الدُّخَانِ مَکِّیَّۃٌ

اٰیَاتُہَا ۵۹ — ۵۹ آیتیں

رُکُوۡعَاتُہَا ۳ — ۳ رکوع

سورۂ دخان مکی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ۚ ۞ ۱ وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۞ ۲ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا

حا۔میم۔قسم ہے (اس) کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو برکت والی رات میں اتارا ہے[۱] (کیوں کہ) ہم (بندوں کو)

[۱] (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر)

لیلۃ مبارکۃ۔ مراد شب قدر ہے، جو حدیث نبویؐ کے مطابق ماہ رمضان کے آخری عشرے کی کسی طاق رات میں واقع ہوتی ہے۔

هی لیلة القدر علی ما روی عن ابن عباس وقتادة وابن جبیر ومجاهد وابن زید والحسن وعلیه أکثر المفسرین. (روح،ج۲۵/ص:۱۱۰)

وقال القاضی أبوبکر ابن العربی وجمهور العلماء علی أنها لیلة القدر. (قرطبی، ج۱۶/ص:۱۲۷)

ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد نصف شعبان کی رات ہے، لیکن محدثانہ رنگ کے مفسر ابن کثیر نے اس کی تردید پُر زور طریقے سے کی ہے۔

وقد ذکرنا الأحادیث الواردة فی ذلك فی سورة البقرة بما أغنی من إعادته، ومن قال إنها لیلة النصف من شعبان کما روی عن عکرمة فقد أبعد التحیّة. (ابن کثیر،ج۴/ص:۱۲۳)

یہ مراد بھی لی گئی ہے کہ قرآن کی پہلی وحی اسی مبارک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی تھی۔

حٰمٓ ۔ والکتٰب المبین۔ ان پر حاشیے پیشتر گزر چکے۔

أنزلنٰه۔ ضمیرہ الکتٰب کی جانب ہے۔

مُنۡذِرِيۡنَ ۝۳ فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ۝۴ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ

خبردار کردینے والے تھے ۲ اس (رات) میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے ۳

۲ (اپنی غایت شفقت و کرم سے)
یہ انذار ہمیشہ بندوں ہی کی مصلحت سے، انھیں کو عواقب امور سے مطلع و متنبہ کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

۳ یعنی مشیت تکوینی کو جس طور پر جس کام کی انجام دہی منظور ہوتی ہے، وہ اُسی متعین طور پر ملائکہ متعلقہ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ بشری حساب و تخمینہ ایک سال کی مدت کے لیے۔

وهكذا روى عن ابن عمر و مجاهد وأبى مالك والضحاك وغير واحد من السلف. (ابن كثير، ج ٤/ص:١٢٤)

حکیم کے معنی پُرحکمت کے ہیں۔

يجوز أن يكون المعنى كل أمر ملتبس بالحكمة. (روح، ج ٢٥/ص:١١٣)

کل أمر حکیم۔ ہر حکمت والے معاملے سے یہ مراد نہیں کہ کچھ معاملے حکمت والے نہیں بھی ہوتے ہیں، باحکمت تو سب ہی معاملات ہوتے ہیں۔ حکیم کی قید، قید واقعی ہے۔

حکیم کے دوسرے معنی محکم و مضبوط کے بھی ہیں۔

ووضع حكيم موضع محكم. (ابن جرير، ج ٢٢/ص:١١)

الأمور المحكمة. (بيضاوى، ج ٥/ص:٦٥)

والحكيم بمعنى المحكم لأنه لايبدل ولا يغير بعد ابرازه للملائكة عليهم السلام. (روح، ج ٢٥/ص:١١٣)

حكيم أى محكم لايبدل ولا يغير. (ابن كثير، ج ٤/ص:١٢٤)

یعنی اللہ کے اٹل قوانین سالانہ کے اجرا کا وقت یہی ہوتا ہے ــــــ حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے، ''حکیم'' معنی پُرحکمت اور حکیمانہ لیے جائیں تو، اور محکم اور مضبوط لیے جائیں تو، ہر صورت میں ان احکام تکوینی کے نزول کی رات مبارک ہی کہی جائے گی۔

إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝٥ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝٦

ہم (آپ کو پیمبر بنا کر) بھیجنے والے تھے بسبب اس رحمت کے جو آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے ۴ بے شک وہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ۵

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ ۝٧

پروردگار آسمانوں اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان کا ہے اگر تم یقین لانا چاہو ۶

أمراً من عندنا۔ امراً کے صیغے کا نکرہ ہونا اظہارِ عظمت وشان کے لیے ہے۔

وتنكيره للتفخيم. (روح، ج۲۵/ص:۱۱۴)

أمر کے ساتھ حکیم کا اضافہ خود ہی اظہارِ عظمت وجلالت کے لیے تھا، پھر اس پر أمراً من عندنا کے مزید اضافے نے اس عظمت وجلالت کو اور کئی گنا بڑھا دیا۔

۴ (کہ آپؐ کے ذریعہ سے بندوں کو حق وباطل، خیر وشر کی راہوں سے پوری طرح آگاہ کر دیں)

رحمةً من ربك۔ آپ رحمۃ للعالمین اس معنی میں ہیں کہ آپ ہی کے ذریعہ سے کل بندوں کو بلا امتیاز وتفریق نیکی وبدی کے راستوں سے آگاہ کر دیا گیا اور مومنین کے حق میں آپؐ رؤف ورحیم اس معنی میں ہیں کہ انھیں نے آپؐ کے پیام کو قبول کیا، اور آپ کی ہدایت سے پوری طرح مستفید ہوئے اور رحمت خصوصی خود آپؐ کے حق میں اس معنی میں ہے کہ آپؐ ہی کو ذریعہ وواسطہ اس رحمت عالم کا بنایا گیا۔

إنا كنا مرسلين۔ ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ ہم رسول بھیجتے ہی رہتے ہیں۔ بندوں کی ہدایت ورہبری کے لیے رسول بھیجتے رہنا سنتِ الٰہی ہے۔

۵ (تو اس سے بڑھ کر بندوں کی ضرورتوں کو جاننے والا، اور ان کی مصلحتوں کی رعایت کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے؟)

۶ یعنی اگر تم میں طلب صادق ہے، حق کی جستجو وتلاش ہے۔

معناه إن كنتم تطلبون اليقين وتريدونه. (كبير عن أبي مسلم، ج۲۷/ص:۲۰۶)

رب......بينهما۔ ساری کائنات کے اُسی خدائے واحد کی ملک ومملوک ہونے کا ایک بار پھر اثبات ——— کسی گوشۂ ہستی میں کسی جہت واعتبار سے بھی کوئی دوسرا مالک ومتصرف نہیں۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾

کوئی خدااس کے سوانہیں،وہی جلاتا ہےاور(وہی)مارتا ہے پروردگار تمھارا بھی ہےاور پروردگار تمھارے اگلے باپ دادوں کا بھی ہے ۷

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ

لیکن یہ لوگ تو شک میں پڑے کھیل رہے ہیں ۸ تو آپ انتظار کیجیے اس روز کا جب آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا

بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ

دھواں پیدا ہو جو (ان سب) لوگوں پر چھا جائے

بعض مشرک جاہلی قوموں نے کچھ دیوتا آسمان کے مانے ہیں اور کچھ زمین کے اور کچھ درمیانی فضائے معلق کے، قرآن کو تردید میں اس صراحت کی ضرورت نہیں۔

۷ آیت ماقبل کی طرح اس میں بھی توحید ہی کے مختلف پہلوؤں کی تاکید اور شرک کے مختلف مظاہر کی تردید ہے۔

لا إله إلّا هو۔ اس کی صفت الوہیت میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔

يحي ويميت۔ جان ڈالنے اور جان لینے کی قوتیں بھی صرف اُسی کے ہاتھ میں ہیں ــــــ زندگی بخشنے اور قائم رکھنے کے کوئی الگ دیوتا اور موت لانے کے کوئی الگ دیوتا نہیں۔

ربكم ......الأولين۔ وہ کوئی نو پیدا معبود نہیں، دنیا جب سے قائم ہے اُس کا وہی ایک پروردگار رہا ہے ــــــ بعض جاہلی قوموں نے اپنے اسلاف قدیم کو معبود مانا، اور ان کی پرستش کی ہے، آیت میں اس اسلاف پرستی کی بھی تردید آ گئی۔

۸ (اور اس لیے حق کے واضح دلائل و صریح شواہد کی طرف توجہ و التفات ہی نہیں کرتے)

في شك۔ شک کی تنوین تعظیم کے لیے ہے، یعنی بڑے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

وتنوين شك للتعظيم أى فى شك عظيم۔ (روح، ج ۲۵/ص: ۱۱۷)

یہ لوگ توحید و آخرت کی طرف سے عجیب بے یقینی کی حالت میں مبتلا ہیں۔

یلعبون۔ سنجیدگی سے کبھی حقائق پسندی کی طرف آتے ہی نہیں، ان اہم ترین حقائق

هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑪ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ

یہ ایک عذاب دردناک ہوگا ۹ اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دور کردیجئے

ومسائل کو بس ایک کھیل تماشا سمجھ رکھا ہے، اور اپنے اوپر بے یقینی اور تشکیک طاری کر کے اپنے کو بے فکرے پن اور کھلنڈرے پن میں ڈال رکھا ہے۔

۹ روایات متفق ہیں کہ اس مصیبت سے مراد وہ شدید قحط ہے، جو اہل مکہ پر پڑنے والا تھا، اور کچھ روز بعد پڑا، ہوا یہ کہ جب ہجرت کے بعد بھی اہل مکہ کا عناد کم نہ ہوا، بلکہ بڑھتا گیا تو عاجز آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں بددعا کی۔ اثر کا ظہور یوں ہوا کہ ادھر بارش رکی اور ادھر یمامہ (علاقۂ یمن) کے رئیس ثمامہ نے جواَب مسلمان ہو چکے تھے، غلہ بھیجنا بند کردیا، مکہ کی غلہ منڈی یمامہ ہی تھا، اب قحط پورا ہو گیا۔

ذلك حين دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم على قريش ربه تبارك وتعالىٰ أن يأخذهم بسنين كسني يوسف فأخذوا بالمجاعة. (ابن جرير، ج۲۲/ص:۱۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود صحابیؓ نے بڑے زور و تاکید کے ساتھ آیت کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ قحط اتنا سخت تھا کہ لوگوں نے مردار کا گوشت، کھال، ہڈیاں سب کھانا شروع کردی تھیں۔

وفي رواية أخرىٰ صحيحة ......حتى أكلوا الميتة والجلد والعظام. (روح، ج۲۵/ص:۱۱۷)

روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ آپؐ نے مکہ والوں کی مصیبت سن کر ۵۰۰ اشرفیاں رئیس مکہ ابوسفیان کے پاس بھجوادیں کہ وہاں کی قحط زدہ آبادی میں تقسیم کی جائیں۔ شمس الائمہ سرخسی کی المبسوط میں ایک ضمنی موقع پر ہے۔

نستدل بما روى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أهدى إلى أبي سفيان رضي الله عنه تمر عجوة حين كان بمكة حربيا، واستهداه أدماً وبعث بخمسمائة دينار إلى أهل مكة حين قحطوا لِتُفرق بين المحتاجين منهم. (المبسوط، ج۱۰، كتاب السير، باب صلح الملوك والموادعة. ص:۱۰۱)

اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾

ہم ضرور ایمان لے آئیں گے ﴿۱۲﴾ ان کو کب (اس سے) نصیحت ہوتی ہے، حالانکہ ان کے پاس پیمبر کھلے ہوئے (دلائل کے ساتھ) آچکا ہے

اس کا اثر بہت اچھا پڑا، اور عامۂ قریش پر ''دشمن'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت کا سکہ بیٹھ گیا، گوخود ابوسفیان اس ''تالیف قلب'' سے پریشان بھی بہت ہوا۔

دخان مبین۔ بھوک کی شدت اور دماغ کی خشکی میں فضائے آسمانی میں دھواں سا نظر آنے لگتا ہے، اسی کو یہاں آسمانی دھوئیں سے تعبیر کیا ہے، کم سے کم یہ محاورۂ عرب کے عین مطابق ہے۔

يقال إن الجائع كان يرى بينه وبين السماء دخاناً من شدة الجوع. (تاج،ج۱۸/ص:۱۹۲)

عنى بالدخان ماكان يصيبهم حينئذ فى أبصارهم من شدة الجوع من الظلمة كهيئة الدخان. (ابن جرير،ج۱۰/ص:۲۲)

دخان کا اطلاق عربی میں مطلق موذی پر بھی مجازاً واستعارةً ہوتا ہے۔

وتُصور منه التأذى به فقيل هو دَخِن الخُلُق. (راغب،ص:۱۸۷)

اوراس کے معنی خشکی کے اور بھوک سے فضا کی دخان منظری کے بھی آتے ہیں، بلکہ خود شدت بھوک کے معنی بھی۔

والدخان الجدب والجوع. (تاج) وقيل بل قيل للجوع دخان. (تاج،ج۱۸/ص:۱۹۲)

فالدخان يحتمل أن يراد به الشدة والشرّ مجازاً وأن يراد به حقيقتهٗ. (روح،ج۲۵/ص:۱۱۸)

۱۰ف یہ پیش گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ قریش کے سردار ابوسفیان وغیرہ نے آپؐ کو لکھا بھی، اور آپؐ کے پاس آئے بھی کہ آپؐ سے دعا کرائیں۔

لما اشتد القحط بقريش، مشى أبوسفيان إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وناشده الرحم وواعده أن دعا لهم وزال مابهم آمنوا. (روح،ج۲۵/ص:۱۱۹)

یہ واقعہ ہے کب کا؟ اہل تفسیر اس باب میں خود مضطرب ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس کا وقوع قبل ہجرت حضورؐ کے قیام مکہ میں ہی ہوا تھا۔

وظاهره يدل كما فى تاريخ ابن كثير على أن القصة كانت بمكة، فالآية مكية.

(روح،ج۲۵/ص:۱۱۸)

لیکن انھیں روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے بہت بعد ۷ھ کے آغاز میں پیش آیا، جب قریش مکہ پر زمین یوں بھی تنگ ہو رہی تھی۔

وفی بعض الروایات أن قصة أبی سفیان کانت بعد الهجرة. (روح، ج۲۵/ص:۱۱۸)

سیرۃ ابن ہشام میں ختم کتاب سے کچھ قبل ایک عنوان أسر ثمامة بن أثال الحنفی (ثمامہ بن اثال کی گرفتاری) کا ہے، اور کوئی سن ہجرت دیے ہوئے بغیر پہلے ان کی گرفتاری، پھر محبوسی اور پھر اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے، اور اس کے بعد ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جو مسلمانوں میں عمرہ کرنے کو مکہ گئے اور جرأت کے ساتھ وہاں لبیک کہی، پھر قریش نے انھیں پکڑ کر جب قتل کرنا چاہا تو انھیں میں سے کسی نے ان کو سمجھایا کہ انھیں قتل نہ کرو، غلہ انھی کے ملک یمامہ سے تو آتا ہے، اس پر انھیں رہائی مل گئی، اس کے بعد ہے کہ انھوں نے قریش کو مخاطب کر کے کہا: لا واللّٰہ لاتصل إلیکم حبة من الیمامة حتی یأذن فیها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم.

قسم ہے خدا کی، تمھیں یمامہ سے ایک دانہ بھی نہ ملے گا، جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم نہ دیں گے۔ پھر

ثم خرج إلی الیمامة، فمنعهم أن یحملوا إلی مکة شیئاً، فکتبوا إلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إنك تأمر بصلة الرحم، وإنك قدخلعت أرحامنا، وقد قتلت الآباء بالسیف والایتام بالجوع، فکتب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إلیه أن یخلی بینهم وبین الحمل. (سیرة ابن هشام، ج٤/ص:٤٩١-٤٩٢)

”جب وہ یمامہ پہنچے تو انھوں نے اپنی قوم والوں کو منع کر دیا کہ اب مکہ والوں کو کچھ نہ بھیجیں، اس پر مکہ والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ تم حکم تو اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک کا دیتے ہو، لیکن خود ہی قطع رحم کرتے ہو، بڑوں کو تلوار سے مار چکے ہو، اور بچوں کو بھوک سے مار رہے ہو، اس پر آپ نے ثمامہ کو لکھ بھیجا کہ قریش کے ساتھ بدستور معاملت جاری رکھیں۔“

اصابہ (ابن حجر) واُسد الغابہ (ابن اثیر) میں ثمامہ بن اثال کے ذیل میں یہی ذکر مختصر الفاظ میں موجود ہے۔

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا

پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ یہ سکھایا ہوا ہے، دیوانہ ہے [۱۱] بے شک ہم چندے اس عذاب کو ہٹالیں گے

اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور تم بھی اپنی (پہلی حالت پر) لوٹ آؤ گے [۱۲] جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے (اس روز) ہم پورا بدلہ لے لیں گے [۱۳]

۱۱ بیسویں صدی کے بڑے بڑے فرنگی ''علماء ومحققین'' آخر اُس منزل سے آگے نہ بڑھ سکے، جو معاند کفار ومشرکین قریش کی تھی، وہ لوگ بھی قرآن کے لفظی ومعنوی اعجاز کی طرف سے آنکھیں بند کیے یہی رٹ لگائے ہوئے تھے کہ یہ کلام کسی اور کا سکھایا پڑھایا ہوا ہے! اور آج یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے مستشرقین کا بھی ''منتہائے تحقیق'' بس اسی قدر ہے کہ یہ کتاب محمد عربیؐ نے کچھ ادھر ادھر سے سن سنا کر تیار کر دی ہے!

رسول مبین۔ یعنی ایسے پیمبر جن کی صداقت وحقانیت، دلائل ومعجزات کی کثرت سے بالکل واضح وظاہر ہے۔

أی رسول عظیم الشأن ظاهر أمر رسالته بالآیات والمعجزات. (روح، ج۲۵/ص:۱۱۹)

وهو ماظهر علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من الآیات والبینات من الکتاب المعجز وغیره من المعجزات. (کشاف، ج٤/ص:٢٦٦)

۱۲ یعنی اتمام حجت کے لیے ہم اس بھوک کے عذاب کو دور بھی کر دیں گے، لیکن اس سے حاصل کیا ہوگا، ایمان لانا تو الگ رہا، یہ جو نرمی اور شکستگی پیدا ہو رہی ہے یہ بھی جاتی رہے گی، اور بدستور عناد واستکبار پر آ جاؤ گے!

یہ سب بطور پیش گوئی کے تھا، اور واقع میں ظہور اس کا یوں ہوا کہ آپؐ نے دعا فرمائی، بارش ہوئی اور ثمامہؓ نے آپ کا سفارش نامہ پا کر غلہ کی بندش دور کر دی، لیکن اس فارغ البالی کے نصیب ہو جانے پر وہی مشرکین کا زور وشور لوٹ آیا۔

۱۳ یعنی پوری سزا آخرت میں ملے گی۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٧﴾

اورہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کی آزمائش کی تھی، اور ان کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے

أَنْ أَدُّوٓا إِلَىَّ عِبَادَ ٱللَّهِ ۖ إِنِّى لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٨﴾ وَأَن لَّا تَعْلُوا

(یہ پیام لے کر) کہ اللہ کے ان بندوں کو میرے حوالے کردو، میں تمھارا معتبر پیمبر ہوں، اور یہ کہ تم اللہ سے

عَلَى ٱللَّهِ ۖ إِنِّىٓ ءَاتِيكُم بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ﴿١٩﴾ وَإِنِّى عُذْتُ بِرَبِّى

سرکشی نہ کرو، میں تمھارے سامنے واضح دلیل پیش کرتا ہوں اورمیں پناہ چاہتاہوں اپنے پروردگار

وَرَبِّكُمْ أَن تَرْجُمُونِ ﴿٢٠﴾ وَإِن لَّمْ تُؤْمِنُوا لِى

اورتمھارے پروردگار کی اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو ۱۴؎ اوراگرتم میرے کہے سے ایمان نہیں لاتے

البطشة الکبری سے مراد عذاب آخرت ہے۔

والظاهر أن ذلك يوم القيامة. (ابن كثير، ج ٤/ص:١٢٦)

وقال الحسن يوم القيامة وروى عكرمة ذلك عن ابن عباس. (معالم، ج ٤/ص:١٧٦)

لیکن بعضوں نے اس سے مراد یوم بدر بھی لی ہے، یعنی قریش کو پوری سزا بدر میں ملے گی۔

وهو يوم بدر، وهذا قول ابن مسعو. وأكثر العلماء. (معالم، ج ٤/ص:١٧٦)

فسر ذلك ابن مسعود رضى الله عنه بيوم بدر، وهذا قول جماعة ممن وافق ابن مسعود رضى الله عنه على تفسيره الدخان. (ابن كثير، ج ٤/ص:١٢٦)

۱۴؎ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اہل فرعون کے پاس آنے اورحق تعالیٰ کا پیام پہنچانے کا ذکرایک نئے عنوان سے ہے۔

قبلهم۔ ضمیر ھم معاصر مشرکین مکہ کی جانب ہے۔

أى قبل هؤلاء المشركين. (مدارك، ص:١١١١)

رسول كريم۔ کھلی ہوئی مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے۔

أن......الله۔ عباد اللہ سے مراد بنی اسرائیل ہیں کہ انھیں میرے سپرد کردو، میں انھیں لے

فَاعۡتَزِلُوۡنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمٌ

تو مجھ سے الگ ہی رہو ۱۵؎ تب (موسیٰ نے) اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ (بڑے سخت)

کر مسلک توحید پر چلانے کے لیے اپنے پرانے وطن شام کی طرف چلا جاؤں گا، لفظ عباد اللہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ بندے تو حقیقتاً اللہ ہی کے تھے، اور فرعون انھیں اپنی رعایا بنا کر خواہ مخواہ ان سے بندگی لے رہا تھا۔

سلطان مبین۔ اس کے تحت میں دلائل، خوارق سب آ گئے۔

إنی...... ترجمون۔ صاف اشارہ اس طرف ہے کہ فرعونیوں یا مصریوں نے آپؑ پر سنگ باری ٹھان لی تھی۔ توریت میں بھی اشارے موجود ہیں:۔

''اگر ہم مصریوں کی آنکھوں کے آگے وہ قربانی کریں، جس سے وہ بیزار ہیں تو کیا ہمیں وہ پتھراؤ نہ کریں گے''۔ (خروج۔۸:۲۶)

بربی و ربکم۔ اس فقرے میں بھی تبلیغ توحید آ گئی، گویا آپؑ یہ فرما رہے ہیں کہ میرا خدا اور تمھارا خدا کوئی دو تھوڑے ہی ہیں، وہ تو ایک ہی خدا میرا تمھارا سب کا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے اسی آیت کے تحت میں یہ نکتہ ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کے سامنے التجا کرتے رہنا، اور اپنی قوت کا دعویٰ نہ کرنا عین اظہارِ عبدیت ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۴۹۹)

۱۵؎ (اور مجھے ستا کر اپنے جرم کو بدتر تو نہ بناؤ)

لی۔ خیال رہے کہ آیت میں تؤمنوا بی نہیں تؤمنوا لی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان میری دعوت اور دلائل کے بعد بھی نہیں لاتے!

أی ولم تؤمنوا باللّٰہ لأجل ماأتیتکم بہ من الحجۃ، فاللام فی لی لام الأجل.

(کبیر، ج ۲۷/ص: ۲۱۰)

فاعتزلون۔ امام رازیؒ نے جو علاوہ خوش دماغی کے شگفتہ نگاری میں بھی ممتاز ہیں، یہاں یہ لطیفہ لکھا ہے کہ معتزلہ کہا کرتے تھے کہ قرآن میں جہاں کہیں بھی اعتزال کا لفظ آیا ہے ''باطل سے'' اعتزال کے لیے آیا ہے نہ کہ ''حق سے'' اعتزال کے لیے، اتفاق سے ایک مجلس میں میرا اور

مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسۡرِ بِعِبَادِیۡ لَیۡلًا اِنَّکُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَاتۡرُکِ

مجرم لوگ ہیں ١٦ تو اب میرے بندوں کو بھی تم رات ہی میں لے کر چلے جاؤ کہ تمھارا تعاقب ہوگا اور تم اس دریا کو

الۡبَحۡرَ رَهۡوًا ؕ اِنَّهُمۡ جُنۡدٌ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۲۴﴾ كَمۡ تَرَكُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ

سکون کی حالت میں چھوڑ نا ان لوگوں کا لشکر غرق ہوکر رہے گا ١٧ وہ لوگ کتنے ہی باغ

وَّعُيُوۡنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوۡعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيۡمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعۡمَةٍ كَانُوۡا فِيۡهَا

اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جن میں رہتے تھے

فٰكِهِيۡنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۖ وَاَوۡرَثۡنٰهَا قَوۡمًا اٰخَرِيۡنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتۡ عَلَيۡهِمُ

چھوڑ گئے (یہ قصہ) اسی طرح واقع ہوا، اور ہم نے (ان چیزوں کا) مالک ایک دوسری قوم کو بنا دیا ١٨ تو ان پر نہ تو

بعض معتزلہ کا ساتھ ہو گیا، اور میں نے یہی آیت انھیں سنادی کہ اس میں صاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے یعنی ''حق سے'' اعتزال کا لفظ وارد ہوا ہے۔ (کبیر، ج ۲۷/ص: ۲۱۰)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں ایسے شخص سے قطع تعلق پر دلالت ہے جس کی اصلاح کی امید نہ ہو۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۴۹۹)

ف ١٦ (معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے اور وقت ان کی گرفت ہی کا آپہنچا ہے)

ف۔ یعنی اس کے بعد یہ واقعہ ہوا، یہ ضروری نہیں کہ فوراً بعد ہوا ہو۔

ف ١٧ یعنی آپ کے لیے تو سمندر میں راستہ کر دیا جائے گا اور سمندر کا کچھ حصہ آپ کے لیے خشک کر دیا جائے گا، آپ اسے اسی سکون کے حال میں چھوڑ کر چلے جایئے گا، اور اس فکر واندیشہ میں نہ پڑیئے گا کہ فرعون بھی تو اسی راستے سے آجائے گا۔

چنانچہ آپ اس ارشاد باری کی تعمیل میں بنی اسرائیل کو لے کر راتی راتا ہی نکل گئے، اور صبح کو آپ کا تعاقب بھی ہوا ـــــــ غرق فرعون پر مفصل حاشیے سورۃ البقرہ، آیت ۵۰ میں گزر چکے۔

بعبادی۔ عباد اللہ کا لفظ ابھی اوپر آچکا ہے۔

ف ١٨ یعنی اُسی نسل کے بعد ایک دوسری نسل مصر اور اس کے سارے تعیشات پر حاکم

السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا

آسمان وزمین روئے ۱۸(الف) اورنہ انھیں مہلت ہی ملی ۱۹ اور بے شک ہم نے

رکوع ۱۴

ومتصرف ہوگئی، اوران لذتوں اورراحتوں کے سامان پرفرعونیوں کودوام نہ ہوسکا۔

کم ترکوا۔ کم اظہار کثرت کے لیے ہے۔

كم عبارة عن الكثرة. (مدارك، ص:١١١٢)

للتكثير. (قرطبی، ج١٦/ص:١٣٨)

كذلك ـ قال الزجاج أی الأمر كذلك، فيوقف على كذلك، وقيل إن الكاف في موضع نصب. (قرطبی، ج١٦/ص:١٣٩)

قوماً آخرين۔ یعنی وہ فرعونی نسل ہلاک ہوگئی، اوران کی زمینیں اور جائدادیں دوسروں کے ہاتھ لگیں ـــــــ قوماً آخرین کا لفظ بہت عام ہے، بنی اسرائیل کے مرادف نہیں، قرآن نے اسے مطلق ہی چھوڑا ہے، اور بعض اہل تفسیر بھی اسی کے حق میں ہیں۔

وقيل المراد بهم غير بنی اسرائيل ممن ملك مصر بعد هلاك القبط، وإليه ذهب قتادة قال لم يرد فی مشهور التواريخ أنّ بنی اسرائيل رجعوا إلى مصر، ولا أنهم ملكوها قط. (روح، ج٢٥/ص:١٢٣)

لیکن اگر جمہور مفسرین کی اس تفسیر کوتسلیم کرلیا جائے کہ قوماً آخرین سے مراد بنی اسرائیل ہی ہیں، تو اَورثنٰها میں ضمیر ھا کے مفہوم کوبھی بالکل عام رکھنا ہوگا، یعنی وہ باغ وچشمے وغیرہ اسرائیلیوں کوشام میں، فلسطین میں، کہیں بھی عطا ہوئے ہوں، یہ ضرور نہیں کہ مصر ہی میں ملے ہوں۔

فليس المراد خصوص ماتركوه بل نوعه ويشبهه. (روح، ج٢٥/ص:١٢٤)

ملاحظہ ہوسورۃ الشعراء، حاشیہ نمبر ۴۷۔

۱۸ (الف) أی من المشركين. (قرطبی، ج١٦/ص:١٤٢)

۱۹ پہلے یہ حقیقت ذہن نشین کرلی جائے کہ کائنات کی کوئی سی بھی شے ہو، بڑی سی بڑی یا چھوٹی سی چھوٹی، احساس وشعور کسی نہ کسی درجہ میں ضرور رکھتی ہے۔ اس کے بعد یہ سمجھئے کہ آسمان اورزمین

میں بھی ان کے مرتبہ کے لائق شعور موجود ہے، اسی سے وہ مومن کے مرتبہ کا ادراک کر کے اس کی وفات پر غمگین ہوتے ہیں، حکیم کائنات ودانائے فطرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ما من مؤمن إلّا وله بابان: باب يصعد منه عمله وباب ينزل منه رزقه، فإذا مات بكيا عليه. (جامع الترمذي، باب ومن سورة الدخان، رقم: ۳۲۵۵)

"مومن جب مرجاتا ہے تو آسمان کا وہ دروازہ جس سے اس کے عمل کا صعود ہوتا تھا، اور وہ دروازہ جس سے اس کے رزق کا نزول ہوتا تھا، اس پر روتے ہیں۔"

اور آپؐ کے رفیق وتلمیذ خاص حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ

وأخرج ابن المنذر وغيره عن عليؓ أنه قال إن المومن إذا مات بكى عليه مصلاه من الأرض ومصعد عمله من السماء. (روح، ج۲۵/ص:۱۲۵)

جب مومن مرتا ہے تو زمین میں اس کے نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں اس کے عمل کے صعود کرنے کی جگہ یہ دونوں اس پر روتی ہیں۔

عليهم...... كانوا۔ ضمیر جمع غائب سے دونوں جگہ مراد وہی قوم فرعون ہے، جس کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔

فما بكت عليهم السماء والأرض۔ آسمان وزمین کا رونا ظاہر ہے کہ انسان کی طرح آنسوؤں سے رونا نہیں ہوتا، یہ رونا انھیں کے مرتبۂ وجود کے لائق ہوتا ہوگا، اور یہ اثر فرعونیوں کے کمال مبغوضیت کا تھا کہ آسمان وزمین کسی کو اُن پر رونا نہ آیا۔

ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ آسمان سے مراد اہل آسمان ہیں۔

قيل ذلك على المجاز، وتقديره فمابكت عليهم أهل السماء. (راغب، ص:۶۹)

قيل إن الآية على تقدير مضاف أى فمابكت عليهم سكان السمآء وهم الملائكة، وسكان الأرض وهم المؤمنون. (روح، ج۲۵/ص:۱۲۵)

اور عربی زبان میں شدت غم کے اظہار کے لیے یہ محاورے مستعمل بھی ہیں کہ آسمان رویا یا زمین روئی، یا ہوا روئی۔

وقد كثر فى التعظيم لمهلك الشخص، بكت عليه السمآء والأرض، وبكته

بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنَ الۡعَذَابِ الۡمُہِیۡنِ ﴿۳۰﴾ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ ؕ اِنَّہٗ کَانَ

بنی اسرائیل کو فرعون کے سخت ذلت والے عذاب سے نجات دی، واقعی وہ بڑا

عَالِیًا مِّنَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۳۱﴾ وَ لَقَدِ اخۡتَرۡنٰہُمۡ عَلٰی عِلۡمٍ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۚ۳۲﴾

سرکش حد سے نکل جانے والوں میں تھا، ہم نے بنی اسرائیل کو دنیا جہاں پر فضیلت (اپنے) علم کے ماتحت ہی دی تھی ۲۰

وَ اٰتَیۡنٰہُمۡ مِّنَ الۡاٰیٰتِ مَا فِیۡہِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیۡنٌ ﴿۳۳﴾ اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ لَیَقُوۡلُوۡنَ ﴿ۙ۳۴﴾

اور ہم نے انھیں ایسی نشانیاں دی تھیں جن میں کھلا ہوا انعام تھا ۲۱ یہ لوگ تو یہی کہتے ہیں

الريح ونحو ذلك. (روح، ج ٢٥/ص: ١٢٤)

اور روح المعانی میں نابغہ، جریر، فرزدق وغیرہ کے اشعار بھی سند میں پیش کیے ہیں۔

وما كانوا منظرين۔ یہ اثر تھا اُن کے کمال مغضوبیت کا، کہ اگر ابھی مہلت زندگی پا جاتے تو عذاب الٰہی سے چندے اور بچے رہتے۔

۲۰ بنی اسرائیل کی فضیلت وفوقیت کا بیان کئی بار آچکا ہے، اور اس کی توضیح سورۃ البقرہ (آیت ۴۰، ۴۷) کے حاشیوں میں آچکی ہے، یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ افضلیت واشرفیت یوں ہی اٹکل پچو، بلا وجہ نہ تھی، خاص مصالح تکوینی کے ماتحت تھی۔

بني اسرآئيل ۔ العذاب المهين۔ فرعون ۔فرعون، بنی اسرائیل، اور ان پر سختیاں، ان سب پر حاشیے سورۃ البقرہ (رکوع: ۶) میں گزر چکے۔

۲۱ مثلاً دولت توحید، نعمت رسالت، اور پھر دنیوی حکومت واعزاز۔

بَلاء ۔ یہاں مصیبت کے معنی میں نہیں، انعام کے معنی میں ہے۔

أی نعمة ظاهرة (كشاف، ج ٤/ص: ٢٧١)

قال قتادة نعمة بينة. (معالم، ج ٤/ص: ١٧٨)

لیکن اگر وہی عام معنی آزمائش ہی کے رکھے جائیں، جب بھی ''آیات'' کا آزمائشی پہلو بھی بالکل ظاہر ہے۔

الآيات أی الحجج والبراهين وخوارق العادات. (ابن كثير، ج ٤/ص: ١٢٩)

اِنۡ هِیَ اِلَّا مَوۡتَتُنَا الۡاُوۡلٰی وَمَا نَحۡنُ بِمُنۡشَرِیۡنَ ﴿۳۵﴾ فَاۡتُوۡا

کہ بس یہی موت ہی (ہمارا آخری انجام) ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے، سولاؤ تم (اے مسلمانو!)

بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمۡ خَیۡرٌ اَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِیۡنَ

ہمارے باپ دادوں کو اگر تم سچے ہو؟ ۲۲ تو کیا یہ لوگ بڑھ چڑھ کر ہیں یا قوم تبع والے اور جو لوگ

مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ اَهۡلَکۡنٰهُمۡ ۫ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا خَلَقۡنَا

ان سے بھی پیشتر ہوئے ہیں ہم نے ان تک کو ہلاک کر ڈالا، اس لیے کہ وہ نافرمان تھے ۲۳ اور آسمان

بلاء مبین أی اختبار ظاهر جلی لمن اهتدی به. (ابن کثیر، ج٤/ص:١٢٩)

۲۲ یہ کہنے والے عصر قدیم کے ''روشن خیال'' مادیین اور عرب کے فطرت پرست دہریین تھے، حشر ونشر و عالم آخرت کے قطعی منکر۔ یہ مسلمانوں کو چیلنج دے کر اور اپنی ''روشن خیالی'' کے پُرفخر مظاہرے کے ساتھ کہتے تھے کہ ہم مذہب و مذہب کے ڈھکوسلوں کے سرے سے قائل ہی نہیں، ہم تو صرف حواس ظاہری و مشاہدے کو مانتے ہیں، تو اگر واقعی کسی مردے کو زندہ کر کے دکھا دو تو بے شک ہم قائل ہو جائیں ———— مغیبات و مجردات میں آج بھی مشاہدے و تجربے کا مطالبہ اسی قدیم ذہنیت کی صدائے بازگشت ہے۔

۲۳ یعنی نافرمانی و قانون شکنی تو ایسی چیز ہے جس کی سزا ان مجرموں سے کہیں زائد قوت و مقدرت والوں کو مل کر رہی ہے تو یہ بیچارے کس شمار و قطار میں ہیں!

خیر کا مفہوم صرف اخلاقی و روحانی ہی پہلو نہیں رکھتا، بلکہ وسیع و جامع ہے۔ مادی، مالی، جسمانی فوقیت کا اظہار بھی اسی لفظ سے ہوتا رہتا ہے۔

الخیر مایرغب فیه الکل کالعقل مثلاً والعدل والفضل والشیئ النافع. (راغب، ص:١٨١)

یہاں اسی دنیوی جاہ و حشم، مادّی قوت و سامان میں اظہارِ فوقیت کے لیے ہے۔

قوم تبع۔ فرعون جس طرح ملوک و سلاطین مصر کا لقب تھا، اسی طرح جنوب عرب کی سلطنت یمن کے بادشاہوں کے ایک خاندان کا لقب تبع تھا۔ بعض اہل لغت کا بیان ہے کہ یمن کے بادشاہوں کو ''تبع'' ان کے کثرتِ اتباع کی بنا پر کہتے تھے۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا

اورزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یہ سب ہم نے یوں ہی خواہ مخواہ نہیں بناڈالا، ہم نے ان کو

بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ

کسی حکمت ہی سے بنایا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ۲۴ بے شک فیصلے کا دن

یہ اپنے وقت کے بڑے عظیم الشان وجلیل القدر فرماں رواؤں کا خاندان تھا، اوران کے حدودِ سلطنت علاوہ حمیر، حضرموت اور سارے علاقۂ سبا کے شمال میں شمالی عرب تک اور مغرب میں افریقہ تک وسیع تھے، یہ خاندان کوئی ڈھائی سو سال تک فرماں روا رہا۔ قدیم مورخوں نے ان کے زمانے کا تخمینہ ظہور اسلام سے سات آٹھ صدیوں قبل کا کیا تھا۔ مستشرقین کا قیاس اس سے متاخر زمانے کا ہے۔

ابن حبیب نے لکھا ہے کہ تبابعہ میں جس تبع کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے اس کا نام زید بن یمال تھا۔

هو الذي سماه الله عزوجل تبعا ۔ والله أعلم. (كتاب المحبّر، ص:۳۶۶)

ابن ہشام میں ابن اسحاق کے حوالے سے ہے کہ

قال ابن اسحق و كان قد جعل طريقه حين أقبل من الشرق على المدينة و كان قد مر بها في بدأته. (سيرة ابن هشام، ج ۱/ص: ۳۰)

''تبع نے مدینہ سے (یمن تک) سڑک بنوادی تھی، جب مشرق سے مدینہ کو آیا تھا، اوراسی سڑک سے اپنے وطن کو آتا جاتا تھا۔''

بہر حال اہل عرب تبع کی عظمت وشان سے خوب اچھی طرح واقف تھے، بلکہ ان کے ہاں تبع کی عظمت وجلالت بطور ضرب المثل مشہور وزبان زد تھی۔

ھم۔ ضمیر عرب معاصرین کی جانب ہے جن کا ذکر ابھی آیات ماقبل میں آیا ہے۔

نیز ملاحظہ ہو، حاشیہ سورۂ ق (آیت ۱۴) وحاشیہ سورۃ البروج (آیت ۴)

۲۴ (اور اس بنیادی بعثت کا علم نہیں رکھتے)

اس میں رد آگیا ان جاہلی قوموں کا، جو یہ سمجھتی ہیں کہ یہ ساری کائنات محض ایک تماشا گاہ ہے، اور خالق کائنات کو (نعوذ باللہ) محض ایک میلہ رچانا (تماشا کرنا) مقصود تھا۔ قرآن مجید اس کی بار

مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٤٠ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا

ان سب کا وقت مقرر ہے، جس روز کوئی تعلق والا کسی تعلق والے کے کام نہ آئے گا

وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝٤١ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝٤٢ ع ۲ ۱۵

اور نہ ان کی حمایت ہی کی جائے گی، مگر ہاں اللہ ہی کسی پر رحمت فرمادے، بے شک وہ زبردست ہے رحیم ہے ۲۵

بارتردید کرتا ہے، اور بتاتا ہے کہ اس کارخانہ آفرینش سے بڑے بڑے اہم مقاصد مقصود ہیں —— اکبرالہ آبادیؒ کے الفاظ میں

اکبر اس ذلرتِ خاموش کو بے حس نہ سمجھ
ہاں بصیرت سے تہی دیدۂ نرگس نہ سمجھ

یہی آیت سورۃ الانبیاء رکوع دوم میں آچکی ہے، وہاں کا حاشیہ بھی ملاحظہ کرلیا جائے۔

ماخلقنهما إلا بالحق۔ یعنی ان کی آفرینش میں بڑی بڑی غایتیں اور مصلحتیں پنہاں ہیں، اُوران میں سے ایک بڑی حکمت قانونِ مجازات ومکافات کا اجراونفاذ ہے۔

لکن أکثرهم لایعلمون۔ کثرت سے لوگ عقیدۂ حشری کے منکر ہیں، اور جو مانتے ہیں اُن میں بھی بہت سے عملاً اس کی اہمیت کو بھلائے ہوئے ہیں۔

السمٰوٰت والأرض ومابینهما۔ یعنی سارا سلسلۂ کائنات، سارا ذخیرۂ موجودات۔

مایا کا کھیل ہندی جاہلی مذہبوں کی ایک چلی ہوئی اصطلاح ہے، قرآن مجید نے اس عقیدے کا کہ کائنات ایک کھیل یا تماشا ہے، پرشدومد سے تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ غور کرنے پر سب محسوس حقائق ہیں۔

۲۵ (اور وہ عزیزیت ورحیمیت کی بناپر مومنین پرضرور ہی رحم کرے گا)

العزیز۔ وہ ہردشمن اسلام کو مغلوب کرکے رکھے گا، کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا۔

الرحیم۔ وہ مومنین پر اپنے رحم وکرم کا ظہور علی الاطلاق کرے گا۔

لایغنی......ینصرون۔ مطلق دنیوی تعلق حشر میں ہرگز کسی ایک کا دوسرے سے کام نہ آئے گا، بلکہ اعتقاد تو الگ رہا، اس کی بناپر کوئی کسی کی مدد تک نہ کرسکے گا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ کَالْمُهْلِ ۚ یَغْلِیْ فِی

بے شک زقوم کا درخت بڑے مجرم کا کھانا ہوگا، تیل کی تلچھٹ کی طرح پیٹ میں

الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ

کھولے گا تیز گرم پانی کی طرح، اس کو پکڑ و پھر گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ دوزخ کے

الْجَحِیْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ

بیچ تک، پھر اس کے سر کے اوپر گرم پانی کا عذاب نازل کرو، لے اس کا مزہ

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

تو تو بڑا معزز مکرم ہے نا! یہی وہ چیز ہے جس کے باب میں تم شک کیا کرتے تھے ۲۶

إلّا من رحم الله۔ اور اللہ کی رحمت کا اثر یہ ظاہر ہوگا کہ وہ مؤمنین کے حق میں شفاعت کا اذن دے دے گا، یا یوں ہی بلا شفاعت جس کو چاہے بخش دے۔ بہ شفاعت و بلا شفاعت، وہ ہر ایک کی مغفوریت پر یکساں قادر ہے۔

۲۶ عذاب جسمانی کے ساتھ ساتھ اہل جہنم کی اذیت قلب کے بڑھانے کو یہ بھی بطور طعن واستہزاء کہا جائے گا ——— دوزخیوں کے مقدر میں تو ہر قسم کی انتہائی اذیت ہے، جسمانی و مادّی کے علاوہ ذہنی و قلبی بھی۔

الأثیم۔ بڑے مجرم سے مراد کافر ہے۔

أی الكثیر الآثام والمراد به الكافر لدلالة ماقبله ومابعده علیه. (بیضاوی، ج۴/ص:۱۳۱)

الأثیم کے صیغہ مفرد سے مراد جنس کافر ہے، کوئی مخصوص فرد یا متعین شخصیت مراد نہیں۔

المراد به جنس الكافر لا واحد بعینه. (روح، ج۲۵/ص:۱۳۲)

اور یہ جو بعض اقوال میں آیا ہے کہ اس سے مراد ابو جہل یا فلاں متعین کافر ہے سو یہ قول خلاف تحقیق و بلا دلیل ہے۔

لیس بشیئ ولا دلیل علی ذلك. (روح، ج۲۵/ص:۱۳۲)

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ

اللہ سے ڈرنے والے بے شک امن کی جگہ میں ہوں گے (یعنی) باغوں میں اور چشموں میں، لباس پہنے ہوں گے

مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَٰبِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَٰهُم بِحُورٍ

باریک اور دبیز ریشم کا، آمنے سامنے بیٹھے ہوئے، یہ بات اسی طرح ہے، اور ہم ان کو لا ملا دیں گے گوری گوریوں

عِينٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَٰكِهَةٍ ءَامِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا

بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے، وہ وہاں ہر قسم کے میوے منگائیں گے اطمینان سے ۲۷ وہ وہاں موت کا مزہ بھی

الشجرة الزقوم۔ زقوم (تھوہڑ) پر حاشیہ سورہ والصافات (آیت ۶۲) میں گزر چکا۔

زقوم کے معنی کسی کسی نے یہ بھی بیان کئے ہیں کہ یہ قوم بربر کی زبان میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں، اس پر فقیہ مالکی مفسر ابن العربیؒ بڑے غصہ کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ایسے قول کسی جاہل ہی کے ہو سکتے ہیں۔

ويحكى عن بعضهم أن الزقوم، التمر و الزبد بلسان البربر، و يا لله و لهذا القائل وأمثاله الذين يتكلمون فى الكتاب بالباطل وهم لا يعلمون. (ابن العربى، ج ٤/ص: ١١٩)

روح المعانی میں صوفیہ کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ

هى شجرة الحرص و حب الدنيا تظهر يوم القيامة على أسوء حال و أخبث طعم.

"یہ درخت حرص و حب دنیا کا درخت ہے، جو حشر میں اس شکل میں متمثل ہو جائے گا۔"

(روح، ج ۲۵/ص: ۱۳۷)

كالمهل ...... الجحيم۔ اہل جہنم کی غذا کی کراہت دکھائی ہے، شکل و صورت، ذائقہ، تاثیر ہر لحاظ سے کریہ ہی کریہ ہوگا۔

۲۷ یعنی اہل جنت علاوہ روحانی نعمتوں کے ہر قسم کی مادّی و جسمانی لذتوں سے بھی پوری طرح لذت گیر ہوں گے، یہ نہ ہوگا کہ یہاں کی جسمانی لذتوں سے انھیں وہاں خواہ مخواہ بے جرم محروم کر دیا جائے ــــــ ہمارے یہاں کے جن جدید اہل قلم نے جنت کی لذاتِ جسمانی کی تاویلیں کر کر کے انھیں خواہ مخواہ بدل دینا چاہا ہے، وہ در حقیقت خود مسیحیت اور دوسرے باطل مذہبوں سے کسی

الْـمَـوْتَ اِلَّا الْـمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰـىهُـمْ عَـذَابَ الْـجَحِيْمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّنْ

نہ چکھیں گے ہاں بجز اس پہلی موت کے، اور (اللہ) انھیں دوزخ سے بچالے گا، (یہ سب) آپ کے پروردگار کے

رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٥٧﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ

فضل سے ہوگا، بڑی کامیابی یہی تو ہے ۲۸؎ سو ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی

حدتک مرعوب ہیں، جنھوں نے جسم وجسمانیات ہی کو مطلقاً شر تسلیم کیا ہے۔

مقام أمين۔ یعنی ایسی جگہ جو ہر ناخوشگواری سے محفوظ ہو، یہ نعمت خود اتنی بڑی ہے کہ اس کے بعد کسی اور نعمت کی صراحت کی حاجت نہیں رہ جاتی۔

يلبسون من سندس واستبرق۔ ریشمی لباس صرف دنیا میں بعض مصلحتوں سے مردوں کے لیے ناجائز قرار دے دیا گیا ہے، جنت میں پہنچ کر وہ مصلحتیں باقی نہ رہیں گی۔

زوّجنهم بحور عين۔ جسمانی لذتوں کے لحاظ سے بھی حسن ومحبوبیت کے لطیف ترین نمونے اہل جنت کے حصے میں آئیں گے۔

یہاں پہنچ کر ضرور ملاحظہ کرلیا جائے، حاشیہ سورۃ الطّور کی آیت ۲۰ پر جو اسی مضمون کی ہے۔

زوّجناهم، قرناهم کے معنی میں ہے۔

فاكهة۔ فاكهه ہر وہ چیز ہے جو بجائے غذائی ضرورت کے محض لطف وذائقہ کی غرض سے کھائی جائے۔

آمنين۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انھیں اطمینانِ خاطر، سکونِ قلب اور بے فکری کی دولت نصیب رہے گی۔

۲۸؎ (جس کے سامنے دنیا کی بڑی سے بڑی کامیابی کا نام بھی نہیں لیا جاسکتا)

لا......أولى۔ یعنی یہ ساری نعمتیں لازوال وغیر منقطع ہوں گی، اور آیندہ اُن کے ختم وانقطاع کا کوئی خطرہ نہ ہوگا۔

إلا الموتة الأولىٰ۔ یعنی وہی موت جو دنیا میں واقع ہوئی تھی، اور جو انھیں اس عالم آخرت میں لانے اور انھیں غیر فانی بنانے کا ذریعہ ہوئی۔

بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ مُرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں تو یہ کہ آپ بھی منتظر رہئے، یہ لوگ تو منتظر ہی ہیں ۲۹

فضلاً من ربك۔ ان ساری نعمتوں کا سبب حقیقی فضل خداوندی ہی ہوگی۔

۲۹ یعنی آپ تبلیغ کے علاوہ اور کسی فکر و تردد میں نہ پڑیئے، اور ان پر نزولِ ضرر کے منتظر رہئے، جس طرح یہ اپنی حماقت سے آپ پر نزولِ ضرر کے منتظر ہیں۔

یسرنہ۔ ضمیر واحد غائب قرآن کی جانب ہے۔

أی إنما یسرنا هذا القرآن الذی أنزلناه سهلاً واضحاً بینا جلیاً. (ابن کثیر، ج۴/ص:۱۳۲)

بلسانك۔ آپ کی زبان میں اے پیمبر! یعنی زبان عرب میں۔

بلسانك أی بلغتك وهی لغة العرب. (بحر، ج۸/ص:۴۰)

بلسانك الذی هو أفصح اللغات وأجلاها وأعلاها. (ابن کثیر، ج۴/ص:۱۳۲)

لعلهم یتذکرون۔ یعنی آپؐ کی زبان میں قرآن کے نازل ہونے کی ایک مصلحت یہ ہے کہ آپؐ کے یہ مخاطبین اسے داعیٔ اولؐ ہی کی زبان سے خوب سمجھ کر اس سے نفع حاصل کریں۔

(۴۵)

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ

اٰيَاتُهَا ۳۷ — ۳۷ آیتیں

رُكُوْعَاتُهَا ۴ — ۴ رکوع

سورۂ جاثیہ مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲ اِنَّ فِى السَّمٰوٰتِ

حا۔میم۔(یہ) کتاب نازل کی ہوئی ہے اللہ غالب (اور) حکمت والے کی طرف سے[1] بے شک آسمانوں

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳ وَفِىْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ

اور زمین میں نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لیے[2] اور خود تمھارے اور ان حیوانات کی آفرینش میں جن کو اس نے پھیلا رکھا ہے

[1] (اور اس لیے اس کے مضامین بھی نہایت ہی قابل توجہ ہیں)

حٰم۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱ سورۂ مومن۔

تنزیل ...... الحکیم۔ اس میں منکرین قدیم و جدید کے اس وہم کی بھی تردید آ گئی کہ یہ کلام رسول کا گڑھا ہوا ہے، اور اس وہم کی بھی کہ قرآن بہت بعد کو کتابی صورت میں مرتب ہوا ہے، وہ ایک منظم، مرتب نوشتہ شروع ہی سے رہا ہے۔

من ...... الحکیم۔ کلام میں خود مصنف کا اثر آ گیا ہے، اور کتاب اُسی شان اور پایہ کی ہو گئی ہے، جیسے العزیز اور الحکیم کی کتاب کو ہونا چاہیے۔

[2] (اللہ کی قدرت و حکمت کی اور اس کی توحید کی)

جن کے دلوں میں ایمان گھر کر چکا ہے اور جن کی بصیرت مومنانہ بن چکی ہے، انھیں اس کارخانۂ کائنات میں قدم قدم پر اللہ کی حکمتوں، صنعتوں، قدرتوں کے نمونے ملتے ہیں، اور وہ سب اس کی توحید ہی کی طرف لے جاتے ہیں، نہ کہ معبودوں کے تعدد کی جانب۔

مِنۡ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ۝٤ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ

نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں، اور (اسی طرح) رات اور دن کے الٹ پھیر میں

وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ

اور اس رزق میں جس کو اللہ نے آسمان سے اتارا، پھر اس نے زمین کو تروتازہ کیا

بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَتَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ۝٥ تِلۡكَ

اس کے خشک ہوئے پیچھے، اور ہواؤں کے ادل بدل میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں ۳ یہ

۳ (قدرتِ الٰہی اور توحید الٰہی کی)

مطلب یہ ہے کہ کائنات کے جتنے بھی شعبے ہیں، طبیعی، نفسیاتی، حیوانی، فضائی وغیرہ سب میں غور کرنے والے اور انصاف وطلب حقیقت رکھنے والے انسان کے لیے دلائل وشواہد حق تعالیٰ کی توحید اور قدرت کاملہ ہی کے ملتے ہیں۔

وفی خلقکم۔ انسان کی جسمی ساخت وترکیب وعقلیت سے متعلق جتنے بھی علوم وفنون ہیں: تشریح الابدان، عضویات، نفسیات وغیرہا، ان سب کے قوانین وضوابط سے انسان معرفتِ الٰہی ہی کے سبق لے سکتا ہے۔

ومایبث من دابۃ۔ اس کے تحت میں سارے علوم حیوانات اور اس کے متعلقات کے آگئے۔

واختلاف اللیل والنہار۔ ہیئت، ریاضیات، فضائیات، طبعیات مع اپنی تمام شاخوں کے اس کے ماتحت آگئے۔

من السماء...... الریح۔ معاشیات، حیاتیات، نباتیات، ارضیات، فضائیات کے سارے علوم مع اپنی شاخوں اور متعلقات کے اس کے تحت میں آگئے۔

رزق سے مراد مادۂ رزق یعنی بارش ہے۔

أی من مطر وسمّاہ رزقاً لأنہ سببہ. (بیضاوی، ج۵/ص:۶۸)

لیکن اگر یہ تاویل مجازنہ کی جائے، جب بھی پانی بھی تو رزق ہے۔

ولولم یؤل صح لأنہ فی نفسہ رزق أیضاً. (روح، ج۲۵/ص:۱۳۹)

ایٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡہَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰہِ

اللہ کی نشانیاں ہیں جو ٹھیک طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں تو پھر اللہ اور اس کی نشانیوں کے سوا اور کون سی

وَ اٰیٰتِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾ وَیۡلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیۡمٍ ﴿۷﴾ یَّسۡمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُتۡلٰی

بات ہوگی جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے، بڑی خرابی ہے اس شخص کے لیے جو جھوٹ لگانے والا ہے نافرمان ہے، اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جب وہ اس کے روبرو

عَلَیۡہِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسۡتَکۡبِرًا کَاَنۡ لَّمۡ یَسۡمَعۡہَا ۚ فَبَشِّرۡہُ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۸﴾

پڑھی جاتی ہیں پھر بھی تکبر کرتا ہوا اڑا رہتا ہے جیسے اس نے انھیں سنا ہی نہیں، سو اسے عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دیجیے ؂۴

بہ میں ضمیر مادۂ رزق یعنی بارش کی طرف ہے۔

سماء سے ایسے موقع پر ہمیشہ مراد صرف سمت بلندی کی جانب اشارہ کرنا ہوتا ہے۔

أی جهة العلو. (روح، ج ۲۵/ص: ۱۳۹)

امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ ان تین آیتوں کے ختم پر لفظ تین مختلف آئے ہیں:

پہلے مؤمنین، پھر قوم یوقنون، اور پھر قوم یعقلون۔ ان میں ایک خاص ترتیب ہے، گویا مخاطبین سے کہا یہ گیا ہے کہ تم اگر ایمان والے ہو تو خود ہی ان دلائل کو سمجھ جاؤ گے، لیکن اگر ایمان سے محروم ہو، جب بھی حق کے طالب تو ہو گے، جب بھی انھیں سمجھ سکتے ہو۔ اور یہ بھی نہ ہو تو آخری درجہ میں بہر حال صاحب فہم تو ہئی ہو، اسی فہم سے کام لو، جب بھی کافی ہے۔ (کبیر ۲۷/ص: ۲۲۳)

؂۴ (کہ وضوحِ حق کے بعد روشِ استکبار کی سزا عذاب الیم ہی ہے)

فبأی...... یؤمنون۔ یعنی توحید، معاد، نبوت وغیرہ مسائل حقہ کا اثبات انھیں آیات ہی سے تو ہوتا ہے، سو اب اور کون سی چیز باقی ہے جس پر اُن کے ایمان لانے کی توقع کی جا سکے۔

بعد اللہ و آیتہ سے مراد بعد آیت اللہ ہی ہے۔ الفاظ جس ترتیب و ترکیب کے ساتھ قرآن مجید میں آئے ہیں، اس نے کلام میں زور و تاکید پیدا کر دی ہے۔

تقدیم اسم الله للمبالغة و التعظيم. (بیضاوی، ج ۵/ص: ۶۹)

بعد اللہ سے مراد بعض نے بعد کتاب اللہ لی ہے اور کتاب کو محذوف سمجھا ہے۔

وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا ۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے، یہی لوگ تو ہیں جن کے لیے ذلت کا

مُّهِيْنٌ ؕ ⑨ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا

عذاب ہے ۵ ان کے آگے جہنم ہے، اور ان کے کام نہ تو وہ چیزیں کچھ بھی آئیں گی جو یہ کما گئے

وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ؕ ⑩

اور نہ وہ جن کو انھوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا تھا اور ان کے لیے بڑا ہی عذاب ہے ٦

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ

یہ (قرآن) ہدایت ہی ہے اور جو لوگ اپنے پروردگار کی نشانیوں سے کفر کرتے ہیں، ان کے لیے سختی کا

رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۠ ⑪ اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ ع ۱ ۱۱ ۱۷

عذاب دردناک ہے۔ اللہ وہی ہے جس نے تمھارے لیے سمندر کو مسخر بنایا تاکہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں

بعد اللّٰہ میں بعد کے معنی ''اس سے بڑھ کر'' کے ہیں۔

امام رازیؒ نے آیت سے یہ نکتہ بھی اخذ کیا ہے کہ ایمان میں تقلید کافی نہیں ہے، ہر مکلف کو دین الٰہی کے دلائل پر غور و تفکر بھی کرنا چاہیے۔

وأبطل بهذا قول من يزعم أن التقليد كافٍ وبيّن أنه يجب على المكلف التأمل في دلائل دين الله. (كبير، ج٢٧/ص:٢٢٣)

۵ چونکہ انکار و تکذیب کی بنیاد استکبار نفس پر تھی، اس لیے عذاب مھین (ذلیل ورسوا کرنے والے) کی مناسبت بالکل ظاہر ہے۔

اذا......هزوا۔ استہزاء و تمسخر کا درجہ محض انکار و تکذیب سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔

٦ عذاب عظیم کی تصریح سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ عذاب علاوہ مھین ہونے یا باعث تفضیح ورسوائی ہونے کے شدید بھی بہت ہوگا۔

ما کسبوا۔ اس کے عموم میں دنیا کے اموال، اعمال سب داخل ہیں۔

بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ

چلیں اور تاکہ تم اس کی (دی ہوئی) روزی تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر کرو ۷ اور اس نے تمھارے لیے مسخر کردیا

مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے، بے شک اس میں

۷ اور اس شکر گزاری کی سب سے بڑی فرد یہ ہے کہ اللہ کی توحید وربوبیت کا اقرار کرو، اور اس کے احکام کی تعمیل۔

هذا۔ اشارہ اسی کلام الٰہی یا قرآن کی جانب ہے۔

سخّر لکم۔ یعنی تمھارے نفع کے لیے اپنے احکام تکوینی کا تابع بنایا ——— خطاب یہاں عام نوع انسانی سے ہے۔

لتبتغوا من فضلہ۔ یعنی تاکہ تم ان کشتیوں پر سوار ہوکر اور سفر کرکر کے ہر طرح کے نفع حاصل کرو، اور طرح طرح کے سمندری خزانے برآمد کرتے رہو۔

من فضلہ۔ فضل یہاں بہت وسیع معنی میں ہے: بحری تجارت، بحری شکار، غواصی وغیرہ سب کچھ اس میں آجاتا ہے۔

أی التجارة والغوص والصید وغیرها. (بیضاوی، ج۵/ص:۶۹، روح، ج۲۵/ص:۱۴۴)

"اللہ کے فضل" سے، اشارہ ایسے سیاق میں ہمیشہ مالی، مادی، معاشی نفع کی طرف ہوتا ہے، اور سمندری خزانے اب روز بروز زیادہ ہی ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔

قرآن مجید نے بحری تجارت اور اس کے متعلقات پر بار بار توجہ موقع ترغیب پر دلائی ہے، اور اس طرح بالکل ظاہر کردیا ہے کہ اسے گوشہ نشینی اور ترک دنیا کے مذاہب سے کوئی واسطہ نہیں۔

بامرہ میں اشارہ کردیا کہ سمندر کا اتنا مسخر ہوجانا، یہ تمام تر احسانِ خداوندی ہے، بندہ اسے اپنی قابلیت وقوت ایجاد کی جانب منسوب کرکے اپنے اوپر نازاں نہ ہو۔

بایٰت ربھم۔ آیات رب سے یہاں مراد قرآن بھی لی گئی ہے ——— وہ کتاب جو کیا تشریعی اور کیا تکوینی سارے ہی مصالح ومنافع کا جامع ہے۔

لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یَغۡفِرُوۡا لِلَّذِیۡنَ

ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں ۸ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان سے درگزر کریں جو

لَا یَرۡجُوۡنَ اَیَّامَ اللّٰہِ لِیَجۡزِیَ قَوۡمًۢا بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾

اللہ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے تاکہ (اللہ) ایک قوم کو ان کے اعمال کا صلہ دے ۹

لأن آیات ربھم ھی القرآن، أی ھذا القرآن کامل فی الھدایۃ. (مدارک، ص:۱۱۱۷)

۸ غور و فکر کی قوتیں بھی اللہ ہی کی دی ہوئی ہیں، اور ان سے اگر صحیح طور پر کام لیا جائے تو ہدایت و معرفت ہی کی راہیں کھلتی رہیں گی ـــــ اصطلاحی فلسفہ قدیم یونان کا ہو یا جدید یورپ کا، وہ عقل واستدلال کے استعمال کا نہیں، سوء استعمال کا نمونہ ہے، اور غور و فکر کو ایک مسخ شدہ صورت میں پیش کرتا ہے۔

سخر......منہ۔ اس آیت نے اسے صاف کردیا کہ سورج، چاند، ستارے، ہوا، خشکی، تری کی جتنی بھی قوتیں ہیں، انسان ان سب کو اپنے کائناتی تصرف میں لائے گا، اور جوں جوں قوانین فطرت کا زیادہ راز دار ہوتا جائے گا، فطرت کا منشا اور زیادہ پورا ہوتا جائے گا۔

جمیعاً منہ۔ اس تصریح نے اسے صاف کردیا کہ یہ تسخیرِ فطرت کی بھی ساری نعمت تمام تر اللہ ہی کی دی ہوئی ہے، کوئی دیوی دیوتا اس میں شریک نہیں۔

یعنی أنہ سبحانہ مکونھا و موجدھا بقدرتہ و حکمتہ ثم مسخرھا لخلقہ.

(روح، ج۲۵/ص:۱۴۵)

أی من عندہ وحدہ لاشریك لہ فی ذلك. (ابن کثیر، ج۴/ص:۱۳۴)

جمیعاً منہ۔ سارے ہی رازِ تکوینی انسان پر اِن شاء اللہ کھل کر رہیں گے، ابھی تک تو اُن کے کھلنے کا آغاز ہی ہوا ہے!

۹ (اور وہ قوم خود اہل ایمان کی ہے)

والمراد بالقوم المؤمنون الغافرون. (روح، ج۲۵/ص:۱۴۷)

آیت کا زمانۂ نزول وہ ہے جب مکہ میں مسلمانوں پر شدید ظلم ہو رہے تھے تو اس وقت انھیں ترغیب دی ہے کہ عفو و درگزر سے کام لیتے رہیں، اور اسی پر انھیں اجر خاص ملے گا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

جوکوئی بھی نیک عمل کرتا ہے سواپنی ذات کے لیے کرتا ہے اور جوکوئی برائی کرتا ہے اس کا بھی وبال اسی پر رہتا ہے، پھر تم کو واپس

تُرْجَعُوْنَ ⑮ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ

اپنے پروردگار کی طرف جانا ہے ۱۰ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت

نزلت فی أناس من أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم من أہل مکة کانوا فی أذی شدید من المشرکین. (معالم،عن القرطبی والسدی، ج ٤/ص:١٨٥)

کان ھذا فی ابتداء الإسلام، أمروا أن یصبروا علی أذی المشرکین وأھل الکتاب. (ابن کثیر، ج ٤/ص:١٣٤)

یغفروا ۔ غفر یہاں عفو کے مرادف ہے۔

أی یعفوا ویصفحوا. (بیضاوی، ج ٥/ص:٦٩)

لا یرجون أیام اللّٰہ ۔ یعنی اللہ کے جو اہم سے اہم معاملات بندوں کے ساتھ حشر میں پیش آئیں گے کہ فرماں برداروں پر عطاو بخشش ہوگی، اور نافرمانوں پر نزول عذاب وشدت ہوگا۔ منکرین قیامت ان سارے امور کی طرف سے اپنے کو غافل ہی بنائے ہوئے ہیں۔

أیام اللّٰہ سے مراد ہوتے ہیں وہ اہم ترین واقعات، جو غیب سے پیش ہوتے رہتے ہیں۔

أی لا یتوقعون الأوقات التی وقّتھا اللّٰہ لنصر المؤمنین. (ابوالبقاء، ص:١٥٧٠)

دیکھئے حاشیہ سورۂ ابراہیم (آیت ۵)

آیت کا مقصود اس انتقام سے مسلمانوں کو روکنا ہے، جس کی غایت اپنے غیظ کی تسکین ہوتی ہے، باقی جو قتال اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہوتا ہے اس سے آیت کو نفیاً یا اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔

قوماً ۔ لفظ کا صیغۂ نکرہ میں ہونا اظہار تعظیم کے لیے ہے۔

والتنکیر للتعظیم، ولفظ القوم فی نفسہ اسم مدح.... وفی ھذا التنکیر کمال التعریف. (روح، ج ٢٥/ص:١٤٧)

۱۰ (وہاں مطیعوں کو اپنے کیے دھرے کا نعم البدل ملے گا، اور سرکشوں کو اپنے کرتوتوں

وَالنُّبُوَّةَ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

اور نبوت دی تھی اور ہم نے انھیں مزید اور چیزیں مہیا کردیں اور ہم نے انھیں دنیا جہاں والوں پر فضیلت دی تھی ۱۱

کا بدلہ، دنیا میں ان نافرمانوں سے درگزر ہی مناسب ہے)

من عمل صالحاً فلنفسہ۔ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ جو کوئی بھی نیک عمل کرتا ہے اپنے ہی نفع کے لیے کرتا ہے، کسی دوسرے پر احسان نہیں کرتا ـــــ جاہلی قومیں یہ سمجھتی تھیں کہ کسی دیوی دیوتا کی پوجا کرنا خود اُس پر کرم کرنا اور اس کو زیر بار منت کرنا ہے۔

و من أساء فعلیہا۔ یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ بدی کا وبال خود اُس بدی کے مرتکب پر پڑتا ہے، دوسروں کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔

پوری آیت ذاتی ذمہ داری اور شخصی مسئولیت کا سبق دینے کے لیے ہے، جاہلی مذہبوں میں اور انھیں کے اثر سے کتابی مذہبوں میں اس کا احساس بہت ہی دھندلا ہو گیا تھا۔

۱۱ (بحثیت علمبردارِ توحید ہونے کے دنیا کی ساری مشرک قوموں کے درمیان)

الکتٰب۔ یعنی توریت۔ بعض دوسرے انبیائے بنی اسرائیل پر اتارے ہوئے دوسرے صحیفے۔

الحکم۔ حکم یہاں حکمت و معرفت کے معنی میں ہے۔

الفھم فی الکتاب. (قرطبی، ج۱۶/ص:۱۶۲)

الحکمۃ و الفقہ. (کشاف، ج۴/ص:۲۸۲)

الفقہ فی الدین. (روح، ج۲۵/ص:۱۴۸)

حکم کے مشہور تر معنی حکومت و فصل قضایا کے ہیں، چنانچہ بہت سے اکابر اس طرف بھی گئے ہیں۔

النبوۃ۔ قدیم قوموں میں جب تک تقسیم کی بنیاد نسل پر رہی، شرف و امتیاز نبوت نسل اسرائیل ہی کو حاصل رہا۔

رزقنٰھم من الطیّبٰت۔ الطیّبٰت کا مفہوم بہت وسیع ہے، ہر حلال، لذیذ، نفیس، پاکیزہ چیز اس کے تحت میں آجاتی ہے۔ اشارۂ خصوصی حکومت ملک شام کی طرف معلوم ہوتا ہے جو اپنے نفیس و لذیذ پیداوار کے لیے خاص طور پر مشہور تھا۔

وَاٰتَیۡنٰہُمۡ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا

اور ہم نے انھیں دین کے باب میں کھلی ہوئی دلیلیں دی تھیں، سوانھوں نے علم آنے کے بعد بھی

جَآءَہُمُ الۡعِلۡمُ ۙ بَغۡیًۢا بَیۡنَہُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّکَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ

باہم اختلاف کیا آپس کی ضد سے ۱۲ بے شک آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان امور میں فیصلہ کر دے گا

فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلۡنٰکَ عَلٰی شَرِیۡعَۃٍ مِّنَ

جن میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے ۱۳ پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ

فضّلنٰهم علی العالمين۔ اس پر مفصل حاشیہ سورۃ البقرہ، آیت ۴۷ میں گزر چکا۔

۱۲ کیا ٹھکانا تھا اُن کی ضد، جہالت ونفسانیت کا کہ جو شے دافع اختلاف ہوسکتی تھی یعنی العلم یا وحی، عین اُسی کو باعث تفریق وشقاق بنالیا!

بیّنٰت من الأمر۔ الأمر سے مراد دین ہے اور بینات کے تحت میں دلائل ومسائل یعنی حسّی ومعنوی اور علمی ہر طرح کی ہدایتیں آگئیں۔

أی حججاً وبراهين وأدلة قاطعات. (ابن کثير، ج٤/ص:١٣٥)

دلائل ظاهرة في أمر الدين. (روح، ج٢٥/ص:١٤٨)

من الأمر۔ من یہاں فی کے معنی میں ہے۔

من بمعنی فی. (روح، ج٢٥/ص:١٤٨)

بغیاً بینهم۔ قرآن مجید اس کی بار بار تصریح کرتا گیا ہے کہ یہ سارا نفاق وشقاق آپس کی نفسانیت سے پیدا ہوا، کسی اختلاف فہم وتعبیر پر مبنی نہیں۔

۱۳ (اہل حق سے اور خود آپس میں)

آخرت میں فیصلہ عملی اور مشاہداتی رنگ میں ہوگا۔ دلائل وشواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ آج بھی موجود ہے ـــــــ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دی ہے کہ آپ ان کے لیے زیادہ فکر میں نہ پڑیں، ان کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ خود ہی آخرت میں کرے گا۔

الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝١٨ إِنَّهُمْ

پر کردیا، سو آپ اسی پر چلے جایئے اور بے علموں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے ۱۴ یہ لوگ

لَنْ يُغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ

اللہ کے مقابلے میں آپ کے ذرا بھی کام نہیں آسکتے، ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست

بَعْضٍ ۖ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ۝١٩ هَٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى

ہوتے ہیں، اور پرہیزگاروں کا دوست تو اللہ ہے ۱۵ یہ (قرآن) لوگوں کے لیے دانشمندیوں (کا سبب) اور ہدایت (کا ذریعہ) ہے

۱۴ یہ شیوہ تو ظالموں، فاسقوں کا ہے کہ ایک دوسرے کی راہ پر چلنے لگتے ہیں، آپ کو بھلا اس سے کیا مناسبت ہے!

جعلنٰك علی شریعة من الأمر۔ یعنی آپ کو نبوت سے سرفراز کیا۔ الأمر سے مراد دین ہے۔

أی من أمر الدین. (بیضاوی، ج ۵/ص: ۷۰)

الأمر۔ ہوسکتا ہے کہ ال استغراق کا ہو، تو مراد یہ ہوگی کہ ہم نے ہر امر عظیم و مہتم بالشان میں آپ کو راہ دکھادی، اور آپ کسی امر میں بھی بے راہ نہیں رہے۔

فاتبعها۔ یعنی دین حق کا اتباع اپنے عمل سے بھی کرتے رہئے اور تعلیم و تبلیغ سے بھی۔

شریعة کا لفظ آیت میں بہت ہی با محل اور پُر معنی آگیا، حکم خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مل رہا ہے کہ جو شریعت آپ کو دے دی گئی ہے اور جو دنیا میں آپؐ ہی کی لائی اور پھیلائی ہوئی ہے، آپ بھی اس کا اتباع کیجئے (فاتبعها)۔ آپؐ کے لیے بھی اس سے سر مو تجاوز کرنے کی گنجائش نہیں، آپ اس قانونِ شریعت سے ذرا بھی مستثنیٰ نہیں ــــــ اب جن لوگوں نے اس شریعت معروف سے الگ ہوکر اور ایک دوسری شریعت طریقت کے نام سے نکالی ہے وہ ذرا اپنے انجام پر غور کرلیں!

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شریعت کی مخالفت کرکے قرب و کمال کا دعویٰ کرنا تمام تر دعوئے باطل کرنا ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۵۰۷)

الذین لایعلمون۔ یعنی جو لوگ علم حقیقت سے بیگانہ ہیں، نا آشنائے ایمان و منکرین حق ہیں۔

۱۵ (تو آپؐ تو پرہیزگارانِ عالم کے سرور و سردار ہیں، حق تعالیٰ آپ کا دوست

وَّ رَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ اجۡتَـرَحُوا السَّيِّاٰتِ

اور یقین لانے والے لوگوں کے لیے بڑی رحمت ہے ۱۶ کیا جو لوگ بُرے بُرے کام کر رہے ہیں

اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً

اس خیال میں ہیں کہ ہم انھیں ان جیسا رکھیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، کہ ان کی

مَّحۡيَاهُمۡ وَمَمَاتُهُمۡ ؕ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

زندگی اور ان کی موت یکساں ہی رہیں، سو کیسا برا حکم یہ لوگ لگاتے ہیں ۱۷ اللہ نے آسمانوں

ع ۱۰/۱۸

وکارساز تو بدرجۂ اولیٰ ہوگا)

الظالمین۔ ظالم سے یہاں بھی مراد کافر ہی ہیں۔

بعضھم أولیآء بعض ۔ نافرمانوں اور سرکشوں کی باہمی نصرت و معاونت کی ایک تازہ اور نمایاں مثال عین اس تفسیر کی تحریر کے وقت پیش نظر ہے! دشمنانِ مسیح (یہود) اور پرستارانِ مسیح (عیسائیوں) کے درمیان جو عداوت اور بیزاری رہی، وہ تاریخ کے اوراق سے ظاہر ہے، لیکن اس وقت فلسطین جو یہود کی آبادی اور مستقل حکومت ہوگئی ہے اس کی تہ میں تمام تر بعض مسیحی ہی سلطنتوں کا ہاتھ کام کر رہا ہے!

۱۶ ھذا......ھدی۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا مجموعۂ بصیرت وہدایت ہونا ہر ایک کے لیے کھلا ہوا ہے۔ اس کی ان خصوصیات سے فائدہ سب ہی اٹھا سکتے ہیں، یہ للناس ہے تنہا للعرب نہیں۔

ورحمة لقوم یوقنون۔ لیکن ثمرۂ عمل یعنی رحمت خاصہ یہ مخصوص اہل ایمان ہی کے ساتھ ہے۔

بصائر۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ بصائر بصیغۂ جمع لانے میں نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید سارے ہی مہمات کے لیے کافی ہے، ایک دو کے لیے نہیں۔

ھذا۔ اس سے قرآن کا مراد ہونا بالکل ظاہر ہے۔

۱۷ مطلب یہ ہے کہ نافرمان جس طرح اپنے اکثر حالات و آثار تکوینی کے لحاظ سے فرماں برداروں کے ساتھ دنیا میں ملے جلے رہتے ہیں، اور موت، بیماری، رزق وغیرہ کے اعتبار سے

وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَلِتُجۡزٰى كُلُّ نَفۡسٍۢ بِمَا كَسَبَتۡ وَهُمۡ

اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر

لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰٮهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ

ذرا ظلم نہ کیا جائے گا ۱۸ سو کیا آپ نے اس شخص کی بھی حالت دیکھی ہے، جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے اور اللہ نے اس کو باوجود

عَلٰى عِلۡمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمۡعِهٖ وَقَلۡبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ

سمجھ بوجھ کے گمراہ کردیا ہے اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے ۱۹

کوئی ظاہری فرق اور کھلا ہوا امتیاز، محض سرکشی واطاعت کی بنیاد پر دیکھنے میں نہیں آتا، کیا اسی طرح کا خلط ملط عالم ابتلا کے بعد بھی قائم رہے گا؟ ہرگز نہیں۔ عالم حقائق میں اہل اطاعت اور اہل طغیان کے حالات وآثار تو ایک دوسرے سے بیّن طور پر ممتاز اور نمایاں طور پر جدا ہوں گے۔

الذین اجترحوا السیئات۔ سیئات کے تحت میں کفر، شرک، معصیت سب شامل ہیں، لیکن یہاں ایمان وعمل صالح کے مقابلے میں آنے سے اغلباً مراد سیئات کفر ہی سے ہے۔

والمراد بها ما فی البحر، سیئات الکفر. (روح، ج۲۵/ص:۱۴۹)

والسیئات هنا سیئات الکفر. (بحر، ج۸/ص:۴۷)

سآء مایحکمون۔ دونوں میں یکسانی اگر واقعی اور مستقل رہی تو پھر تو قانونِ مجازات باطل ہی ہوگیا، اور مکافاتِ عمل کے کوئی معنی ہی نہ رہے۔

۱۸ یعنی اس بدلہ میں ظلم زیادتی ذرا سی بھی نہ ہوگی۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ آسمان وزمین کا خالق ہی نہیں، بلکہ حکمتوں اور مقصدوں کے ساتھ ان کا خالق ہے۔ اور ایک حکمت یہی قانونِ مجازات ہے، دنیا میں پورا پورا بدلہ ملتا نہیں، اس لیے لازمی ہے کہ ایک دوسرا عالم ہو، جس میں انصاف رتی رتی کا کیا جائے، اور سب کے سب اُسے محسوس بھی کریں۔

۱۹ (کہ حق کو سننے سمجھنے کے باوجود بھی اتباع خواہش نفس سے گمراہ ہوگیا)

من اتخذ الٰهه هواه۔ خداوندی ضابطوں کو یکسر بھلا کر زندگی اور اجزائے زندگی کا حاکم

فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۳ وَقَالُوْا مَا هِيَ

سوا ایسے کو بعد اللہ کے اور کون ہدایت کرے، تو کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟ ۲۰ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ بجز

اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ

ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں (ہم بس ایک ہی بار) مرتے اور (بس ایک ہی بار) زندگی پاتے اور ہم کو صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے

وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا

درآنحالیکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں، یہ محض

اپنی "عقل"، کو یا کسی بشری قانونِ اعلیٰ کو بنالینا، عملاً اپنی خواہش نفس ہی کی پوجا کرنے لگنا ہے۔

أضلّه اللّٰه علی علم۔ حق تعالیٰ کا اسباب ضلالت کو تکوینی طور پر خلق کردینا ہی اُس کی طرف سے اضلال ہے۔

ختم......غشوۃ۔ یہ کان اور دل پر مہر لگ جانا، اور آنکھوں پر پردہ پڑ جانا، ابتداءً حق تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہوا، بلکہ یہ تو عین نتیجہ نکلا اُن کی ارادی پیروی نفس کا ـــــــ ان حاشیوں میں اس مسئلہ کی تصریح بار بار کی جا چکی ہے۔

۲۰ سمجھنے سے مراد ایسا سمجھنا ہے جو نافع ہو، اور ہدایت کی طرف لے آئے۔ باقی سمجھنا اگر اپنے عام مفہوم میں بھی نہ ہوتا، تو سرے سے یہ لوگ قابل خطاب وعتاب ہی نہ رہ جاتے، بلکہ معذور قرار پا جاتے۔

من بعد اللّٰه ۔ بعد یہاں غیر یا سوا کے معنی میں ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں اور بھی متعدد مقامات پر آیا ہے۔

قيل المعنى فمن يهديه غير اللّٰه سبحانه. (روح، ج۲۵/ص:۱۵۲)

بعض نے کہا ہے کہ مراد بعد اضلال اللّٰہ سے ہے یعنی اللہ کے گمراہ کردینے کے بعد سے۔

أي من بعد اضلاله. (بیضاوی، ج۵/ص:۷۰)

أي من بعد أن أضلّه اللّٰه. (کبیر، ج۲۷/ص:۲۳۱)

يَظُنُّوْنَ ﴿٢٤﴾ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ

اٹکل سے ہانک رہے ہیں ۲۱ اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے پاس کوئی اور جواب نہیں ہوتا

اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ

بجز اس کے کہ کہنے لگتے ہیں کہ (اچھا تو) اگر (بڑے) سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو لے آؤ ۲۲ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ (ہی)

مطلب یہ ہوا کہ ایسوں کی استعداد قبول حق اتنی مضمحل ہو جاتی ہے کہ کوئی توقع کسی انسانی تدبیر سے ان کی اصلاح کی نہیں رہ جاتی۔

۲۱ عرب خصوصاً وسطی اور جنوبی عرب میں کثرت سے لوگ اس عقیدے و مشرب کے تھے کہ نہ کوئی حیاتِ اخروی ہے نہ کوئی جزا و سزا۔ جو کچھ ہو رہا ہے سب قوانین مادّی و طبعی کے لحاظ سے ہو رہا ہے، اور انھیں کے ماتحت میں انسان کو موت بھی آتی ہے، اور انھیں کے مطابق انسان پیدا بھی ہوتا ہے۔ ان کے بڑے بڑے شاعر یہی مضمون باندھ گئے ہیں، گویا جاہلیتِ اولیٰ کے ''روشن خیال'' کا ٹھیک وہی مسلک تھا، جو آج کے مہذب ''روشن خیال'' فرنگی کا ہے ــــ مادّیت (Meterialism) کا مسلک دنیا کا ''جدید ترین'' نہیں، بہت قدیم مذہب ہے۔

قال ذلك مشركوا قريش (جصاص عن قتادة) هذا قول زنادقة قريش الذين كانوا ينكرون الصانع الحكيم وان الزمان ومضى الأوقات هو الذى يحدث هذه الحوادث. (جصاص، ج۳/ص:۳۸۹)

ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

الدھر۔ بعض عرب ''دہر'' یا ''زمان'' کو ایک مستقل دیوتا کی حیثیت سے مانتے تھے۔

وما لھم ...... یظنون۔ یہ ان مدعیانِ عقل و روشن خیالی کی تجہیل ہے۔ وجود باری اور وقوع قیامت پر جو دلائل قائم ہیں، ان کی تو یہ کچھ تردید کر پاتے نہیں، اور خود جو دعویٰ نفی جزا و سزا کا اور اثباتِ دہریت کا کرتے ہیں، اس پر کوئی دلیل ضعیف سی بھی نہیں رکھتے، بلکہ یہ اِدھر اُدھر کی جو خیالی باتیں کر رہے ہیں، وہ سرتاسر سطحی بلکہ بالکل بے مغز ہیں۔

۲۲ (از سرِ نو زندہ کر کے)

يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ

تم کو زندہ رکھتا ہے پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے، پھر وہی تمہیں قیامت کے دن اکٹھا کرے گا جس میں ذرا شبہ

فِيهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ

نہیں لیکن اکثر لوگ (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے ۲۳ بس اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں

وَالْأَرْضِ ۚ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُونَ ﴿٢٧﴾

اور زمین میں، اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز اہل باطل بڑے خسارے میں ہوں گے ۲۴

وَتَرَىٰ كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ

اور آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ دوزانو ہوں گے، ہر جماعت اپنے رجسٹر کی طرف بلائی جائے گی، آج تمہیں تمہارے

گویا کوئی بندہ جب چاہے مردے کو زندہ کر کے لاسکتا ہے! گویا کسی مومن کا دعویٰ کبھی یہ رہا ہے؟ حواس پرستوں کی عقلیں ایسی ہی ماری جاتی ہیں!۔۔۔۔۔ عقلی دلیل کو مشاہدے کی سطح پر اتار لانے اور اسی میں اس کو محدود و محصور رکھنے کے لحاظ سے کس قدر مشابہت عرب کے ''دہری'' اور فرنگستان کے مٹیریلسٹ میں ہے!

۲۳ یعنی یہ احیاء و اماتت، زندگی بخشنے اور موت واقع کرنے کے اعمال تو حق تعالیٰ جو قادر مطلق ہے وہی صادر کرتا رہتا ہے، اور وہی قیامت کے دن احیائے ثانی بھی کرے گا۔۔۔۔۔ یہ کسی بندے کے اختیار و تصرف کی بات ہی کب ہے جو تم اس کا عملی اور مشاہداتی ثبوت ہم مسلمانوں سے چاہتے ہو!

۲۴ (جب دیکھیں گے کہ اب کوئی سہارا نام کو بھی موجود نہیں، اور کچھ بھی کسی صورت سے بنائے نہیں بنتی)

وللّٰہ ...... الأرض۔ زمین و آسمان کہیں بھی کسی دوسرے کے ملکیت و شرکت نہیں، وہی اکیلا مالک و متصرف ہے، جب اور جس طرح جو کچھ چاہے کرے۔

ع ۱۵ / ۱۹

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ط

کیے کا بدلہ ملے گا ۲۵ یہ ہمارا رجسٹر ہے جو تمھارے حق میں ٹھیک بول رہا ہے

اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

تم جو کچھ بھی کرتے رہتے تھے ہم سب لکھواتے جاتے تھے ۲۶ سو جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل

الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾

بھی کیے تھے تو ان کو ان کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل کرے گا، صریح کامیابی یہی تو ہے

۲۵ یہ ہر امت سے پکار کر کہا جائے گا۔

الیوم۔ مراد یوم حشر کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

جاثیۃ۔ کھلے ہوئے معنی تو یہ ہیں کہ حساب کے وقت سب ادب سے دوزانو ہوں گے۔

دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ خوف سے زانو کے بل گر پڑیں گے۔

وھی ھیئۃ المذنب الخائف المنتظر لما یکرہ. (روح،ج۲۵/ص:۱۵۵)

اس معنی میں یہ آیت مخصوص ہوگی غیر مقبولین اہل باطل کے ساتھ۔

تدعی إلی کتبھا۔ رجسٹر کی طرف بلائی جائے گی یعنی اس رجسٹر کے مطابق حساب و کتاب کے لیے طلب کی جائے گی، ورنہ نفس رجسٹر یا نامۂ عمل تو ظاہر ہے کہ خود ہی سب کے ہاتھ میں ہوگا۔

أی إلی حسابھا. (بحر،ج۸/ص:۵۱)

۲۶ (فرشتوں سے، اور ان کے لکھنے میں کسی غلطی کے رہ جانے کا احتمال و امکان ہی نہیں)

یہ سارا قول ان اہل دوزخ سے پکار کر کہا جائے گا۔

کتبنا۔ یعنی ہمارا لکھوایا ہوا رجسٹر۔ ابھی ابھی کتبھا میں اس رجسٹر کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی تھی، اس حیثیت سے کہ رجسٹر میں اعمال تو بندوں ہی کے درج ہوں گے، اور اب اسی کتاب کی نسبت حق تعالیٰ اپنی جانب کر رہا ہے، یہ اس اعتبار سے کہ وہ رجسٹر لکھوایا ہوا تو حق تعالیٰ ہی کا ہے۔

ینطق علیکم۔ تمھارے خلاف صاف صاف گواہی دے رہا ہے، تمھاری بدکرداریوں کو پوری طرح ظاہر کر رہا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ

اور جو لوگ کافر تھے سو (اے کافرو!) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں، لیکن تم اکڑے رہے

وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۱ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ

اور تم لوگ بڑے مجرم تھے ۲۷ اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں

لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا

کوئی شک نہیں تو تم کہا کرتے تھے ہم نہیں جانتے قیامت ہے کیا چیز! ہاں ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے

وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝۳۲ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ

اور ہم (اس پر) یقین کرنے والے نہیں ۲۸ (آج) ان پر ان کے اعمال کی ساری برائیاں کھل کر رہیں اور انھیں گھیر لیا

بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۳ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا

اس چیز نے جس پر ہنسی اڑایا کرتے تھے ۲۹ اور (ان سے) کہا جائے گا کہ آج ہم تمھیں بھلائے دیتے ہیں جیسا کہ

بالحق۔ بالکل ٹھیک ٹھیک، نپی تلی بات، بغیر کمی وزیادتی کے شائبہ کے۔

۲۷ یہ پورا فقرہ کافروں سے خطاب کرکے قیامت میں کہا جائے گا۔

صیغۂ غائب سے معاً صیغۂ مخاطب کی طرف منتقل ہو جانا، تاکہ کلام میں اثر وقوت زیادہ پیدا ہو جائے، عربی اسلوب بلاغت میں عام تھا، اور اس کو صنعت التفات کہتے ہیں، جیسا کہ اس تفسیر میں پیشتر گزر چکا ہے ـــــ اور یہاں اس سے مقصود عتاب کی اہمیت کا اظہار ہے۔

۲۸ (بلکہ ایسا یقین اپنی عقلیت اور روشن خیالی کے منافی سمجھتے ہیں)

اور یہی جواب آج کل کے ''روشن خیالوں'' کی زبانوں پر بھی چڑھا ہوا ہے۔

قلتم......الساعة۔ یہ جواب تم دیا کرتے اور بڑی بے پروائی اور شان استغنا کے ساتھ دیا کرتے تھے۔

إن نظنّ إلا ظنًّا۔ ایسا ظن وگمان جو ہر سنی سنائی بات کے متعلق کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے۔

۲۹ حقائق سارے کے سارے آئینہ ہو کر رہے، اور اسی میں اُن کا اپنا معذب ہونا بھی آ گیا۔

نَسِيتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا، اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے، اور تمہارا کوئی

نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ

مددگار نہیں ۳۰ یہ (سزا) اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو ہنسی بنا رکھا تھا اور تم کو دنیوی زندگی نے

وحاق......یستھزؤن۔ یہ گھیر لینے والی چیز جس کی یہ ہنسی اڑایا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ عذاب آخرت ہی ہوسکتا ہے۔

۳۰ (جو تمہاری سزا کچھ ہلکی ہی کرا سکے)

ننسٰکم......فعل انساء (بھلا دینا) جب حق تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتا ہے تو کوئی سہو یا ضعفِ حافظہ تو مراد ہو نہیں سکتا ــــــ یہ تو ملائکہ تک کے حق میں ممکن نہیں ــــــ مراد صرف ترک ہی سے ہو سکتی ہے یعنی کافروں کو رحمت حق سے قصداً محروم کر دیا جائے گا۔

وإذا نسبت ذلك إلى الله فهو تركه إيّاهم استهانة بهم ومجازاةً لما تركوه. (راغب، ص:۵۴٦)

أى نتركهم من الرحمة فى عذابهم كما تركوا العمل للقاء يومهم هذا. (لسان، ج۱۴/ص:۱۳۳)

نسیتم۔ انسان کی ایک بھول تو ہوتی ہے طبعی، اضطراری، غیر اختیاری، اس پر کوئی مواخذہ کسی قسم کا نہیں۔ دوسری قسم کا نام ہے اعراض یا تغافل، جو انسان ارادۃً اختیار کرتا ہے، ساری گرفت اسی پر ہے۔

النسيان ترك الإنسان ضبط ما استودع، إما لضعف قلبه، وإما عن غفلة وإما عن قصد حتى ينحذف عن القلب ذكره. (راغب، ص:۵۴٦)

وكل نسيان من الإنسان ذمّه الله تعالىٰ لى به فهو ما كان أصله عن تعمد. (راغب، ص:۵۴٦)

کما......ھذا۔ مراد وہی غفلت اختیاری و مذموم ہے۔

هو ما كان سببه عن تعمد منهم وتركه على طريق الإهانة. (راغب، ص:۵۴٦)

نسیــــــان کے مفہوم پر حاشیے کئی بار دیے گئے ہیں، سورۃ البقرہ (آیت ۲۳۷) حاشیہ ۹۰٦ سورۃ المجادلۃ (آیت ٦) حاشیہ ۱۳، سورۃ السجدۃ (آیت ۱۴) حاشیہ ۲۰۔

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝٣٥

دھوکے میں ڈال رکھا تھا، تو آج تو یہ لوگ نہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے (اللہ کی) خفگی دور کی جائے گی ۳۱

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٣٦

سو خوبیاں (سب کی سب) اللہ ہی کے لیے ہیں (جو) آسمانوں کا پروردگار ہے زمین کا پروردگار ہے نیز سارے جہانوں کا پروردگار ہے ۳۲

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣٧ ع

بس اسی کے لیے بڑائی آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی (ایک) زبردست ہے، حکمت والا ہے ۳۳

ع ۱۱ ۲۰

۳۱ یعنی قیامت میں اس کا موقع ہی نہ ہوگا کہ توبہ کر کے اللہ کی ناراضگی کو دور کیا جائے۔

وغرّتكم الحيوٰة الدنيا۔ انکارِ آخرت کی اصل بنا یہی دنیا کی مشغولی اور اسی میں انہماک تھا۔

۳۲ یعنی نہ آسمان اور نہ زمین اور نہ یہ جہاں خود کسی جہت سے معبود یا قابل پرستش ہے، جیسا کہ بہت سے مشرکوں نے سمجھ رکھا ہے۔ نہ کسی اور دیوی دیوتا کے سپرد کیے ہوئے۔

ربّ السمٰوٰت۔ آسمان یا فضائے آسمانی میں کہیں کسی دیوی دیوتا کا وجود نہیں۔

ربّ الأرض۔ روئے زمین کے کسی چپہ پر کہیں کسی دیوی دیوتا کا وجود نہیں۔

ربّ العالمين۔ کائنات بھر میں کسی مقام پر کسی دیوی دیوتا کا وجود نہیں، سب کا پروردگار وہی ایک ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۳۳ وہ سب پر غالب و زبردست ہے، جب چاہے اپنی بڑائی کا علانیہ اظہار کر کے سب کی نام نہاد بڑائیوں کا خاتمہ کر دے، لیکن اس کی صفت حکمت بھی سب پر غالب ہے۔ اپنی تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں سے اس عالم ابتلا میں اپنی کبریائی کا مشاہدہ اس اعلان کے ساتھ نہیں کراتا۔

الكبرياء۔ کبریائی وہ عظمت لامتناہی ہے جو اللہ ہی کے لیے خاص ہے۔

الكبرياء العظمة والملك وقيل هی عبارة عن كمال الذات و كمال الوجود، ولا يوصف بها إلا الله تعالىٰ. (نهاية، ج ٤/ص: ١٢٢)

وله .... الأرض۔ ترکیب کلام یعنی لہ کی تقدیم نے مفہوم میں حصر پیدا کر دیا ہے یعنی

کبریائی صرف اسی ایک کی ہے، کوئی اوراس میں شریک وسہیم نہیں، نہ زمین میں، نہ آسمان میں، نہ کائنات کے کسی گوشے میں ——— قرآن میں چند آیتیں خصوصیت کے ساتھ ایسی ہیں جو جلالت حق سے دل کو لرزا دینے اور جسم میں تھرتھری پیدا کردینے کے لیے کافی ہیں۔ان میں ایک یہ آیت بھی ہے العظمة للّٰه، پھر پڑھئے الکبریاء۔ وله الکبریآء فی السمٰوٰت والأرض..الخ.

(۴۶)

أٰيَاتُهَا ۳۵ — ۳۵ آیتیں

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ

رُكُوْعَاتُهَا ٤ — ۴ رکوع

سورۂ احقاف مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② مَا خَلَقْنَا

حا میم۔ (یہ) کتاب نازل کی ہوئی ہے اللہ غالب اور حکمت والے کی طرف سے ۱؎ ہم نے آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حکمت ہی کے ساتھ، اور ایک میعاد مقرر کے لیے پیدا کیا ہے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ③ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ

اور جو لوگ کافر ہیں وہ اس چیز سے جس سے انھیں ڈرایا جاتا ہے، بے رخی کیے ہوئے ہیں ۲؎ آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ جن چیزوں کو تم پکارتے ہو

۱؎ پس جب یہ متکلم ایسا ہے جو سب پر قادر و غالب بھی ہے اور سب سے بڑا حکیم بھی تو اس کا کلام بہت اہم اور نہایت درجہ قابل غور ہے۔

حٰمٓ اور اس پوری آیت پر حاشیے قریب ہی کی سورتوں میں گزر چکے ہیں۔

الکتٰب۔ یہ نص ہے اس باب میں، علاوہ اسی قسم کے دوسرے نصوص کے، کہ اللہ کی طرف سے جو شے نازل ہوئی ہے، وہ محض معنی و مفہوم نہیں بلکہ پوری ''کتاب'' اپنے لفظ و عبارت کے ساتھ ہوئی ہے۔ نازل ایک مرتب صحیفہ ہوا ہے، اور اس کی ترتیب ہی تو لازمی ترتیب ہے۔

۲؎ کافروں اور منکروں کی اصلی بدبختی یہ ہے کہ وہ حقائق کی طرف توجہ و التفات ہی نہیں کرتے ــــــ اور کفر کا خلاصہ ہے حقائق معاد کی طرف سے اعراض اور بے پروائی۔

عما انذروا۔ ما یہاں مصدریہ ہے، عن انذارھم ذلك اليوم کے معنی میں۔

الجزء السادس والعشرون (٢٦)

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ

اللہ کے سوا، مجھے دکھاؤ کہ انھوں نے کونسی زمین پیدا کی ہے یا یہ کہ ان کا ساجھا

فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیۡتُوۡنِیۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَةٍ مِّنۡ عِلۡمٍ

آسمان میں ہے، میرے پاس کوئی کتاب لاؤ جو اس سے پہلے کی ہو یا کوئی مضمون منقول (معتبر)

آیت سے تین عقیدوں کی تعلیم نکلی اور تین زبردست گمراہیوں کی تردید:۔

(۱) وما خلقنا...... الخ۔ سارے موجوداتِ عالم کا خالق حق تعالیٰ ہے، کوئی شے خود بخود وجود میں نہیں آگئی ہے۔۔۔۔۔ عقیدۂ دہریت وقدامت مادہ وروح وغیرہ کی تردید۔

(۲) إلاّ بالحق۔ ہر شے کسی نہ کسی خاص حکمت یا مقصود کے ساتھ ہی پیدا کی گئی ہے جو خالق کائنات ہے وہ حکیم کل بھی ہے۔۔۔۔ عقیدۂ آفرینش بے مقصد اور بعض اقسام شرک کی تردید۔

(۳) وأجل مسمّی۔ ہر شے فنا پذیر ہے، اور ایک مدتِ متعین ومیعادِ مخصوص ہی کے لیے پیدا کی گئی ہے۔۔۔۔ عقیدۂ معاد کا اثبات اور عقیدۂ مخلوق غیر فانی کی تردید۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توحید ومعاد پر دلائل قائم کر دیے، رسول پر رسول بھیجے، کتابوں پر کتابیں نازل کیں، رسولوں نے آکر ایک ایک تک پیام پہنچایا، ہر شبہ کو دور کیا، یہ سب کچھ ہوا، لیکن جو ہٹ دھرم کافر ہیں، وہ اپنے جمود پر اڑے رہے، انھوں نے غور والتفات ہی کو گناہ سمجھا۔۔۔۔ امام رازیؒ نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ فکر واستدلال سے کام لینا واجب ہے اور کام نہ لینا موجب ملامت۔

وهذا يدل على وجوب النظر والاستدلال، وعلى أنّ الإعراض عن الدليل مذموم في الدين والدنيا. (كبير، ج ٢٨/ص: ٤)

السمٰوات والأرض ومابينهما۔ فقرہ سے مراد محاورۂ قرآنی میں ساری کائنات ہوتی ہے۔

ومابينهما کی تصریح سے اشارہ نکلتا ہے کہ آسمان وزمین کے درمیانی فضا میں بھی بہت کچھ موجودات ہیں، خلائے محض نہیں ہے۔

اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝۴ وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ يَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

اگر تم سچے ہو ۳؎ اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ کے سوا کسی اور کو پکارے

مَنۡ لَّا يَسۡتَجِيۡبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ وَهُمۡ عَنۡ دُعَآئِهِمۡ غٰفِلُوۡنَ ۝۵

جو قیامت تک بھی اس کی بات نہ سنے بلکہ انھیں ان کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو

۳؎ لوگ عموماً اثباتِ توحید پر دلائل قائم کرتے رہتے ہیں، قرآن مجید نے اس سے آگے بڑھ کر اُلٹے مشرکوں سے اثبات شرک پر دلیل کا مطالبہ اور دُہرا مطالبہ کیا ہے۔

أرونــي......السمٰوات۔ اے اہل شرک! ذرا بتاؤ کہ تمھارے دیوی دیوتاؤں کی شرکت خلقت زمین میں یا آسمان میں آخر کس حیثیت سے اور کس حد تک ہے؟ جب تم زمین و آسمان کو بھی اللہ ہی کا مخلوق سمجھ رہے ہو تو یہ تو تم نے تسلیم کر لیا کہ یہ مخلوق معبود نہیں ہو سکتے، بلکہ ان کی معبودیت کی تو عین نفی ان کی مخلوقیت سے نکل آئی، پھر آخر تم شرک پر کس عقلی دلیل کا سہارا پکڑے ہوئے ہو؟ ——— یہ پہلا مطالبہ عقلی دلیل کا ہوا۔

إیتــونــي......من علــم۔ میری لائی ہوئی وحی کو جانے دو، تو اچھا یہی بتاؤ کہ کس پچھلے نوشتۂ آسمانی میں حکم شرک درج ہے؟ ——— رسولؐ کی زبان سے دوسرا مطالبہ نقلی دلیل کا کر دیا گیا۔

أم مرادف ہے ہمزۂ انکاری کے۔

أثرة۔ تنوین اظہارِ تقلیل کے لیے ہے، یعنی کوئی بھی، کچھ بھی۔

التنوین للتقلیل. (روح،ج ۲۶/ص:۶)

یعنی ثبوت کامل نہ سہی، شائبۂ ثبوت سہی۔

أثرة من علم۔ علم، علم حقیقی کے معنی میں ہے، جو حق تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ اثرۃ کے معنی ائمۂ لغت نے بقیہ کے لیے ہیں۔

قال أبو عبیدة والفراء والزجاج "أثارة من علم" أي بقیة. (کبیر،ج ۲۸/ص:۵)

إن کنتم صٰدقین۔ یعنی اگر تم اپنے دعوائے اثباتِ شرک میں صادق ہو۔

محققین عارفین نے آیت سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ دین کے باب میں کوئی بھی دعویٰ بغیر دلیل معتبر کے مسموع نہ ہوگا، یہاں تک کہ دعوائے کشف والہام بھی نہیں۔

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝٦

اور جب سب لوگ اکٹھے کیے جائیں تو وہ ان کے دشمن نکلیں اور ان کی عبادت ہی کے منکر ہو بیٹھیں ۴

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ

اور جب ان لوگوں کے رُوبرو ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جو لوگ کافر ہیں وہ اس سچائی کی بابت جب وہ ان تک پہنچتی ہے تو کہتے ہیں

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ

کہ یہ تو صریح جادو ہے ۵ تو کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس (شخص) نے قرآن گڑھ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ اگر میں نے اسے گڑھ لیا ہے تو تم لوگ

الأرض سے مراد ممکن ہے کہ جملہ سفلیات ہوں۔

يجوز أن يراد بالأرض السفليات مطلقاً ولعله أولىٰ. (روح، ج٢٦/ص:٥)

السمٰوات سے بھی اسی طرح مراد ممکن ہے کہ جملہ علویات ہوں۔

لعل الأولىٰ فيها أيضاً أن تفسر بالعلويات . (روح، ج٢٦/ص:٥)

۴ حاصل یہ کہ جن معبودوں سے تم لو لگائے بیٹھے ہو، ان کی معبودیت کا مقتضا تو کوئی ایک بھی نہیں، البتہ اُن کی عدم معبودیت کے مقتضا ایک چھوڑ کئی کئی موجود ہیں، پھر بھی انھیں معبود سمجھے چلے جانا کتنی بڑی حماقت اور کیسی شدید گمرہی ہے!

کافرین۔ کفر یہاں مطلق انکار و تکذیب کے معنی میں ہے۔

أي مكذبين . (روح، ج٢٦/ص:٧)

جاحدين . (معالم، ج٤/ص:١٩١، جلالين، ص:٦٦٦)

إلى يوم القيامة۔ یعنی کبھی بھی۔ محاورہ ہے اظہار دوام کے لیے، یہ مراد نہیں کہ قیامت کے قبل تک نہ سنیں گے، اور قیامت میں سننے لگیں گے۔

۵ (جو ہم پر موثر ہو جاتا ہے، یعنی حقیقت و حقانیت سے معرا ہے)

قرآن مجید کے متعلق ماضی کے ''روشن خیال'' کی تشخیص یہی تھی، اور حال کے ''روشن خیال'' کی ''تحقیق'' اس سے کچھ بھی زیادہ مختلف نہیں۔ جب وہ یہ کہتا ہے کہ ''موافق ماحول اور مناسب فضا نے محمدؐ کے کلام و پیام کو اس درجہ موثر و کامیاب بنا دیا''۔

لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا

مجھے اللہ سے ذرا بھی بچا نہیں سکتے ۶ وہ خوب جانتا ہے جو جو باتیں تم قرآن کے باب میں بنا رہے ہو، وہی میرے تمہارے

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۸ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ

درمیان کافی گواہ ہے اور وہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحیم ہے ۷ آپ کہہ دیجیے کہ میں رسولوں میں کوئی انوکھا تو ہوں نہیں

آیاتنا بینٰت۔ بینٰت میں صاف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ قرآن مجید کا معارضہ ممکن نہیں، حالانکہ سحر جو اور جیسا بھی ہو، اس کا معارضہ برابر ممکن رہتا ہے۔

قرآن مجید کی نفس تاثیر شدید سے انکار مشرکین عرب کے لیے بھی ممکن نہ تھا، فقط وہ اس کی توجیہ و تاویل دوسری کر لیا کرتے تھے، اور ٹھیک وہی کج نظری آج تک یورپ اور یورپ زدہ حلقوں میں متوارث چلی آرہی ہے۔

۶ (وہ مجھے ایسی شدید جسارت پر یقیناً عتاب میں مبتلا کرے گا)

أم یقولون افترٰہ۔ یعنی یہ کلام میں نے اپنی طرف سے گڑھا، اور پھر اسے منسوب حق تعالیٰ کی جانب کر دیا۔

ابھی ایک تشخیص ''سحر'' بیان ہوئی تھی، اب دوسری تشخیص ''افترا'' بیان ہو رہی ہے ـــــ اور افتراء (ارادی و اختیاری) کا سحر زدگی (اضطراری و غیر ارادی) سے بدتر و قبیح تر ہونا ظاہر ہی ہے۔

أم میں میم صلہ کی ہے، اور أ معنی تعجب انکاری کا دے رہا ہے۔

الميم صلة، ومعنى الهمزة فى "أم" الإنكار والتعجب . (قرطبی، ج۱۶/ص:۱۸۴)

إن افتريته۔ ضمیرہٗ کی جانب ہے، اس سے مراد آیات ہیں۔

والمراد به الآيات . (قرطبی، ۱۶/ص:۱۸۴)

۷ (اپنے عام بندوں کے حق میں)

ھو......فیه۔ اُس پر خوب روشن ہے کہ تم روز روشن سے انکار کیے چلے جا رہے ہو ـــــ اس طرح کے اقوال رسول کی زبان سے بار بار اسی لیے ادا کرائے گئے ہیں کہ مخاطبین کا احساسِ ذمہ داری بیدار رہو، اور زبان پر انکار قرآن خوب سوچنے سمجھنے کے بعد لائیں۔

وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ وَمَآ اَنَا

میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمھارے ساتھ کیا؟ میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے اور میں تو

اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۹ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَکَفَرْتُمْ بِهٖ

صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں ۸ آپ کہیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی طرف سے ہو اور پھر تم اس سے کفر کررہے ہو

وھو الغفور الرحیم۔ سو اب بھی اگر اپنی غلطیوں اور گمراہیوں کا اقرار کرلو تو اس کی مغفرت ورحمت تمھیں اپنے آغوش میں لے لینے کے لیے کھلی ہوئی ہے۔ غفور تائب کے حق میں اور رحیم مومن کے لیے ـــــــ صفات غفرو رحمت کو ایک بار پھر دُہرا دیا کہ یہی اُس کے اصلی اور اساسی صفات ہیں۔ کاش اس طرح کی بکثرت آیات کو وہ مسیحی اہل قلم ذرا آنکھیں کھول کے پڑھ لیتے، جنھوں نے بے دھڑک یہ لکھ دیا ہے کہ اسلام کا خدا ''قہار'' و ''جبار'' ہے!

۸ مَیں اپنے لیے نہ غیب دانی کا مدعی ہوں نہ مافوق الفطرت قوتوں کا۔ جیسے اللہ کے سب بندے، ویسا ہی مَیں بھی، فرق صرف اتنا ہے کہ میرا رشتہ وحیِ الٰہی سے جُڑا ہوا ہے، اور میں توحید اور دین حق کی تبلیغ پر مامور ہوں۔

ما......الرُسُل۔ سلسلۂ نبوت ورسالت تو بہت قدیم ہے۔ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ مجھ جیسے کتنے پیمبر پہلے بھی دنیا میں آچکے ہیں ـــــــ قرآن مجید بار بار زور مسلسل وحی پر دیتا ہے۔

وما......بکم۔ بغیر وحی الٰہی مجھے تو نہ اپنا حشر معلوم نہ تمھارا ـــــــ العظمۃ للہ! جب پیمبر بلکہ سرورِ انبیاء کا یہ حال ہے تو امت میں کسی اور کا کیا ذکر ہے!

جس کے دل میں عظمت توحید ذرّہ برابر بھی ہے، وہ تو اِس آیت کے مضمون پر تھرّا اٹھے گا ـــــــ عدم علم وعدم اطلاع کا تعلق علم قیامت سے ہے۔

یرید یوم القیامة . (قرطبی، ج ۱۶/ص: ۱۸۵)

فی الدارین علی التفصیل . (بیضاوی، ج ۵/ص: ۷۲، روح، ج ۲۶/ص: ۹)

اہل بدعات نے رسولؐ کے علم غیب وغیرہ سے متعلق جو عقیدے گڑھ رکھے ہیں، یہ آیت ان کے حق میں کیسی ضرب کاری ہے!

لا بکم۔ لا معنی نفی کی تاکید کے لیے ہے۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی مِثۡلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسۡتَكۡبَرۡتُمۡ

اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے اور ایمان لے آئے اور تم تکبر ہی میں رہو ۹

ولا لتأکید النفی المشتمل علیٰ ما یفعل بی . (بیضاوی، ج۵/ص:۷۲)

نذیرٌ مبینٌ۔ میرے انذار میں خفا کسی قسم کا بھی نہیں۔

۹ (تو تمھارا انجام کیا ہوگا؟)

یعنی یقین واعتقاد کر کے نہ سہی، بطور فرض واحتمال بھی اگر اسے مان لو کہ یہ قرآن واقعی کتاب الٰہی ہے، اور تم اس سے خواہ مخواہ بھاگ رہے ہو تو ذرا سوچو تو کہ کیسے خسارے میں رہو گے؟

وشھد......مثلہ۔ قرآن مجید نے تو شاھد بصیغۂ واحد کہا، اور صرف ایک ہی متدین وصاحب علم اسرائیلی کی شہادت کو فرض کیا تھا۔ واقعۃً وعملاً تو اس سے بڑھ کر معاملہ رہا، یعنی ایک نہیں متعدد متدین وصاحب علم اسرائیلی قرآن پر ایمان لا کر رہے ——— بنی اسرائیل کا نام اس لیے لیا کہ وہی ایک صاحب کتاب قوم موجود تھی، اور اس قوم کا علم وفضل قریش کو بھی مسلّم تھا۔

شاھدٌ کی تنوین اظہار عظمت وقدر کے لیے ہے۔

والتنوین للتفخیم . (روح، ج۲۶/ص:۹)

شاھد من بنی اسرائیل سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی لی گئی ہے، اور مثلہ سے مراد توریت ہے۔

عن مسروق قال التوراۃ مثل القرآن وموسیٰ مثل محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم .

(ابن جریر، ج۲۲/ص:۱۹٤)

وقال الآخرون: الشاھد ھو موسی بن عمران .(معالم، ج٤/ص:۱۹٤)

جمہور کا قول یہ نقل ہوا ہے کہ شاھدٌ سے اشارہ عبداللہ بن سلام، یہودی عالم سے ہے، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی، لیکن امام شعبی نے کہا ہے کہ سورۃ مکّی ہے، اور عبداللہ بن سلام تو اسلام ہی حضور کی وفات سے کل دو سال قبل لائے تھے۔

قال الشعبی الشاھد ھو من آمن من بنی اسرآئیل بموسیٰ والتوراۃ لأن ابن سلام أسلم قبل وفاۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعامین والسورۃ مکیۃ . (بحر، ج۸/ص:۵۸)

ع ۱

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بے شک اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۱۰ اور یہ کافر ایمان والوں کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن)

لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ

اگر کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ کر جاتے، اور جب ان لوگوں کو ہدایت نصیب نہ ہوئی تو کہنے لگتے ہیں کہ یہ

اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ

وہی پرانی گڑھنت ہے ۱۱ حالانکہ اس کے قبل موسیٰ کی کتاب بھی رہنما اور رحمت تھی اور یہ کتاب

ف ۱۰ (اور بے انصافی میں تم سے بڑھ کر اور کون ہوگا؟)

یہاں اس قانون تکوینی کا اعلان ہے کہ جو لوگ خود اپنی ہدایت نہیں چاہتے، خلوئے ذہن کے ساتھ حقائق پر غور والتفات ہی نہیں کرتے، تو ہدایت ان کے سر زبردستی چیپک بھی نہیں دی جاتی۔ اور اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے مثیل (حضرت محمد مصطفیٰؐ) کے حق میں گواہی دے گئے، اور یہ گواہی توریت میں آج تک لکھی چلی آرہی ہے۔

ف ۱۱ (اور نبوت کے جھوٹے دعوے جس طرح ہمیشہ سے لوگ کرتے آئے ہیں، اُسی طرح کا ایک جھوٹا دعویٰ یہ بھی ہے)

لو ...... الیہ۔ رؤسائے یہود اور سردارانِ قریش دونوں فخر و پندار میں مبتلا، عوام عرب کو اسلام کی طرف بڑھتے دیکھ کر کہتے کہ یہ نیا دین قابل تصدیق ہوتا تو ہمیں نہ سب سے پہلے اس کی طرف بڑھتے؟ تو جب ہم اس کی جانب نہیں بڑھے تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ یہ دین خیر سے خالی ہے۔

وقال الذین کفروا۔ اشارہ رؤسائے یہود اور سردارانِ قریش کی طرف ہے، جو اُس وقت تک انکار و مخالفت پر قائم تھے۔

للذین آمنوا۔ اشارہ عوام عرب کی طرف ہے جو اس وقت تک ایمان لا چکے تھے۔

واذ ...... قدیم۔ آج بھی ''روشن خیال'' نورِ ہدایت سے محروم ہیں، وہ نبوت کو ایک قدیم و متوارث ''شعبۂ جنون'' ہی کہنے پر مُصر ہیں۔

مُصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾

اس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تاکہ ظالموں کو ڈرائے ۱۲ اور نیک لوگوں کے حق میں بشارت ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (اس پر) قائم رہے سو اُن لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ

۱۲ تو یہ بہت قدیم جھوٹ نہیں، بہت قدیم سچ ہے ــــ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت جو اپنے وقت میں اپنی قوم کے لیے رہنما اور باعثِ رحمت تھی، یہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے۔

ھذا ...... للمحسنین۔ یعنی یہ قرآن مصدق وواضح، منکرین کے حق میں نذارت کا اور مطیعین کے حق میں بشارت کا کام دینے والا۔

الذین ظلموا۔ ظلم یہاں بھی کفر کے معنی میں ہے۔

أی کفروا . (مدارک، ص:۱۱۲٦)

یعنی مشرکی مکة . (معالم، ج٤/ص:۱۹٥)

أی الکفار عبّاد الأصنام عبث وضعوا العبادة فی غیر من یستحقّه . (بحر، ج۸/ص:٥۹)

قبله۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔

أی من قبل القرآن . (معالم، ج٤/ص:۱۹٥)

للمحسنین۔ المحسنین سے مراد صاحب عمل مسلمان ہیں۔

للمؤمنین المطیعین . (مدارک، ص:۱۱۲٦)

لفظ احسان یہاں ظلم کے مقابلے پر لایا گیا ہے، اور جس طرح ظلم سے یہاں مراد کفر ہے، احسان مرادف ہے ایمان کے۔

لساناً عربیاً میں اشارہ کلام مجید کی فصاحت ووضاحتِ بیان کی طرف بھی آ گیا۔ کلام عربی کے معنی کلام فصیح کے بھی ہیں۔

أعرب الشیئ أی أبانه وأعرب کلامه أی حسّنه وأفصح.

ملاحظہ ہو سورۂ یوسف کے شروع میں قرآناً عربیاً پر حاشیہ۔

يَحْزَنُوْنَ ⑬ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

غمگین ہوں گے، یہی لوگ تو اہل جنت ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے بعوض ان کاموں کے جو وہ کرتے

يَعْمَلُوْنَ ⑭ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا

رہتے تھے ۱۳؎ اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتا رہے، اُس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا

وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ

اور بڑی مشقت کے ساتھ اُسے جنا، اور اس کا حمل اور اس کی دودھ چھڑائی تیس مہینوں میں ہو پاتی ہے ۱۴؎ یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری

۱۳؎ جن لوگوں نے صدق دل سے اللہ کی توحید کا اقرار کیا اور پھر اُسے چھوڑا نہیں، آخر وقت تک اسی عقیدے پر قائم رہے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں نہ کوئی خوف وہراس ہوگا اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے لیے جنت ہی جنت ہے، چین ہی چین ہے اور یہ سب ان کے حسن عمل کا صلہ ہوگا۔

ثم استقاموا۔ اقرارِ توحید کے بعد پھر اُس پر قائم وثابت قدم رہنا اور ہر آزمائش میں پورے اترتے رہنا بہت بڑی چیز ہے اور مدح خاص کی مستحق ـــــ عین جس وقت ان سطروں پر نظر ثالث ہو رہی ہے (۱۹۵۵ء میں) ہندوستان یا بھارت میں آیت کے اس جز کی قدر چند سال سے خاص طور پر ہو رہی ہے!

سورۂ حٰم السجدہ (آیت: ۳۰) میں بھی یہی مضمون ایک آیت میں آچکا ہے۔

لا خوف علیھم۔ ’’خوف‘‘ کا تعلق مستقبل سے ہے۔

ولا ھم یحزنون۔ ’’حزن‘‘ کا تعلق حال وماضی سے ہے۔

۱۴؎ (علی العموم اور اکثر)

مدت حمل، ۶ ماہ کم سے کم ہے، اور مدت رضاعت ۲ سال زیادہ سے زیادہ ہے۔ یہ ملا کر کل ۳۰ مہینے ہو گئے ـــــ یا یہ حساب رکھا جائے کہ طبعی مدتِ حمل ۹ مہینے اور طبعی مدتِ رضاعت ۲۱ مہینے، کل ڈھائی برس یوں بھی ہو گئے۔

اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ

پختگی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس سال کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے اس پر مداومت دے کہ تیری نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہوں جو

اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ

تو نے مجھ کو اور میرے والدین کو عطا کی ہیں اور اس پر کہ میں نیک عمل کرتا رہوں کہ تو خوش ہو اور میری اولاد میں بھی میرے لیے

فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

صالحیت پیدا کر دے، میں تیرے جناب میں توبہ کرتا ہوں، اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں ۱۵ یہی وہ لوگ ہیں کہ

سورۂ لقمان (آیت:۱۴) میں بھی ایک آیت اسی مضمون کی آچکی ہے۔

وفصاله۔ فصال سے مراد ختم مدتِ رضاعت ہے۔

وعبر عن مدة الرضاع بالفصال۔ (بحر، ج۸/ص:۱۱۲۶)

ووصّينا......إحساناً۔ سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۲۳) میں ایک آیت اسی قسم کی گزر چکی ہے۔

حملته......وضعته كرهاً۔ ماں کی خدمت کی اہمیت خصوصی اس کی ان مصیبتوں سے واضح ہے جو اُسے حمل و وضع حمل کے سلسلے میں جھیلنی پڑتی ہیں، ان حقائق کی طبی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

حملته......وضعته كرهاً۔ احسان یا حسن سلوک کا حکم والدین یا ماں باپ دونوں کے حق میں ہے، باقی والدہ کے حق میں یہ حکم اور اخص ہے، اس لیے ماں کی مشقت در مشقت کو کھول کر بیان کر دیا ہے ــــــ ضمناً یہ بھی نکل آیا کہ جس مخلوق پر طبعاً وفطرتاً ان مشقتوں کا بار ہے، اس کو زندگی کی دوڑ میں مرد کے بالکل برابر (جو اس مشقت وتعب سے آزاد ہے) لا کھڑا کرنا کہاں کا انصاف ہے؟

۱۵ حاصل یہ نکلا کہ جو بندہ سعید ہوتا ہے، وہ اللہ کے براہِ راست حقوق تو ادا کرتا ہی ہے اور ساتھ ہی بندوں کے حقوق بھی درجۂ کمال میں پہچانتا ہے، اور انھیں بندوں کے حقوق میں ایک بڑا افضل واشرف حق والدین کی اطاعت وخدمت گزاری ہے، چنانچہ بندۂ سعید دن رات اپنی عبدیت کے اقرار اور عبادت کے عزم واہتمام میں لگا رہتا ہے۔

إذا بلغ أشده۔ یعنی نشو ونما پا کر پورا مرد ہو جاتا ہے۔ مختلف مفسرین وفقہاء نے اس کے لیے مختلف عمریں ٹھہرائی ہیں: کسی نے ۱۸ سال، کسی نے ۲۵ سال، کسی نے ۳۰ سال، کسی نے کچھ اور، لیکن

نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِیْٓ

ہم ان کے اچھے اچھے عمل کو قبول کریں گے اوران کے گناہوں سے درگزر کریں گے (یہ)

اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِیْ قَالَ

اصحاب جنت میں سے (ہوں گے) اس سچے وعدے (کی بنا) پر جس کا ان سے وعدہ کیا جاچکا تھا ۱۶ اور جس شخص نے اپنے

سب سے زیادہ محقق قول اس باب میں تابعی حسن بصری کا ہے، جنھوں نے فرمایا کہ بس جس عمر میں انسان اپنے اعمال کا پوری طرح ذمہ دار ہوجائے اوراس پر حجت قائم ہوجائے، وہی اس کی عمر کا اشد ہے۔

قال الحسن أشده قيام الحجة عليه . (جصاص، ج۳/ص:۳۹)

وبلغ أربعين سنة۔ قوائے عقلی اپنے حدِکمال اور پختگی پر چالیس سال کی عمر میں جاکر پہنچتے ہیں۔

وأصلح لي في ذريتي۔ یعنی میری اولاد کو بھی توفیق خیر دے اور محل صالحیت بنادے۔

أي اجعل ذريتي موقعاً للصلاح ومظنة له . (مدارك، ص:۱۱۲٦)

أي اجعل الصلاح سارياً في ذريتي راسخا فيهم . (روح، ج۲٦/ص:۱۹)

كأنه قال هب لي الصلاح في ذريتي . (بحر، ج۸/ص:٦۱)

صالح اولاد بھی حق تعالیٰ کی اعلیٰ ترین نعمتوں میں سے ہے ــــــ بڑے بڑے کاملین ومقبولین اس کی دعائیں مانگتے اوراس کی آرزو کرتے رہتے ہیں، اس سے شرماتے نہیں۔

إني من المسلمين۔ ’’مسلم‘‘ کا لقب ان حضرات اہل جنت کے شرف وافتخار کے لیے بالکل کافی ہے، یہ اور بڑھ بڑھ کر دعویٰ نہیں کرتے، صرف اپنے تائب اور مسلم ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

۱٦ (دنیا میں)۔

في أصحب الجنة۔ في کے معنی مع کے بھی لیے گئے ہیں۔

قيل في بمعنى مع (بحر، ج۸/ص: ٦۱)

وعد الصدق۔ وہ سچا وعدہ یہی کہ حسنِ عمل کے اجر بہت بڑے بڑے ہیں۔

ونتجاوز عن سيئاتهم۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بیسیوں بار آچکی ہے، اور یہاں ایک بار پھر اسی کا اعادہ ہے کہ بڑے بڑے کاملین اور مقبولین بھی گناہوں سے خالی نہیں ہوتے، ان کے

لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَآ أَتَعِدَانِنِيٓ أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ

ماں باپ سے کہا کہ تُف ہے تم پر، کیا تم مجھے یہ خبر دیتے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا، دراں حالیکہ مجھ سے پہلے (بہت سی) امتیں

مِن قَبْلِي ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ اللَّهَ وَيْلَكَ آمِنْ ۚ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ

گزر چکی ہیں ۱۷ اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں (اور اس سے کہہ رہے ہیں) ارے تیری کمبختی تو ایمان لا، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے ۱۸

گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، ان کی خطاؤں سے درگزر کر دی جاتی ہے۔ اگر سیئات کا وجود ہی سرے سے نہیں ہوتا تو درگزر یا معافی ہی کس چیز سے ملتی ہے؟

آیت کی زَد فرقۂ خوارج پر بھی پڑتی ہے، جن کے نزدیک ہر مومن کو عملاً معصوم ہی ہونا چاہیے۔

الذی سے مراد وعدے کی جنس ہے۔

والمراد بالذی الجنس . (بحر، ج۸/ص:۶۱)

۱۷ (اور کسی کے بھی مشاہدے و تجربے میں یہ مُردوں کا دوبارہ زندہ ہونا نہ آیا)

ذکر یہاں کافر اولاد کا ہے۔ حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں سے یکساں غافل۔ ایسی اولاد بجائے اطاعت و خدمت والدین کے دعوتِ اسلام پر اُلٹ کر یہ جواب دے رہی ہے، اور بکمال ''روشن خیالی'' کہتی ہے کہ قیامت کا بس ذکر ہی ذکر سنتے چلے آئے ہیں، آج تک تو کسی مُردے کو زندہ ہوتے دیکھا یا سنا نہیں ــــــ مادیین منکرین آخرت کے دعوے پر خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے، اس کا ماحصل سوا اس کے اور ہے کیا!

اُفٍّ لکما۔ و لاتقل لھما اُف پر حاشیہ سورۂ بنی اسرائیل (آیت:۲۳) میں ملاحظہ ہو۔

یہ کہنے والی اولاد نا خلف کافر اولاد ہو گی۔

والصحیح أنھا نزلت فی کافر عاق لوالدیه، قاله الحسن وقتادة . (معالم، ج۴/ص:۱۹۶)

قال الحسن وقتادة ھو الکافر الفاجر العاق لوالدیه المکذب بالبعث. (ابن کثیر، ج۴/ص:۱۴۴)

۱۸ (تو توحید کی طرح تو روز جزا پر بھی اعتقاد رکھ)

وھما یستغیثٰن اللہ ۔ نالائق اولاد کے کفر و بے دینی سے گھبرا کر مومن والدین حق تعالیٰ سے فریاد کر رہے ہیں ــــــ نئی نسل سے متعلق کتنے تجربے اسی قسم کے پُرانی نسلوں کو نہیں ہوتے رہتے ہیں!

فَيَقُولُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ حَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ

تو (اس پر) وہ کہتا (کیا) ہے کہ یہ تو بس اگلوں کے ڈھکوسلے ہیں ۱۹ یہی وہ لوگ ہیں کہ اُن کے حق میں ان لوگوں کے ساتھ (اللہ کا)

فِيۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا

قول پورا ہوکر رہا جو ان سے قبل جنات اورانسانوں میں گزر چکے ہیں، بے شک یہ لوگ

خٰسِرِيۡنَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمۡ اَعۡمَالَهُمۡ

خسارے میں رہے ۲۰ اور ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے مطابق (الگ الگ) درجے ہیں تاکہ (اللہ) ان کے اعمال کی جزا پوری دے

وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَيَوۡمَ يُعۡرَضُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا عَلَى النَّارِ ؕ اَذۡهَبۡتُمۡ

اوران پر ظلم (کسی طرح کا بھی) نہ ہوگا ۲۱ اور جس روز کافر لوگ آگ کے سامنے لائے جائیں گے کہ تم اپنی لذت کی چیزیں

۱۹ (حق وصداقت سے خالی)

ھذا۔ یعنی یہی وعدۂ آخرت وعذاب آخرت۔

ماھذا إلا أساطیر الأولین۔ یعنی یہ کیا وہی افسانہائے کہن شروع کردیے!۔۔۔۔ ٹھیک وہی نعرہ جو آج بھی کتنے "روشن خیالوں" کے حلق سے مذہب کے خلاف نکل رہا ہے!

۲۰ (جس کا پورا انکشاف جا کر آخرت میں ہوا)

القول سے مراد یہی وعید گرفت وعذاب ہے۔

کلمة العذاب . (معالم، ج ٤/ص: ١٩٦)

أی قول الله تعالیٰ أنه یعذّبهم فی أمم . (بحر، ج ٨/ص: ٦١)

من الجن۔ جنات پر حاشیے پہلے گزر چکے۔

۲۱ اور حشر کی عدالت کے فیصلے رتی رتی حق وعدل پر مبنی ہوں گے۔ ظلم، زیادتی، دھاندلی کا گزر ہی کہیں نہ ہوگا۔

ولکلٍ...... عملوا۔ ان درجات میں دوزخ اور جنت دونوں کے درجے آگئے۔ اور کل کے تحت میں جنس مومن اور جنس کافر دونوں آگئیں۔

طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ

(سب) دنیا ہی میں حاصل کر چکے اور ان کا خوب مزہ اٹھا چکے ٢٢ سو آج تمھیں ذلت کی

عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا

سزا دی جائے گی اس لیے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس لیے کہ

ع٢ كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝٢٠ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ

تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے ٢٣ اور آپ (ان سے) ذکر کیجیے قوم عاد کے بھائی کا جب کہ انھوں نے اپنی قوم کو ڈرایا

لیوفیھم۔ ل تعلیل کا ہے، یعنی یہ قیام حشر اور ہر ایک کا اس کے حسب استحقاق درجہ، سب اسی لیے ہوگا کہ ہر ایک کے حق میں عدل پورا پورا ہو جائے۔

وھم لایظلمون۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ مومن کا اجر خواہ مخواہ کچھ گھٹا دیا جائے، یا کافر کا عذاب خواہ مخواہ کچھ بڑھا دیا جائے۔

ف٢٢ (یہاں تک کہ ان میں منہمک و مستغرق ہو کر اپنے انجام اور اپنے خالق کو بھی بالکل بھلا بیٹھے)

واستمتعتم۔ استمتاع سے یہاں مطلق استمتاع لذات مراد نہیں کہ وہ ہرگز ممنوع یا مذموم نہیں، بلکہ صرف وہ استمتاع لذات مراد ہے جو آخرت فراموشی اور خدا فراموشی کی طرف لے جائے، اور جس میں حلال و حرام کا کوئی امتیاز ہی نہ باقی رہ جائے۔

أذھبتم......الدنیا۔ یعنی اس طرح اوندھے منہ تم ان دنیوی و مادی لذتوں پر جھکے اور گرے کہ اب عالم آخرت میں عیش سرمدی و راحت ابدی سے لطف اٹھانے کی اپنے میں صلاحیت ہی باقی نہ رکھی ـــــ آیت میں بڑی عبرت ہے اُن لوگوں کے لیے جو موجودہ فرنگی اور "ترقی یافتہ" قوموں کی طرح دنیا اور لذاتِ دنیوی ہی کو اپنی زندگی کا مقصود اور اپنی سعی کا منتہا بنائے ہوئے ہیں!

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے دلالت زُہد پر نکلتی ہے، نیز اس طرف اشارہ کہ لذاتِ دنیوی میں توسع موجب خطر ہے، مگر مطلقاً نہیں بلکہ حب معاصی کے ساتھ۔ (تھانوی، ج ٢/ص: ٥٢٢)

ف٢٣ غرض یہ کہ عذاب جو کچھ بھی ہوگا، انسان کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہی ہوگا۔

بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوٓا

ریگ کے تودوں (کی زمین) میں ۲۴؎ اور ان سے پہلے اور ان سے پیچھے بھی ڈرانے والے گزر چکے ہیں، اس بات سے کہ اللہ کے سوا

فـی الأرض کی تصریح سے اشارہ یہ نکلا کہ اللہ کی بنائی اور بسائی ہوئی زمین پر چلنا پھرنا، رہنا بسنا اور پھر زمین کے فاطر و پروردگار سے تکبر و بغاوت کرنا اور بھی مذموم ہے۔

تستکبرون ۔ مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہاں استکبار سے مراد استکبار عن الایمان ہے کہ عذاب خلود اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۵۲۲)

بغیر الحق۔ کبر و استکبار تو بجائے خود ناحق ہمیشہ ہی ہوگا، قید کے اضافہ سے مراد یہ ہے کہ یہ کبر خود تمھارے بشری معیار سے بھی بیجا اور بالکل باطل تھا ـــــــــــــ ایمان و طاعت سے بے نیاز ہو کر محض دنیوی ترقیوں اور یہیں کے سامانِ فلاح و بہبود پر ناز کرتے رہنا، کس درجہ جہل و نادانی ہے!

۲۴؎ الأحقاف کے لفظی معنی ریگ کے مستطیل تودوں کے ہیں۔

جمع الحِقْف أی الرمل المائل . (راغب، ص:۱٤۱)

وهی المستطيل المعوج من الرمال، وقال ابن زيد: هی مااستطال من الرمل كهيئة الجبل . (معالم، ج٤/ص:۲۰۰)

عرب قدیم کے لوگ ایسے مقامات پر بستیوں اور آبادیوں سے ناآشنا نہ تھے۔

یہ عرب جنوب کے اس طویل علاقے کا نام ہے جو شرقاً غرباً عمان سے یمن تک، اور شمالاً جنوباً نجد سے حضر موت تک، ۳ لاکھ مربع میل کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے، اس وسیع خطے کے مغربی حصے کی زمین سرخ رنگ کی ریگ کی ہے، اور یہی علاقہ الأحقاف کہلاتا ہے، ملاحظہ ہو، تفسیر انگریزی۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے جدید ایڈیشن میں ہے کہ جدید جغرافیہ نویسوں کی تحقیق میں الأحقاف کا علاقہ رملہ یا الربع الخالی کے سارے علاقے کے مرادف ہے، نہ کہ اُس کے صرف مشرقی حصے کے، یا شمالی ریگستان کے۔ (جلد اول، ص:۲۵۷)

أخـا عـاد۔ یعنی حضرت ہودؑ پیغمبر، جن کی قوم کا مسکن بھی یمن کے تودے تھے، اور یہ لوگ اونچے ستون بنائے رہتے تھے۔

اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا

کسی کی عبادت مت کرو، مجھے تمھارے لیے اندیشہ ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا ہے ۲۵ وہ لوگ بولے تو کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو

لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۲﴾

کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دو، تو ہم پر لا واقع کرو (وہ عذاب) جس کا تم ہم سے وعدہ کر رہے ہو، اگر تم سچے ہو ۲۶

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۫ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ

انھوں نے فرمایا کہ (یہ) علم تو بس اللہ ہی کو ہے، میں تو تمھیں وہی پہنچاتا ہوں جس کا پیام دے کر مجھے بھیجا گیا ہے، البتہ تمھیں کو دیکھتا یہ ہوں

قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا

کہ تم لوگ نری جہالت کی باتیں کر رہے ہو ۲۷ پھر جب ان لوگوں نے بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتے دیکھا تو بولے کہ یہ تو

وكان هودٌ وقومه ينزلون الأحقاف من رِمال اليمن، وكانوا أهل عمد.

(لسان، ج۹/ص:۱۱٤)

قوم عاد اور مسکن عاد پر حاشیے سورۃ الاعراف (آیت:٦۵) میں گزر چکے۔

۲۵ یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ دعوتِ توحید کوئی نرالی اور انوکھی چیز تو ہے نہیں، حضرت ہودؑ سے پہلے بھی اس کی تبلیغ بار بار ہو چکی تھی اور اس کے بعد سے بھی برابر ہوتی چلی آئی ہے، حضرت ہودؑ سے بھی عرب خوب واقف تھے۔

۲٦ اس قوم نے بھی حسب معمول دعوت کی اصل خوبیوں پر غور ہی نہ کیا، بلکہ اُس دعوت کو اپنے رواجی پیمانے سے ناپ کر اس سے بے تحاشا انکار ہی شروع کر دیا۔

قوم عاد اپنے زمانے کے ایک بڑے زبردست تمدن کی مالک تھی، اس نے وہی جواب دیا، جو آج بھی ''مہذب و متمدن'' قوموں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔

۲۷ حضرت ہودؑ نے فرمایا کہ تم عجب اُلٹے پلٹے مطالبے مجھ سے کر رہے ہو، میرا کام تو صرف عقائد صحیح کی تبلیغ ہے، یعنی توحید، رسالت و عقیدۂ معاد، تو اُن کی صداقت و معقولیت پر مجھ سے جتنی چاہو گفتگو کر لو، باقی مجھے یہ چیلنج دے کر کہ اگر میں سچا ہوں تو تمھارے سر پر ابھی قیامت لا کھڑی کروں، تم اپنی ہی بے مغزی و کج فہمی کا مظاہرہ کر رہے ہو!

عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۴

بادل ہے جو ہم پر برسے گا نہیں بلکہ یہ تو وہ ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے، (یعنی) ایک آندھی جس میں دردناک عذاب ہے

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ

وہ ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے ہلاک کردے گی، چنانچہ وہ ایسے ہوگئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دیکھنے کو نہ رہا، ہم مجرم قوم کو

نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۲۵ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ

یوں ہی سزا دیا کرتے ہیں ۲۸ اور ہم نے ان لوگوں کو جو قدرت دی تھی وہ قدرت تم لوگوں کو نہیں دی

إنما العلم عندالله۔ یعنی قیامت کے متعلق تفصیلات و جزئیات کا علم کہ وہ کب آئے گی؟ کس وقت آئے گی؟ وغیرہا، تو یہ تو صرف حق تعالیٰ ہی کے علم میں ہے، نہ کہ میرے علم میں۔

لا عندِیْ. (قرطبی، ج۱٦/ص:۲۰۵)

قوماً تجهلون۔ جہل و جہالت کا اردو میں ایک مفہوم یہ بھی چلا ہوا ہے کہ وہ ناخواندگی کا مرادف اور حرف شناسی کی ضد ہے، عربی کے تجهلون کو اس مفہوم سے کوئی واسطہ نہیں، عربی میں اس کا مفہوم ہے نادانی اور بے مغزی کی باتیں کرنا، ضد یا نفسانیت کی بنا پر قبولِ حق سے اغماض کرنا، اور جاہلی مشرکانہ طریق زندگی پر اڑے رہنا۔

أی لاتعقلون ولاتفهمون. (ابن کثیر، ج٤/ص:۱٤٥)

من حیث إنكم بقیتم مصرّین علی كفركم وجهلكم. (کبیر، ج۲۸/ص:۲٤)

أی عاقبة أمركم لاشعور لكم بها. (بحر، ج۸/ص:٦٤)

۲۸ قوم عاد کی تباہی کا ذکر ہے کہ پہلے تو وہ لوگ بدلی سی اٹھتی ہوئی دیکھ کر خوش ہوئے اور سمجھے کہ بارش کا بادل ہے، کچھ ہی دیر بعد معلوم ہوگیا کہ نہیں وہ تو عذاب کا طوفان ہے۔

أودیتهم۔ وادی کے لفظی معنی اس نشیب کے ہیں جس میں پانی جمع ہوجائے۔

تُدَمِّر ...... مسٰكنهم۔ یعنی نہ کوئی انسان زندہ بچا، نہ کوئی حیوان، نہ ان کی وہ عالی شان، آراستہ و پیراستہ عمارتیں ہی باقی رہیں، صرف اُجڑے ہوئے اور گرے پڑے مکان اور کھنڈر باقی رہ گئے۔

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ

اور ہم نے ان کو کان اور آنکھیں اور دل دیے تھے، سو نہ ان کے کان ان کے ذرا بھی کام آئے

وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل، جب کہ وہ لوگ اللہ کی آیتوں کے خلاف ہٹ کرتے رہے

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۲۶ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ

اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی کیا کرتے تھے اسی نے ان کو آگھیرا ۲۹ؔ اور ہم نے تمھارے گرد وپیش کی (اور) بستیوں کو بھی غارت کر دیا

کل شیئ سے مراد جمیع اشیا نہیں، بلکہ اکثر اشیاء ہیں۔

وقد تستعمل للتكثير والمبالغة نحو تدمر كل شيئ بأمر ربها أى كثيراً.

(أقرب، ج ۲/ص: ۱۰۹۹)

ملاحظہ ہو سورۃ النحل (آیت ۶۹) کا حاشیہ ۱۰۰، نیز سورۃ النمل (آیت ۲۴) کا حاشیہ ۳۰

كذلك ...... المجرمين۔ عام قانونِ الٰہی کا بھی اعلان کر دیا گیا کہ یہ غیبی ہلاکت عادی مجرموں اور نافرمانوں ہی کے نصیب میں آتی ہے اور اس میں کوئی تخصیص قوم عاد کی نہ تھی، جو قوم بھی نافرمانی کرے گی اسی سزا کی مستحق ہو جائے گی۔

بأمر ربها۔ اس تصریح نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ آندھی میں خود کوئی اختیار نہ تھا، نہ کوئی الگ دیوتا ہوا اور آندھی کا ہے، بلکہ یہ جو کچھ بھی پیش آیا، تمام تر پروردگارِ عالم ہی کے حکم سے پیش آیا۔

۲۹ؔ یعنی جب اُن کی، جو تم سے کہیں زیادہ صاحب اقتدار و مالک جاہ و حشم تھے، کوئی عقلی تدبیر اور مادی قوت انھیں اس انجام سے نہ بچا سکی تو تم کب تک عذابِ الٰہی سے بچے رہ سکتے ہو!۔۔۔۔ چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کا عرب، قوم عاد و قوم ثمود کے آغاز و انجام سے خوب واقف تھا، اس لیے اس کے سامنے ان قوموں کی مثالیں خاص طور پر مؤثر تھیں۔

ولقد ...... فيه۔ یعنی جو تہذیبی و تمدنی عروج انھیں حاصل تھا وہ تمھیں کہاں نصیب!

من السعة والبسطة وطول الأعمار وسائر مبادى التصرفات. (روح، ج ۲۶/ص: ۲۷)

من قوة الأبدان وطول العمر وكثرة المال. (معالم، ج ٤/ص: ۲۰۱)

مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ

اور (اپنی) نشانیاں بھی پھیر پھیر کر بیان کردی ہیں کہ شاید وہ باز آجائیں ۳۰ سو ان کی مدد ان لوگوں نے کیوں نہ کی

وجعلنا......افئدة ۔ یعنی ہر قسم کی جسمی وعقلی صلاحیتیں انھیں حاصل تھیں۔

ای آلات الدرك والفهم . (مدارك،ص:۱۱۲۹)

والمعنى أنا فتحنا عليهم أبواب النعم . (كبير، ج۲۸/ص:۲۵)

آیت سے بقاعدۂ عبارۃ النص یہ بھی نکلا کہ انسان کو مادی وعقلی جتنی بھی صلاحیتیں اور قوتیں عطا ہوئی ہیں، وہ اسی لیے ہیں کہ انھیں رضائے الٰہی کے کاموں میں لگایا جائے ـــــ اور جو لوگ یہ نہیں کرتے، بلکہ اپنی عقلی وحسی قوتوں کو اللہ کی نافرمانی میں لگائے رہتے ہیں، انجام کاران کے آڑے کوئی چیز نہیں آسکتی۔

من شيئ۔ یعنی کچھ بھی۔ من زائدہ تاکید نفی کے لیے، اور شیئ کی تنوین تقلیل کے لیے ہے۔

من مزيدة للتوكيد والتنوين للتقليل . (روح، ج۲۶/ص:۲۸)

یجحدون۔ جحد کے مفہوم میں وہ انکار داخل ہے جو ضد اور ہٹ پر مبنی ہو، یعنی آدمی دل سے تو قائل ہو جائے، پھر بھی ضد کی بنا پر انکار کیے چلا جائے۔

الجحود نفي ما في القلب إثباته وإثبات مافي القلب نفيه . (راغب،ص:۱۰۰)

۳۰ (کفر وشرک اور تکذیب رسولؐ سے)

ولقد......القرىٰ۔ یہ اہلاک اسی جرم کفر وتکذیب کی پاداش میں ہوا تھا۔

ماحولكم من القرىٰ۔ اطرافِ عرب کی مشہور متمدن وہلاک شدہ قومیں قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط وغیرہ تھیں، جو یمن، عمان، عراق عرب، شام وفلسطین میں آباد تھیں۔

لکم میں ضمیر جمع مخاطب سے مراد اہل عرب ہیں، جو قرآن مجید کے مخاطب اول تھے۔

وصرّفنا الآيات۔ یعنی ان کے ہلاک کرنے سے قبل بطور فہمائش وتنبیہ انھیں بار بار آگاہ بھی کیا گیا۔ آیات کے تحت میں ہر قسم کے دلائل وشواہد آگئے۔

أى كرّرنا عليهم الحجج وأنواع العبر . (مدارك،ص:۱۱۲۹)

اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ

جنھیں انھوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھا تھا تقرب کے لیے، وہ تو اُلٹے ان سے غائب ہوگئے، اور یہ محض ان کی تراشی ہوئی

وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ

اور گڑھی ہوئی بات تھی ۳۱ اور (اس وقت کا ذکر کیجیے) جب ہم جنات کی ایک ٹولی کو آپ کی طرف لے آئے جو قرآن

الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ

سننے لگے تھے، غرض جب وہ لوگ آپ کے پاس آپہنچے تو کہنے لگے کہ خاموش رہو ۳۲ پھر جب وہ ختم ہو چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس

أی الحجج والدلائل والعظات. (بحر، ج۸/ص:۶۶)

لعلّهم یرجعون۔ مقصود یہ تھا کہ وہ لوگ اپنے کفر وشرک سے باز آجائیں، پھر بھی وہ باز نہ آئے، انھیں حرکتوں پر مصر رہے اور بالآخر ہلاک ہوئے۔

۳۱ یعنی کہیں واقع میں وہ شفیع یا معبود یا صاحب تصرف تھوڑے ہی تھے، یہ تو محض جاہلی مذہب والوں نے افسانے گڑھ رکھے تھے۔

إفك سے اس مشرکانہ عقیدے کی کامل تردید ہوگئی کہ خدائی بھی کوئی تدریجی درجہ بندی کی چیز ہے، اور ایک معبودِ اعظم کے ماتحت چھوٹے چھوٹے دیوی، دیوتا اور بھی ہوتے ہیں۔

الـذیـن......آلهة۔ یعنی انھوں نے ان ہستیوں کو معبود اس غرض سے تراش رکھا تھا کہ وہ آڑے وقت کام آئیں گی۔

قربـانـاً۔ انھیں مستقل خدا یہ مشرکین بھی نہیں سمجھتے تھے، تقربِ الٰہی اور وصول إلی اللہ ہی کی غرض سے انھیں عملاً وہ مرتبہ دیے ہوئے تھے، جو خدا ہی کا ہوتا ہے۔

۳۲ (اور غور اور ادب سے اس کلام کو سنو)

شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قیامِ مکہ کے زمانے میں طائف تبلیغ دعوت کے لیے تشریف لے گئے تھے، اور بظاہر وہاں سے بالکل ناکام اور شکستہ خاطر واپس آرہے تھے، شب کے وقت مقامِ نخلہ میں آپ قرآن مجید نماز میں

مُنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى

ڈرانے کے لیے گئے ٣٣ کہنے لگے اے ہمارے قوم والو! ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٠﴾

جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور حق اور راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ

اے ہماری قوم والو! کہنا مانو اللہ کی طرف بُلانے والے کا، اور اس پر ایمان لے آؤ، اللہ تمھارے گناہ معاف کردے گا

وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣١﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ

اور تمھیں محفوظ رکھے گا عذاب دردناک سے ٣٤ اور جو کوئی اللہ کی طرف بُلانے والے کا کہنا نہ مانے گا، تو وہ زمین میں کہیں بھی (اللہ کو)

باآواز بلند پڑھ رہے تھے کہ جنات کی ایک جماعت کا ادھر سے گزر ہوا اور وہ قرآن سننے لگے۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف (رکوع: ٢٤) کے حاشیے۔

حضروہ۔ یعنی قرآن پڑھے جانے کے موقع پر آ گئے۔

نفراً من الجن۔ نفر کا اطلاق صرف چھوٹی سی جماعت پر ہوتا ہے، تین سے لے کر دس افراد تک۔

عدة رجال من ثلاثة إلىٰ عشرة . (جوهرى، ج ٢/ص: ٨٣٣)

اور دس سے زائد پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

ولا يقال نفر فى مازاد العشرة من الرجال . (أقرب، ج ٢/ص: ١٣٢٨)

ملاحظہ ہو حاشیہ ١ سورۂ جن۔

٣٣ یعنی قرآن کی اہمیت سے مطلع کرنے اور اس کے احکام کی نافرمانی کے نتائج سے خبردار کرنے کے لیے۔

٣٤ آیت اس باب میں تو صاف وصریح ہے کہ جنات ایمان لے آنے کے بعد عذابِ الٰہی سے بچ جائیں گے، لیکن اس باب میں ناطق وصریح نہیں کہ ایمان لانے پر جنت میں بھی داخل ہو جائیں گے، اُن کے دخولِ جنت کے باب میں خاموشی ہے، امام ابوحنیفہؒ سے اسی غایت

فِى الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

نہیں ہرا سکتا، اور نہ اللہ کے سوا کوئی حامی ہوگا، یہی لوگ تو صریح گمراہی میں (پڑے ہوئے) ہیں ۳۵

احتیاط کی بنا پر جنات کے دخولِ جنت کے بارے میں سکوت وتوقف منقول ہے۔

قال أبو حنيفة لا ثواب لهم إلا النجاة من النار لهٰذه الآية . (مدارك،ص:۱۱۳۱)

وقال النسفي في التيسير توقف أبو حنيفة في ثواب الجن في الجنة ونعيمهم لأنه لااستحقاق للعبد على الله تعالىٰ ولم يقل بطريق الوعد في حقهم إلا المغفرة والاجارة من العذاب، وأما نعيم الجنة فموقوف على الدليل . (روح،ج۲٦/ص:۳۳)

البتہ دوسرے ائمہ نے جنات کے مستحق جنت ہونے کو بلا تامل تسلیم کرلیا ہے۔

قال النووي في شرح مسلم والصحيح أنهم يدخلونها ويتنعمون فيها بالأكل والشرب وغيرهما، وهذا مذهب الحسن البصري ومالك بن أنس والضحاك وابن أبي ليلى وغيرهم . (روح،ج٤/ص:۱٥۳)

وقال مالك وابن أبي ليلى وأبويوسف ومحمد رحمهم الله لهم الثواب والعقاب وعن الضحاك أنهم يدخلون الجنة ويأكلون ويشربون . (مدارك،ص:۱۱۳۱)

إلى الحق۔ الحق سے مراد اصول دین ہیں، یعنی عقائد اساسی۔

من العقائد الصحيحة . (روح،،ج۲٦/ص:۳۲)

أي في الاعتقادات . (ابن كثير،ج٤/ص:۱٥۳)

إلىٰ طريق مستقيم۔ طریق مستقیم سے مراد تفصیلاتِ شریعت ہیں یعنی احکام عبادات ومعاملات وغیرہا۔

من الأحكام الفرعية أو مايعمها وغيرها من العقائد . (روح،ج۲٦/ص:۳۲)

أي في العمليات . (ابن كثير،ج٤/ص:۱٥۳)

داعي الله سے مراد رسول اللہ کا ہونا ظاہر ہی ہے، قرآن مجید بھی مراد ہوسکتا ہے۔

۳۵ (کہ باوجود وضوحِ حق وقیام دلائل کے داعیٔ حق کی بات پر کان نہیں دھرتے اور اس کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں)

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَلَمۡ یَعۡیَ بِخَلۡقِہِنَّ

کیاان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے (ذرا بھی) نہ تھکا

بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۳۳﴾ وَیَوۡمَ

وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ مردوں کو زندہ کردے، کیوں نہیں بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے ۳۶ اور جس روز

یُعۡرَضُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا عَلَی النَّارِ ؕ اَلَیۡسَ ہٰذَا بِالۡحَقِّ ؕ قَالُوۡا بَلٰی

کافر لوگ دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (اور ان سے پوچھا جائے گا) یہ حقیقت ہے یا نہیں؟ وہ کہیں گے کہ بے شک ہے

وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ ﴿۳۴﴾ فَاصۡبِرۡ کَمَا صَبَرَ

ہم کو قسم ہے ہمارے پروردگار کی، (تب) وہ ارشاد کرے گا کہ اچھا تو چکھو عذاب اپنے کفر کے بدلے میں ۳۷ آپ صبر کیجئے جیسا کہ

۳۶ (تو وہ وقت مناسب پر مُردوں کے زندہ کرنے پر قادر کیوں نہ ہوگا؟)

یعنی امکانِ بعثت تو قدرتِ حق کے مشاہدۂ آثار سے بالکل ظاہر ہے۔

الذی خلق السمٰوات و الأرض۔ سارا کارخانۂ کائنات اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔

ولم یَعْیَ بخلقھن۔ یہ تردید ہے اس یہودی اور مسیحی عقیدے کی کہ خدا چھ روز میں آفرینش کائنات کے بعد تھک گیا تھا، اور ساتویں دن اس نے آرام کیا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

بلیٰ......قدیر۔ یہ تردید۔ ۔ ہے مشرک قوموں اور جاہلی فلسفیوں کے اس زعم کی کہ خدا موجود تو ہے، لیکن اس کی قدرت محدود ہے اور اس کے اختیارات ایک خاص درجہ اور حد سے زیادہ نہیں۔

یورپ میں ایک گروہ (Deists) (یزدانیوں) کے نام سے گزرا ہے، یہ لوگ وجودِ باری کے تو قائل تھے، لیکن جزاوسزائے آخرت اور رسالت وغیرہ کے منکر، قدیم قوموں میں بھی یہ گمراہی اچھی خاصی شائع رہی ہے۔

۳۷ اور اس کفر میں آخرت وجہنم کا انکار بھی داخل ہے۔

ھذا۔ یعنی یہ عذاب جس کا اب وقوع ہو رہا ہے۔

ألیس ھذا بالحق۔ یعنی حقیقت سے دوچار ہونے کے بعد اب بھی تمھارے وہی دلائل قائم ہیں؟

أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ

ہمت والے پیمبروں نے صبر کیا تھا اور ان لوگوں کے حق میں جلدی نہ کیجئے ۳۸؎ جس روز یہ دیکھ لیں گے اُس (عذاب) کو

۳۸؎ (انتقامِ الٰہی کی)

امتِ اسلامیہ کی نصرت کے خیال سے آپؐ کے دل میں تقاضا طبعاً پیدا ہوتا تھا کہ مخالفین معاندین پر گرفت اگر جلد ہو جاتی تو اچھا تھا۔

فاصبر......الرسل۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ صبر بدرجۂ کمال انبیائے کرام کی خصوصیات میں سے ہے، انبیاء کی سی عالی ہمتی نہ کسی غیر نبی کی قدرت میں ہے اور نہ وہ اس پر مامور ہے۔

أولوا العزم من الرسل۔ من تبعیضیہ بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں مراد منتخب مشاہیر رسل سے ہوگی، اور ان کی تعیین میں اختلاف ہے، مفسرین کی ایک بڑی جماعت اسی ترکیب کی طرف گئی ہے۔

وعن عطاء الخراساني والحسن بن الفضل والكلبي ومقاتل وقتادة وأبي العالية وابن جريج وإليه ذهب أكثر المفسرين أن من للتبعيض فأولوا العزم بعض الرسل عليهم السلام، واختلف في عدتهم وتعيينهم على أقوال. (روح، ج ٢٦/ص: ٣٤)

وقد اختلف في تعداد أولي العزم على اقوال . (ابن كثير، ج ٤/ص: ١٥٤)

اور جائز ہے کہ من کو بیانیہ بھی سمجھا جائے، اس صورت میں اولوا العزم کا اطلاق سارے ہی انبیاء پر ہوگا۔ محققین کی ایک مختصر تعداد نے اسی ترکیب کو صحیح مانا ہے۔

أو للبيان فيكون أولوا العزم صفة الرسل كلهم . (مدارك، ص: ١١٣١)

ومن بيانية فيكون أولوا العزم صفة جميعهم، وإليه ذهب ابن زيد والجبائي وجماعة . (روح، ج ٢٦/ص: ٣٤)

وقد يحتمل أن يكون المراد بأولي العزم جميع الرسل فتكون من لبيان الجنس (ابن كثير، ج ٤/ص: ١٥٤)

قال ابن زيد كل الرسل كانوا أولي العزم لم يبعث الله نبياً إلا كان ذا عزم وحزم ورأى و كمال عقل، وإنما أدخلت من للتجنيس لا للتبعيض . (معالم، ج ٤/ص: ٢٠٧)

مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ

جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے تو اس وقت (انہیں ایسا معلوم ہوگا) گویا دن بھر میں کل ایک گھڑی رہے ہیں (یہ اللہ کی طرف سے) تبلیغ ہے سو

اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

برباد تو وہی ہوں گے جو نافرمان ہوں گے ۳۹

۳۹ (اور اتمام حجت کے بعد بھی نافرمان ہی رہیں گے)

کانهم ......نهار۔ یعنی مشاہدۂ عذاب آخرت کے وقت دنیوی زندگی کی طویل سے طویل مدت بھی چشم زدن کی سی معلوم ہوگی۔

بلغ۔ یعنی رسولوں کی معرفت اتمام حجت ہو چکا۔

ھل یہاں سوالیہ نہیں، نافیہ ہے، ''نہیں'' کے معنی میں۔

أی لا. (جلالین، ص:٦٧٢)

الفاسقون۔ یہاں مراد محض گنہگار نہیں، بلکہ دائرۂ اسلام سے خارج رہنے والے کافر مراد ہیں، جن پر تبلیغ حق کا کوئی اثر ہی نہ ہوا۔

أی المشركون الخارجون عن الاتعاظ به والعمل بموجبه. (مدارك،ص:١١٣١)

أی الكافرون. (جلالين،ص:٦٧٢)

فاسق کا اصطلاحی مفہوم، اسے کافر سے ممتاز کرنے والا تو بہت بعد کا ہے، قرآن مجید میں وہ اپنے وسیع و عمومی مفہوم میں آیا ہے، مطلق نافرمان کے مرادف۔

اور اسی بنا پر یہ آیت ہر کلمہ گو کے لیے ایک بڑی مایۂ تسکین سمجھی گئی ہے، اس لیے کہ آیت میں ہلاکت محدود کردی گئی ہے منکروں پر۔

قال الزجاج تأويله لايهلك مع رحمة الله وفضله إلا القوم الفاسقون، ولهذا قال قوم: ما فى الرجاء لرحمة الله أقوى من هذه الآية. (معالم، ج٤/ص:٢٠٨)

(۴۷)

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّة

اٰیَاتُھَا ۳۸ — ۳۸ آیتیں

رُکُوْعَاتُھَا ۴ — ۴ رکوع

سورۂ محمدؐ مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ، نہایت مہربان، بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ①

جولوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستے سے روکا بھی، (اللہ نے) اُن کے اعمال کالعدم کردیے لے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى

اور جولوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے اور اس (سب) پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل

مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ

کیا گیا، اور وہ امر حق ہے اُن کے پروردگار کی طرف سے، اللہ اُن کے گناہوں کا کفارہ ان کی طرف سے کردے گا اور اُن کی

بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ

حالت درست کردے گا ۲ے یہ اس لیے ہے کہ کافروں نے تو باطل کی پیروی کی اور ایمان والوں نے

لے یعنی جن اعمال کو یہ غیر مسلم اپنے خیال میں نیک اور صالح سمجھ رہے تھے، وہ آخرت میں انکشافِ حقیقت کے وقت بے وزن اور ناکارے نکلے، اور اس لیے بالکل غیر مقبول ٹھہرے۔

الذین......اللہ۔ منکرین کے سرداروں کی یہ عادت ہر زمانے میں رہی اور اب بھی ہے۔

وصدوا عن سبیل اللہ۔ یہ خیال رہے کہ حبط اعمال کے لیے، اعمال کے نامقبول ٹھہر جانے کے لیے محض کفر کافی ہے۔ دوسروں کو ایمان سے روکنا یہ اس کی شرط نہیں ہے، یہ تو اُن سردارانِ کفر کی محض واقعی حالت کا بیان ہے۔

۲ے (دنیا و آخرت دونوں میں)

کفر عنهم سیاتهم۔ یعنی ان کے گناہوں سے درگزر کردے گا ـــــ گناہوں سے پاک تو بجز انبیائے معصومین کے اور کوئی ہو نہیں سکتا، چنانچہ یہاں تو قرآن مجید "سیـآت" کو کھلم کھلا الذين آمنوا وعملوا الصلحت (مومنین صالحین) ہی کی جانب منسوب کر رہا ہے۔ مومنین صادقین کے فخر و شرف کے لیے بس، اس قدر کافی ہے کہ ان کے اعمال صالحہ کے انبار عظیم کے ساتھ جو گنے چنے ہوئے چند گناہ ہوں گے، وہ بالکل معاف کر دیے جائیں گے۔

وآمنوا بما نزل على محمد۔ مطلق "ایمان" کا لفظ پھر ذرا مبہم تھا، اور یہ سوال باقی رہ جاتا تھا کہ ایمان سے مراد کس پر ایمان لانا ہے، اس لیے پوری تصریح کے ساتھ ارشاد ہو گیا کہ ایمان اس تنزیل پر لایا جائے، جو محمدؐ لے کر آئے ہیں، بغیر اس کے ایمان معتبر نہیں۔

وهو دليل على أنه شرط في صحة الإيمان بعد بعثته صلى الله عليه وسلم. (ابن کثیر، ج ٤/ص: ١٥٥)

إعلام بأنه لايصح الإيمان ولايتم إلا به . (بحر، ج ٨/ص: ٧٣)

محمد۔ مسمّٰی کی محبوبیت و مرجعیت سے قطع نظر خود یہ اسم پاک بھی کتنی خوبیوں کا جامع ہے! عرب میں چونکہ یہ روایت آپؐ کی ولادت سے قبل ہی پھیل چکی تھی کہ نبی آخر الزماں اسی اسم سے موسوم ہوں گے، اس لیے بہتوں نے اپنی اولاد کا نام اسی لالچ میں محمد رکھنا شروع کر دیا تھا، چنانچہ سفیان بن مجاشع کی بابت منقول ہے کہ جب وہ ملک شام میں ایک راہب کے ہاں اترے اور راہب نے ان کی خوش تقریری اور عقل و فہم سے مسرور ہو کر ان کا نسب پوچھا، اور انھوں نے اپنے کو قبیلۂ مضر کی جانب منسوب بتایا، تو راہب نے خبر دی کہ عنقریب عرب میں ایک پیمبر کا ظہور ہوگا، جن کا نام محمد ہوگا۔ اس پر سفیان نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھ لیا۔ (ابن حبیب، ص: ۱۳۰)

ابن حبیب نے اس طرح کے چھ نام اور درج کیے ہیں: (۱) محمد بن بر بن عتوارۃ (۲) محمد بن خزاعی (۳) محمد بن حمران بن مالک (۴) محمد بن عقبہ بن امیہ (۵) محمد بن مسلمہ انصاری (۶) محمد بن الحرماز بن مالک۔ اور محمد بن خزاعی کے لیے لکھا ہے کہ وہ لشکر ابرہہ میں ہاتھی لیے ہوئے تھا۔

اور ابن سعد نے بھی الطبقات الکبیر (جزء اول) میں ایک مستقل عنوان کے ماتحت ایسے لوگوں کے نام لکھے ہیں، جن کا نام امید نبوت محمدی میں جاہلیت میں محمد رکھ دیے گئے تھے، اس فہرست

اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

اپنے پروردگار کی طرف سے آئے ہوئے حق کو اختیار کیا، اللہ اسی طرح لوگوں کے لیے اُن کے حالات بیان کرتا ہے ۳

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ

سو جب تمھارا مقابلہ کافروں سے ہوجائے تو (ان کی) گردنیں مار چلو، یہاں تک کہ جب ان کی خوب خونریزی کر چکو

فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ڎ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ

تو خوب مضبوط باندھ لو ۴ پھر اس کے بعد یا محض احسان رکھ کر (چھوڑ دو) یا معاوضہ لے کر (چھوڑ دو) تا آنکہ لڑائی

کے نام حسب ذیل ہیں:۔(۱) محمد بن خزاعی (۲) محمد بن سفیان بن مجاشع (۳) محمد الحیشمی (۴) محمد الاسیدی (۵) محمد الفقمی۔

۳ (کہ وہ ان سے ہدایت وبصیرت کے سبق لیں)

ذلك ۔ یعنی مومنوں اور کافروں کے درمیان یہ فرق عظیم۔

للناس یعنی نفع رسانی خلق کی غرض سے۔

أی لأجل الناس ليعتبروا بهم. (مدارك،ص:۱۱۳۲)

لأجلهم . (روح،ج۲۶/ص:۳۸)

۴ یعنی سب کو قید کرلو، کوئی بھاگ کر نکل نہ جانے پائے ـــــ واضح رہے کہ اب بیان حالت جنگ کا ہو رہا ہے، اور احکام عام ملکی قانون کے نہیں، بلکہ حربی قانون کے ماتحت مل رہے ہیں۔

إذا لقيتم الذين كفروا ۔ مراد میدانِ جنگ وجہاد میں مڈبھیڑ ہونے سے ہے ـــــ یہ مراد نہیں کہ حالت امن وصلح میں راستہ گلی میں چلتا ہوا کوئی کافر دکھائی دے۔

فی المحارب . (روح،ج۲۶/ص:۳۹)

فی حروبهم مع المشركين . (ابن كثير،ج٤/ص:۱۵۶)

فضرب الرقاب ۔ یعنی انھیں مار ہی ڈالو، جو مقصود حکم قتال وفریضۂ جہاد کا ہے ـــــ یہ مراد نہیں کہ ہمیشہ گردن ہی پر وار کرو، کسی اور طریقے پر قتل نہ کرو۔

قيل عبارة عن القتل لا أن الواجب أن تضرب الرقاب خاصة دون غيرها من الأعضاء. (مدارك،ص:۱۱۳۳)

اَوْزَارَهَا ۵ۚ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا

اپنے ہتھیار رکھ دے (یہ حکم) اسی طرح ہے ۵ اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو ان سے انتقام لے لیتا، لیکن (حکم اس لیے دیا) تاکہ تم میں سے

ضرب ہے مصدر، لیکن معنی امر کے دے رہا ہے۔

المصدر بمعنى الأمر . (أبو البقاء، ص:٨١٤)

حتى إذا أثخنتموهم۔ اس اثخان یا کافی خونریزی کا معیار فقہاء نے یہ قرار دیا ہے کہ اب اگر قتل کے بجائے قید ہی پر اکتفا کی جائے تو جب بھی غلبۂ کفار اور مضرت مسلمین کا احتمال نہ رہے۔

ذلك حين لا تبقى شوكة للمشركين. (مدارك، ص:١٣٣)

اس حکم قتل وخوں ریزی سے بچے، عورتیں اور زیادہ بوڑھے یعنی غیر مقاتلین مستثنیٰ ہیں۔

فشدوا الوثاق۔ یعنی انھیں خوب احتیاط وہوشیاری سے اپنی قید میں رکھو ــــــ یہ لفظی معنی مراد نہیں کہ ہمیشہ انھیں رسّی سے باندھ ہی کر رکھو۔

۵ یعنی یہ حکم جہاد وقتال انھی طرح اور انھیں صورتوں کے ساتھ فرض ہے۔

أى الأمر ذلك . (بيضاوى، ج٥/ص:٧٧)

فإما......فدآء ۔ یعنی قتل واسیری کے بعد اب حکم رہائی ہی کا ہے، خواہ باخذِ معاوضہ وفدیہ، خواہ یوں ہی بلا معاوضہ ــــــ کافر حربی بھی جب اسلام قبول کرلیں یا محض اتنا ہی کرلیں کہ حکومت اسلامی کی اطاعت قبول کر کے ذمیت کے حقوق حاصل کرلیں تو اب نہ اُن کا قتل جائز رہے گا اور نہ قید ہی ــــــ اب وہ آزاد ہیں۔

فقہاء نے یہاں متعدد صورتیں لکھی ہیں اور انتخاب کا اختیار حسب مصالح امت، امام مسلمین کے ہاتھ میں چھوڑا ہے ــــــ وہ چاہے تو قتل کردے، چاہے غلام بنالے، چاہے یوں ہی چھوڑ دے، چاہے مالی معاوضہ لے کر چھوڑ دے، چاہے مسلمان قیدیوں کے تبادلے میں چھوڑ دے۔

حتى تضع الحرب أوزارها۔ یعنی کافر مقاتل ہتھیار ڈال دیں، خواہ دینِ اسلام قبول کر کے، خواہ اسلام کی حاکمیت وحکومت قبول کر کے۔

أى حتى يسلموا ويسالموا. (معالم عن الكلبى، ج٤/ص:٢١٠)

بَعۡضَكُمۡ بِبَعۡضٍؕ وَالَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَلَنۡ يُّضِلَّ

ایک کا دوسرے کے ذریعے سے امتحان کرے ۶ے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز

اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۴﴾ سَيَهۡدِيۡهِمۡ وَيُصۡلِحُ بَالَهُمۡ ﴿۵﴾ وَيُدۡخِلُهُمُ الۡجَنَّةَ عَرَّفَهَا

ضائع نہ کرے گا ۷ے (اللہ) انھیں سنبھالے رہے گا اور ان کی حالت درست رکھے گا اور انھیں جنت میں داخل کرے گا، جس کی انھیں (خوب) پہچان

حتی لا یبقیٰ إلا مسلم أو مسالم. (معالم عن الفراء، ج ٤/ص: ٢١٠)

أن يسلم الكفار أو يدخلوا فى العهد . (جلالين، ص: ٦٧٣)

یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ جب ان کا زور ٹوٹ جائے۔

أى لايبقى شوكة لهم . (بحر، ج ٨/ص: ٧٥)

الحرب۔ یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ قرآن مجید نے جہاں کہیں بھی حرب یا اس کے مشتقات کا استعمال کیا ہے، کافروں ہی کی جنگ کے سلسلے میں کیا ہے، مسلمانوں کی جنگ کے لیے قتال وغیرہ دوسرے لفظ آئے ہیں۔

۶ے اشارہ حکم جہاد کی بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی جانب ہے ـــــ ایک طرف مجاہدین کو تعمیل ارشاد کا اجر ملے، دوسری طرف کافروں اور منکروں کو موقع دے کہ اب بھی حق کو قبول کرلیں۔

لانتصر منهم۔ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یوں ہی ہوتی تو وہ تمھارا واسطہ ڈالے بغیر، یوں ہی اپنے کسی اشارۂ تکوینی سے ان کا خاتمہ کردیتا ـــــ آخر پچھلی نافرمان امتوں کے ساتھ یہ معاملہ پیش ہی آچکا ہے، اور کسی کو غرقابی سے، کسی کو طوفانِ تند سے، کسی کو زلزلے سے ہلاک ہی کیا جاچکا ہے۔ یہ حقیقت قرآن مجید نے بار بار واضح کی ہے کہ اللہ تو ہر طرح قادر ہے کہ براہِ راست اور بلا کسی مخلوق کے واسطے کے منکروں کا قلع وقمع کردیتا۔ جہاد وقتال کے احکام جو اُس نے اہل ایمان کو دیے ہیں، وہ تو انھیں کے درجے اور مراتب قرب بڑھانے کی خاطر۔

۷ے یہ وعدۂ الٰہی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے کسی کشتہ کا خون ضائع نہیں جائے گا، ایسا نہیں ہونے کا کہ مقتول کی شہادت کا کوئی نتیجہ ہی نہ مرتب ہو۔

لَهُمْ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ

کرادے گا ۸ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم

اَقْدَامَكُمْ ۞ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ

جمائے رکھے گا ۹ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے بربادی ہے اور (اللہ) ان کے اعمال

۸ (جس سے ہر شہید بے تکلف اپنی دائمی آرام گاہ تک پہنچ جائے گا) جنت کی یہ منزل خوب جانی پہچانی ہوئی ہوگی، بغیر بھٹکے ہوئے وہاں تک آسانی رسائی ہو جائے گی۔

سیھدیھم۔ یعنی ان کے منزل مقصود کے پہنچنے تک ہر قدم پر ان کی رہنمائی اور دستگیری ہوتی رہے گی۔

یصلح بالھم۔ قبر میں، حشر میں، پل صراط پر، ہر جگہ ان کی نصرت ویاوری جاری رہے گی۔

۹ (دشمن کے مقابلے میں۔ اور تم کبھی اس کے مجمع اور قوت وشوکت سے مرعوب نہ ہو گے)

إن تنصروا اللّٰہ۔ یعنی اللہ کے دین کی مدد ونصرت کرتے رہو گے ـــــ اللہ کے دین کی نصرت کو عین اللہ کی نصرت سے تعبیر کر دینا قرآن کا عام محاورہ ہے۔

أی إن تنصروا دینه ورسوله . (بیضاوی، ج ۵/ص: ۷۷)

ینصرکم۔ یعنی غلبہ ہو یا مغلوبیت، ہر حال اور ہر صورت میں تائیدِ خداوندی تمہارے ساتھ رہے گی۔

نصرۃ اللہ اور نصرۃ العبد پر ملاحظہ ہوں سورۃ الحج، آیت ۴۰ پر لینصرن اللّٰہ من ینصرہ کے حاشیے۔

یثبت أقدامکم۔ فن حرب کے جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ میدانِ جنگ میں کتنی اہمیت عظیم اسی ہمت اور ثابت قدمی کو ہے ـــــ مسلمانوں کی اس ثابت قدمی پر اغیار کی شہادت کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

محققین عارفین نے کہا ہے کہ یہ ثابت قدمی رکھنے کا وعدہ عام ہے ہر شعبۂ زندگی کے لیے، محض میدانِ جنگ کے ساتھ مخصوص ومحدود نہیں۔ اللہ کے دین کی نصرت کرنے والوں کے ساتھ نصرتِ الٰہی کارگاہِ زندگی کے ہر لمحہ میں موجود رہے گی، خواہ وہ وسوسۂ شیطانی ہو یا لغزش نفسانی۔

هو علی حجة الإسلام. (مدارك، ص: ١١٣٤)

أَعْمَالَهُمْ ﴿٨﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٩﴾

کالعدم کردے گا ۱۰ یہ اس سبب سے کہ انھوں نے اللہ کے اتارے ہوئے (احکام) کو ناگوار جانا سو اس نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا ۱۱

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ

کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں جو یہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا

مِن قَبْلِهِمْ ۚ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ﴿١٠﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ

کیا انجام ہوا، اللہ نے انھیں ہلاک کر مارا اور (ان) کافروں کے لیے بھی ایسے ہی (معاملات) ہونے کو ہیں ۱۲ یہ اس سبب سے کہ اللہ

والمراد يقويكم أو يوفقكم للدوام على الطاعة. (روح، ج٢٦/ص:٤٣)

۱۰ (آخرت میں)

چنانچہ جب وہ انکشافِ حقائق کی گھڑی سامنے آئے گی تو منکرین کو اپنے جن جن نیک اعمال پر تکیہ اور غرّہ تھا، وہ سب بے وزن اور ناکارے ثابت ہوں گے۔

فتعساً لهم۔ یہ بربادی انجام کے لحاظ سے تو یقیناً ہوگی، باقی اس کے وقوع کا احتمال تو مستقبل قریب میں بھی ہے، اور مشرکین عرب کو اپنے سارے ساز و سامان کے باوجود بارہا اس کا تجربہ بھی ہو کر رہا۔

تعساً ہے مصدر، لیکن ماضی کے معنی میں۔

والمصدر بمعنى الماضي مثل تعساً۔ (ابو البقاء، ص:٨١٤)

۱۱ (اس لیے کہ ان سارے اعمال کا مبنیٰ و منشا تو کفر ہی تھا، جو بغاوت کی فردِ اعلیٰ ہے)

کرھوا۔ کراہت سے یہاں کراہت طبعی مراد نہیں، بلکہ کراہت عقلی مراد ہے، جس کا اظہار کافر کے نہ صرف عمل سے بلکہ عقیدے سے بھی ہر وقت ہوتا رہتا ہے۔

یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ کافر کے سارے ہی اعمال، خواہ بظاہر کتنے ہی خوشنما ہوں، چونکہ بے بنیاد ہوتے ہیں، یعنی ان کی بنیاد اطاعتِ الٰہی نہیں ہوتی، اس لیے قدرۃً سب بیکار، بے نتیجہ و برباد ہی ثابت ہو کر رہیں گے۔

۱۲ (اس لیے کہ کفر جو علت ہلاکت و بربادی ہے، وہ ان میں اور اُن میں مشترک ہے)

مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ ⑪ إِنَّ اللَّهَ

ایمان والوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں ۱۳؎ بے شک اللہ

يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے ندیاں پڑی

الْأَنْهَارُ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ

بہہ رہی ہوں گی اور جو کافر ہیں وہ خوش وقتی کر رہے ہیں اور کھا (پی) رہے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے (پیتے) ہیں

وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ⑫ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قَرْيَتِكَ

اور آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے ۱۴؎ اور کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں

کیف......قبلھم۔ علم آثارِ قدیمہ آج جن جن قوموں کے کھنڈر اور ویرانے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال رہا ہے، وہ سب قومیں اپنے اپنے زمانے میں تہذیب وتمدن اور ترقی ودولت کی چوٹی پر پہنچی ہوئی، لیکن منکر ونافرمان ہی ہوئی ہیں۔

أمثالھا۔ یہ مثلیت صرف وقوعِ عذاب کے لحاظ سے ارشاد ہوئی ہے، نہ کہ نوعیتِ عذاب کے لحاظ سے۔

الذین من قبلھم۔ یعنی نافرمان وخدافراموش پُرقوت قومیں۔

۱۳؎ (جواللہ کے مقابلے میں بالآخران کے کام آسکے)

بأنّ......آمنوا۔ اور وہی اللہ دنیا وآخرت میں مومنین کے کام بنا تا رہتا ہے۔

ذلك۔ یعنی یہی مومنوں کی نصرت اور کافروں کی بدانجامی۔

أی نصرالمومنين وسوء عاقبة الكافرين. (مدارك، ص: ۱۱۳٤)

۱۴؎ (اس لیے کہ انھوں نے ساری زندگی سوال آخرت اور اپنی ذمہ داری سے بالکل بے فکر ہو کر گزاری تھی)

یأکلون – تأکل، أکل کا ترجمہ دونوں جگہ اردو محاورے کے لحاظ سے ''کھانے پینے'' ہی سے ہوسکتا ہے۔

الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَتۡکَ ۚ اَہۡلَکۡنٰہُمۡ فَلَا نَاصِرَ لَہُمۡ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنۡ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ

جس (کے رہنے والوں) نے آپ کو (وہاں سے) نکالا، ہم نے انھیں ہلاک کر دیا اور کوئی ان کا مددگار نہ ہوا ۱۵ تو کیا جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے

یتمتعون۔ تمتع یہاں مطلق عیش کے مرادف نہیں، بلکہ اس میں وقتی لذت اور لطف عاجل کا مفہوم شامل ہے، اس لیے ترجمہ بجائے عیش کے خوش وقتی سے کیا گیا۔

کما تأکل الأنعام۔ کھاتا پیتا تو مومن بھی ہے، اس تشبیہ نے کافر کے کھانے کو مسلم کے کھانے سے بالکل الگ کر دیا۔ اور یہ وہی فرق ہے جیسے شیخ سعدی نے بھی اپنے ایک مشہور شعر میں واضح کر دیا ہے۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است ۔۔۔ تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

منکر و خدافراموش کے آگے ذمہ داری کوئی نہیں ہوتی، اُسے ہر طرح بس اپنی ہوس بجھانا ہوتی ہے۔ پیٹ ہی کا سوال اس کے لیے پہلا اور آخری سوال رہتا ہے، بہ خلاف اس کے مومن اپنی ذمہ داریوں سے کسی حال میں غافل نہیں ہوتا ــــــ آمدنی کے ذریعے جائز ہیں یا ناجائز، خرچ کن کن چیزوں میں ہو رہا ہے، کھانے پینے کی غایت و مآل کیا ہے؟ غرض حلال و حرام کے حدود و قیود اس کے لیے قدم قدم پر ہیں۔

چوپایوں کا مقصد زندگی میں بجز کھانے پینے اور افزائش نسل کے کچھ نہیں ہوتا، انھیں اور کسی غرض و غایت سے کوئی بحث ہی نہیں ہوتی۔ انسان صاحب عقل و فہم ہے، اُس کے لیے کھانا پینا حاصل زندگی نہیں، بلکہ زندگی کے پروگرام کا صرف ایک محدود جز ہوتا ہے۔ فکر آخرت، مومن کو زندگی کے اور سارے شعبوں کی طرح، کھانے پینے کے باب میں چوکنا اور بیدار رکھتی ہے، آخرت فراموشی میں پڑ کر جو اہل حکومت و اہل سیاست روٹی ہی کے مسئلے کے حل میں لگے رہتے ہیں، اور پیٹ کے سوال کو سب سے بڑا سوال سمجھتے ہیں، وہ الفاظ اور اصطلاحات کیسے ہی شاندار بولیں، بہر حال ہیں انعام یا چوپایوں ہی کی سطح شعور پر۔

۱۵ (تو آپؐ کے ہم وطن کس زعم و پندار کی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں!)

أشدّ قوۃ۔ جسمانی، مادی، مالی، عددی، ہر اعتبار سے ان اہل مکہ سے برتر تو میں۔

قریتك التی أخرجتك۔ قریہ سے مراد مکہ کا ہونا بالکل ظاہر ہے، اور مکہ پر جغرافی حاشیے پہلے گزر چکے۔

مِّنۡ رَّبِّهٖ كَمَنۡ زُيِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الۡجَنَّةِ

واضح دلیل پر ہیں وہ ان لوگوں کی طرح ہوجائیں گے جن کی بدعملی ان کی نگاہ میں خوشنما کردی گئی ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چل رہے ہیں (۱۶) جس جنت

الَّتِىۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ ؕ فِيۡهَاۤ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ مَّآءٍ غَيۡرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنۡهٰرٌ مِّنۡ لَّبَنٍ

کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اُس میں ندیاں متغیر نہ ہونے والے پانی کی ہوں گی، اور ندیاں ذائقہ نہ

لَّمۡ يَتَغَيَّرۡ طَعۡمُهٗ ۚ وَاَنۡهٰرٌ مِّنۡ خَمۡرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيۡنَ ۚ وَاَنۡهٰرٌ مِّنۡ عَسَلٍ

بدلنے والے دودھ کی ہوں گی اور ندیاں پینے والوں کے لیے خوش ذائقہ شراب کی ہوں گی اور ندیاں شہد

مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغۡفِرَةٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ ؕ كَمَنۡ هُوَ

صاف کی ہوں گی اور وہاں اُن کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی (۱۷) (تو کیا ایسے لوگ) ان لوگوں جیسے ہوسکتے ہیں

أهلكنٰهم۔ قریہ سے مراد اہل القریہ تھی، ضمیر جمع مذکر ہم انھیں کی جانب ہے۔

۱۶ یعنی کیا دونوں کے درمیان عمل و محرک عمل کا یہ واضح و نمایاں فرق، ثمرۂ عمل میں واضح و نمایاں فرق نہ پیدا کردے گا؟

من كان على بيّنة من ربه۔ مراد مومنین ہیں، مومن کے اعتقاد کی بنیاد دلائل و حقائق پر ہوتی ہے۔

من زين...... أهواء هم۔ منکر تو صرف دھوکے میں پڑے ہوئے، اپنی بداعمالی کو خوشنما سمجھتے رہتے ہیں، اور بجائے اتباع وحی کے اپنی ہی خواہش نفس کی پیروی میں لگے رہتے ہیں۔

زُين له سوء عمله۔ بڑے ڈرنے کی چیز یہی ہے کہ اپنے اعمال بد کی اپنی نظر میں خوشنمائی ــــــ آج کس کثرت سے گمراہ قومیں ایسی موجود ہیں، جو اپنے خدا چھوڑے مشاغل میں پڑی پڑی انھیں میں مست ہیں، اور اپنے کو ہر طرح مہذب و ہدایت یاب سمجھے ہوئے ہیں!

۱۷ خلاصہ یہ کہ اہل جنت ہر قسم کی مادّی و روحانی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے۔ دنیا کی ہر مادی نعمت فناپذیر ہوتی ہے۔ پانی سڑ جاتا ہے، دودھ بگڑ جاتا ہے، شراب میں تلخی ہوتی ہے، شہد میں گدلا پن شامل رہتا ہے۔ آیت میں ان سب چیزوں کی نفی کرکے یہ بتلا دیا ہے کہ جنت کی کسی مادی نعمت میں کوئی خرابی نہ پیدا ہونے پائے گی، جنت کا ماحول، ناسوت کے ماحول سے

خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿١٥﴾ وَمِنْهُم

جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی انھیں پینے کو دیا جائے گا، اور ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا، اور لوگوں میں سے

مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ

کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو جو

أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ

صاحب علم ہیں اُن سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انھوں نے کیا کہا تھا، یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی ہے

بالکل مختلف ہوگا، اس لیے وہاں کی ''مادّیات'' کا بھی یہاں کی مادّیات سے بالکل مختلف ہونا قرین قیاس ہے۔ وہاں کے مادّیات بس صرف لفظاً ہی مادّیات ہوں گے۔

ماءٍ غیر آسن۔ یعنی پانی ہوگا مگر دنیوی پانی کے برخلاف وہ کبھی سڑے گا نہیں۔

لبنٍ لم يتغير طعمه۔ یعنی دودھ ہوگا مگر دنیوی دودھ کے برخلاف وہ کبھی بگڑے گا نہیں۔

خمر لذة للشاربين۔ یعنی شراب ہوگی مگر دنیوی شراب کے برخلاف ہر تلخی سے پاک اور ہر سکر وخمار سے بَری۔

عسل مصفّٰی۔ یعنی شہد ہوگا مگر دنیوی شہد کے برعکس ہر آمیزش سے پاک صاف۔ شہد کے لیے ملاحظہ ہوں سورۃ النحل (۶۸)، آیت کریمہ وأوحى ربك إلى النحل کے حاشیے۔ جب وہ دنیوی شہد سرتاسر شفا و رحمت ہے، تو اس جنت کے شہد کا کہنا ہی کیا!

ولهم فيها من كل الثمرات۔ كل الثمرات کے جامع لفظ میں سب ہی کچھ آ گیا، کسی مزید تفصیل کی حاجت نہ رہی۔

ابھی قریب کے ایک شیخ طریقت شاہ احمد سعید دہلویؒ نے قرآنی لفظ ''انہار اربعہ'' سے خوب لطائف پیدا کیے ہیں، کہا ہے کہ ماء غير آسن نہ بگڑنے والے پانی کی مثال نسبت سہروردیہ ہے، اور لبن لم يتغير طعمه، نہ بدلنے والے دودھ کی مثال نسبت نقشبندیہ ہے، جس میں استقرار و تمکن ہے، اور أنهار من خمر لذة للشاربين، لذت و سرور، کیف و نشاط والی شراب کی مثال نسبت چشتیہ ہے، اور أنهار من عسل مصفّٰی، شہد صافی نسبت قادریہ ہے۔

وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ

اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چل رہے ہیں ۱۸ اور جو لوگ راہ پر ہیں اللہ انھیں اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انھیں تقوے کی

تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ

توفیق دیتا ہے ۱۹ سو یہ لوگ بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ ان پر دفعۃً آپڑے، سو اس کے آثار تو

ایک مورخ ہیتی (Hitie) نے اپنی تاریخ عرب (طبع پنجم، ص:۱۰۲) میں لکھا ہے کہ قرآن نے یہ جو نقشہ جنت کا کھینچا، اس کا دنیوی مصداق عرب کا شہر طائف ہے۔

۱۸ (ہدایت سے روز بروز دور ہو کر)

ومنهم ...... إليك۔ یعنی ان کے چہرے بشرے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی گفتگو کو غور و توجہ سے سن رہے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ نہیں ــــــ بیان منافقین کا ہے۔

الذين أوتوا العلم۔ یعنی صاحب علم و معرفت صحابیانِ کرام۔ ''علم''، محل مدح میں قرآن میں جہاں کہیں بھی آیا ہے، کہیں بھی ''علوم'' ظاہری وفنون مادی مراد نہیں، ہر جگہ علم حقیقت و معرفت مراد ہے۔

حتىٰ ...... آنفاً۔ یعنی مجلس رسولؐ میں بیٹھنے کے بعد بھی ایسے کورے رہتے ہیں کہ جب باہر نکلتے ہیں تو اہل علم وایمان سے پوچھتے ہیں کہ یہ ابھی کیا ارشاد ہوا تھا؟ ــــــ محض صحبت و ہم نشینی بڑے سے بڑے مرشد کے پاس بھی بے اثر رہتی ہے، جب تک بیٹھنے والے کے دل میں قصداً استفادہ نہ ہو۔

أولئك ...... قلوبهم۔ یہ طبع قلب (دل پر مہر لگ جانے) کا عمل ابتداءً حق تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہوتا، انسان کی اختیاری غفلت و بے توجہی سے بطور نتیجہ کے ہوتا ہے۔

واتبعوا أهواء هم۔ اُن کی ارادی بے توجہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی توجہ کی قابلیت ہی روز بروز کمزور ہوتی گئی۔

۱۹ چنانچہ ایمان کے بعد وہ احکام پر بھی عمل کرتے رہتے ہیں۔

راہِ ہدایت پر چلنے اور احکام پر عمل کرتے رہنے سے ایک خاص برکت یہ پیدا ہوتی ہے کہ ہدایت اور بڑھتی رہتی اور عمل کی توفیق اور زیادہ پیدا ہوتی رہتی ہے۔

اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۞ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

پیدا ہی ہو چکے ہیں، سو جب وہ ان کے سامنے آکھڑی ہوگی تو ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا؟ ۲۰ تو آپ اس کا یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ

اور اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیے اور (سارے) ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لیے بھی، اور اللہ خوب خبر رکھتا ہے تم (سب) کے چلنے پھرنے

وَمَثْوٰىكُمْ ۞ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ

اور رہنے سہنے کی ۲۱ اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے رہتے ہیں کہ کوئی (نئی) سورت کیوں نہ

رکوع ۶

۲۰ یعنی سمجھنے سمجھانے کا وقت تو اب ہے، قیامت کے آجانے پر اسے سمجھے بھی، تو یہ سمجھ مفید کیا خاک ہوگی؟

فقد جاء أشراطها۔ یعنی ابتدائی علامات وآثار قیامت۔

أى أمارات اقترابها . (ابن كثير، ج٤/ص:١٥٩)

علاماتها . (راغب، ص:٢٩٠)

اور ان علامات میں سے ایک بڑی شرط تو خود قرآن کا نزول اور حضورؐ کی بعثت ہی تھی کہ اب اتمام حجت ہو چکا، اور اپنی صریح اقامت دلیل کے بعد کوئی عذر منکرین کو باقی نہ رہ گیا۔

فبعثة رسول الله صلى الله عليه وسلم من أشراط الساعة، لأنه خاتم الرسل الذى أكمل الله تعالىٰ به الدين وأقام به الحجة على العالمين . (ابن كثير، ج٤/ص:١٥٩)

وكان النبى صلى الله عليه وسلم من أشراط الساعة . (معالم، ج٤/ص:٢١٤)

۲۱ یعنی وہ باخبر ہے تمہارے سارے ہی اعمال واحوال سے، سو اُسی کے وعدوں کے امیدوار اور اسی کے وعیدوں سے خائف رہنا چاہیے۔

لذنبك۔ ذنب کا لفظ رسولؐ سے متعلق قرآن کریم میں جابجا آیا ہے۔ ایک اصولی بات ہمیشہ یاد رہے کہ ذنب معصوم کے سلسلے میں جب بھی آئے گا، مراد اس سے صرف ذنب صوری یا اجتہادی ہوگا (ورنہ کلام میں صریح تناقض واقع ہوگا) اس کے بعد ان شاء اللہ کوئی اشکال نہ رہے گا۔

سُوۡرَةٌ ۚ فَاِذَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ مُّحۡكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيۡهَا الۡقِتَالُ ۙ رَاَيۡتَ الَّذِيۡنَ

نازل ہوئی ۲۲ سو جس وقت کوئی سورت صاف صاف مضمون والی نازل ہوتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو آپ ان لوگوں کو دیکھئے گا

فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ يَّنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ نَظَرَ الۡمَغۡشِىِّ عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ؕ

جن کے دلوں میں روگ ہے کہ آپ کی طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو ۲۳

فَاَوۡلٰى لَهُمۡ ۚ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ قف فَاِذَا عَزَمَ الۡاَمۡرُ قف

سو عنقریب ان کی شامت آنے والی ہے ۲۴ (ان کی) اطاعت اور بات چیت (کی حقیقت) معلوم ہے لیکن جب سارا کام تیار ہی ہو چکتا ہے

فاعلم۔ یعنی اس یقین پر آیندہ بھی قائم رہیے جیسا کہ اب تک رہے ہیں۔

۲۲ (کہ اگر کسی حکم سابق کی تاکید ہو تو ہمیں بھی مزید ثبات کی نعمت حاصل ہو، اور اگر کوئی حکم جدید ہو تو اس کی تعمیل کی دولت)

ویقول الذین آمنوا۔ مومنین بہ غایت شوق کہتے، اور اپنا ایمان تازہ کرنے کی غرض سے۔

۲۳ یعنی ایسی بھیانک اور وحشتناک نظروں سے دیکھتے ہیں جیسی سکرات کے وقت ہو جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ احکام قتال سن کر اُن کے دل دہلنے لگتے ہیں، چہرے کے رنگ فق ہو جاتے ہیں، ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں۔

ذکر فیھا القتال۔ یعنی قتال کا ذکر ہوتا ہے بطور حکم۔

الذین فی قلوبھم مرض۔ ذکر منافقین کا ہو رہا ہے۔ دل کے مرض سے مراد مرض نفاق ہے۔

أی نفاق . (روح، ج ۲٦/ص:٦٧)

أی شك، وهم المنافقون . (جلالين، ص:٦٧٥)

۲۴ (خواہ دنیا میں، خواہ آخرت میں، خواہ دونوں جگہ)

أولیٰ لھم۔ محاورۂ عرب میں کلمۂ وعید و تہدید ہے۔

وعيد بمعنى فويل لهم......ومعناه الدعاء عليهم بأن يليهم المكروه. (كشاف، ج٤/ص:٣١٦)

تهديد ووعيد على ما روى عن غير واحد . (روح، ج ٢٦/ص:٦٧)

فَلَوۡ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ۝٢١ فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ

تو (اس وقت بھی) اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہتے تو ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا ۲۵ اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے

اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَتُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَكُمۡ ۝٢٢ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ

کہ تم لوگ دنیا میں فساد مچادوگے اور آپس میں قطع قرابت کرلوگے ۲۶ یہی لوگ تو ہیں جن پر

۲۵ یعنی ایمان میں اگر شروع سے صادق نہ تھے تو خیر، آخر ہی میں منافقت سے تائب ہوجاتے، جب بھی ان کا ایمان مقبول ہوجاتا۔

طاعة وقول معروف۔ یعنی اُن کی باطنی حالت کا اظہار ان آیاتِ قتال کے نزول کے بعد سب پر ہوگیا۔

فإذا عزم الأمر۔ یعنی نزول حکم قتال کے بعد جب سارا سامان جہاد کا تیار ہوگیا۔

فلو صدقوا اللہ۔ یعنی دعوئے ایمان کے مقتضا پر عمل کرتے اور صدق دل سے جہاد پر آمادہ ہوجاتے۔

۲۶ حکم جہاد کی ایک بڑی تمدنی وعقلی مصلحت، قیام عدل واصلاح وامن ہے۔ اگر جہاد کو ترک کردیا جائے تو مفسدین کا غلبہ ہوجائے، امن عالم برہم ہوجائے اور دنیا بھر میں ہنگامۂ غدر برپا ہوجائے۔

إن تولّيتم۔ یعنی اگر جہاد سے تم منہ موڑے رہے ——— خطاب براہِ راست منافقین سے ہے، ضمناً دوسرے لوگ بھی جہاد سے کنارہ کش رہنے والے اسی میں شامل ہوگئے۔

فهل عسيتم۔ یعنی یہ احتمال تو تمھیں ہونا چاہیے۔

أی فهل يتوقع منكم وينتظر. (روح، ج۲۶/ص:۶۸)

عسيتم۔ توليتم۔ اُوپر سے صیغۂ غائب چلا آرہا تھا، اب دفعۃً صیغۂ مخاطب کی طرف انتقال توبیخ وترہیب کے لیے ہے۔

وتقطعوا أرحامكم۔ دنیا اگر شریعت اسلامی سے محروم ہوجائے تو آخری انجام سب کا خانہ جنگی ہی پر ہو ——— عرب جاہلی میں باہمی قرابت ایک بڑی اہم چیز تھی، سو قرآن نے انھیں مخاطبین اول کو ڈرایا کہ اگر احکام شریعت نہ جاری ہوئے تو خود یہ پاس قرابت بالکل مضمحل ہوجائے

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ

اللہ نے لعنت کی ہے سوانھیں بہرا کردیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کردیا ہے ۲۷ تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟

اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ

یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں؟ ۲۸ بے شک جو لوگ پشت پھیر کر ہٹ گئے بعد اس کے کہ

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ذٰلِكَ

راہِ ہدایت ان پر صاف ظاہر ہو چکی تھی، انھیں شیطان نے چکمہ دیا، اور انھیں اور دُور کی سجھائی ۲۹ یہ اس سبب سے ہوا کہ

گا، اور بغاوت عزیز داری کے خلاف بھی شروع ہو جائے گی۔

واضح رہے کہ اسلام نے خود بھی بڑا پاس قرابت کا رکھا ہے۔

۲۷ (کہ نہ ندائے حق گوش قبول سے سنتے ہیں اور نہ راہِ حق دیکھتے ہیں)

الذین لعنھم اللّٰہ۔ یعنی حق تعالیٰ نے انھیں ان کے نفاق کے پاداش میں اپنی رحمتِ خاصہ سے دور کردیا ہے، سو اب اُن میں احکام پر عمل کی توفیق ہی نہ رہی۔

۲۸ (جس سے وہ ہر ہدایت سے غیر متاثر رہنے لگے ہیں)

أفلا یتدبرون القرآن۔ قرآن مجید پر اگر وہ جذبۂ حق طلبی و انصاف کے ساتھ غور و فکر کرتے رہتے تو اس کے اعجازی مضامین ان پر یقیناً کشف حقائق کر کے رہتے۔

عارفین نے اس آیت سے نکالا ہے کہ طولِ امل یعنی ہمیشہ بڑی بڑی آرزوؤں میں پڑے رہنا اور انھیں میں لگے رہنا ممنوع ہے۔

أم یہاں منقطعہ مان کر بل کے معنی میں بھی لیا گیا ہے، اور ترجمہ اس صورت میں یوں ہوگا کہ "یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، بلکہ یہ ہے کہ (اُن کے) دلوں پر قفل لگ رہے ہیں"۔

أم بمعنی بل. (کشاف، ج٤/ص:٣١٧، معالم، ج٤/ص:٢١٧)

أم إذا جُرِّد عن ألف الاستفهام فمعناه بل. (راغب، ص:٣١)

۲۹ (کہ رسول پر ایمان لے آنے سے فلاں فلاں مصلحتیں فوت ہو جائیں گی، اور فلاں فلاں نقصان لازم آجائیں گے)

بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ

کہ انھوں نے ان لوگوں سے جو اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو ناگوار سمجھتے ہیں کہا کہ ہم چند امور میں تمھارا کہنا مان لیں گے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ

اور اللہ اُن کی خفیہ باتوں کو خوب جانتا ہے ۳۰ سو اُن کا کیا حال ہوگا، جب فرشتے ان کی جان قبض کر رہے ہوں گے اور ان کے چہروں

وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا

پر اور پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے، یہ (سب) اس سبب سے ہوگا کہ یہ اس راہ پر چلے جو طریقہ اللہ کی ناخوشی کا تھا اور اس کی رضا سے

۳ ع ۹ ۷ رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

بیزار رہے سو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیے ۳۱ کیا جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ

من......الھدیٰ۔ یعنی یہ لوگ دلائل عقلی و نقلی کے واضح ہو جانے کے باوجود ضد اور خبث نفس سے کام لے کر قبولِ حق سے انکار کر رہے ہیں۔

تسویلاتِ شیطانی سے بس اللہ ہی محفوظ رکھے۔ اچھے اچھے مومنین تک اس مردود فریبنے کے کہے میں آ جاتے ہیں تو جو پہلے ہی سے ناقص الایمان یا ضعیف الایمان ہیں اُن کا تو ذکر ہی نہیں!

۳۰ (اور وہی وحی کے ذریعے سے اپنے رسول کو ان لوگوں کی خفیہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے باخبر کرتا رہتا ہے)

بأنهم۔ ضمیرھم۔ منافقین کی طرف ہے۔

يعني المنافقين. (معالم، ج ٤/ص:٢١٠٧)

وهذا شأن المنافقين يظهرون أن خلاف ما يبطنون. (روح، ج ٤/ص:١٦٢)

للذين كرهوا مانزّل الله۔ مراد رؤسائے مشرکین یا اکابر یہود ہیں، جنھیں ازراہِ حسد وعناد، نزولِ قرآن و رسالتِ محمدی سخت گراں گزر رہی تھی۔

سنطيعكم في بعض الأمر۔ یعنی گو ہم بظاہر اسلام قبول کر لیں گے، لیکن باطناً و عقیدۃً تمھارے ہی ساتھ رہیں گے۔

۳۱ یعنی اُن کے جو اعمال بظاہر خوشنما و مقبول معلوم ہوتے تھے، انھیں بالکل بے وزن

اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ

اللہ بھی اُن کی دلی عداوتوں کو کھول نہ دے گا؟ اور اگر ہم چاہتے تو ہم آپ کو ان کا پورا پتا بتا دیتے تو آپ انھیں ان کے حلیہ سے

بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾

پہچان لیتے اور آپ انھیں (ان کے) طرزِ کلام سے ضرور پہچان لیں گے اور اللہ تمھارے (سب کے) اعمال کو خوب جانتا ہے ۳۲

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۠

اور ہم ضرور تمھاری آزمایش کریں گے تاکہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور تم میں سے ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کر لیں اور تاکہ تمھاری

اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا

حالتوں کی جانچ کر لیں ۳۳ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انھوں نے اللہ کے راستے سے روکا (بھی) اور رسول کی

وبے حقیقت کر کے دکھلا دیا، اور ان کا انھیں کچھ صلہ نہ دیا۔

یہ اعمال حقیقۃً مردود وغیر مقبول تو شروع ہی سے تھے، اس لیے کہ ان کا مبنیٰ ومنشا ایمان تھا ہی نہیں، البتہ ان کی اس مردودیت کا ظہورِ کامل آخرت ہی میں ہوگا۔

ذٰلك۔ یعنی یہی مرتے وقت ان کی سزائے سخت۔

أی التوفی الهائل. (روح، ج۲۶/ص:۷۶)

ماأسخط الله۔ اللہ کی ناراضی کی باتیں، مثلاً کافروں کے ساتھ شرکت ومعاونت۔

رضوانه۔ اللہ کی رضامندی کی باتیں، مثلاً مومنین کی شرکت ومعاونت۔

۳۲ (اس لیے مومنین کے لیے ایمان پر جزا اور منافقین کے لیے نفاق پر سزا یقینی ہے)

ولتعرفنّهم فی لحن القول۔ یعنی باوجود ہمارے مفصل نہ بتانے کے آپ اپنی فراست ایمانی کی مدد سے ان کے لب ولہجہ پر غور کرنے سے اب بھی انھیں پہچان لیں گے۔

صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ یہ آیت اصل ہے فراست کی، لیکن فراست کی بنا پر جزم جائز نہیں۔

۳۳ (ظاہری طور پر بھی)

جانچ سے مراد صرف یہ ہے کہ یہ علم اور یہ جانچ کھلے خزانے سب کے روبرو ہو جائے، ورنہ حق تعالیٰ کے علم ازلی میں تو ظاہر ہے کہ ہر واقعہ ہمیشہ ہی سے موجود ہے۔

الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۭ

مخالفت کی، بعد اس کے کہ راہ ہدایت ان پر واضح ہو چکی تھی، ہرگز یہ لوگ اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے

وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا

اور اللہ ان کی کارروائیوں کو اکارت کر کے رہے گا ۳۴ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو

الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ

رسول کی، اور اپنے اعمال کو رائیگاں مت کرو ۳۵ بےشک جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستے سے انھوں نے

اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا

روکا پھر وہ کافر ہی مر بھی گئے تو اللہ انھیں ہرگز نہ بخشے گا ۳۶ سو تم ہمت مت ہارو اور انھیں صلح کی طرف

۳۴ یعنی اللہ کے دین و شریعت کی تباہی و بربادی کی جو کوششیں یہ لوگ کر رہے ہیں، وہ ہرگز کامیاب نہ ہونے پائیں گی، اور حکمتِ الٰہی ان کی ساری کوششوں اور سازشوں کو کچل کر رکھ دے گی۔

حبط اعمال پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔

من...... الھدیٰ۔ اس تبیینِ ہدایت کے اندر دلائلِ عقلی و شواہدِ نقلی سب آ گئے۔

۳۵ (کافروں کی طرح رسولؐ کی نافرمانی کر کے)

فرق یہ ہے کہ کافر کی نافرمانی اصول و عقائد تک پہنچ جاتی ہے اور مسلمان کی نافرمانی فروع و اعمال تک محدود رہتی ہے۔

و أطیعوا الرسول۔ رسولؐ کی اطاعت کرو، جو احکامِ الٰہی ہی کے مبلغ و منادی ہیں، اور اس طرح اُن کی اطاعت عین حق تعالیٰ ہی کی اطاعت ہوئی۔

آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ محض دعوئے ایمان نہیں، احکام خدا و رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے، ورنہ اندیشہ اعمال کے رائیگاں جانے کا لگا ہوا ہے۔

۳۶ مغفرت کی پہلی اور لازمی شرط ایمان ہے، اس کی تصریح قرآن مجید میں بار بار ہوئی ہے۔ ایمان تخم کے درجہ میں ہے، اور مغفرت اسی تخم کا شجر و ثمر ہے، بغیر تخم کے شجر و ثمر کے وجود میں

إِلَى السَّلْمِ ۖ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ ۖ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾

مت بلاؤ، اور تم ہی غالب رہو گے، اللہ تمھارے ساتھ ہے ۳۷ اور وہ تمھارے اعمال (کے اجر) میں ہرگز کمی نہیں کرے گا

إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۚ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ

(یہ) دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشا ہے، اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو (اللہ) تم کو تمھارے اجر

أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾ إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ

عطا کرے گا اور تم سے تمھارے مال طلب نہ کرے گا ۳۸ وہ اگر تم سے تمھارے مال طلب کرے اور آخری درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے

آجانے کی کوئی شکل ہی نہیں۔

۳۷ یعنی اللہ نہ دنیا میں تمھارا ساتھ چھوڑے گا، نہ آخرت میں۔

دوسری جگہ قرآن مجید نے اس أنتم الأعلون کو إن كنتم مؤمنين کے ساتھ مقید و مشروط، یعنی غلبہ کی شرط ایمانِ کامل ہے۔

فلا تهنوا۔ مراد یہ ہے کہ پست ہمتی کے مقتضا پر عمل نہ کرو، اور مایوسی کے خیال کو اپنے عمل پر غالب نہ آنے دو۔ ورنہ اعداء کی کثرتِ تعداد اور ساز و سامان اور اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی دیکھ کر طبیعت میں کمزوری اور پستی پیدا ہو جانا تو ایک امر طبعی ہے۔ ممانعت صرف اس کے مقتضا پر عمل کی ہے۔

وتدعوا إلى السلم۔ یعنی تمھیں کافروں کے مقابلے میں ہمت ہار کے اور ان سے دب کر خواہش صلح کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ تم اللہ کے محبوب ہو، کفار اس کے مبغوض ہیں۔

فقہائے مفسرین نے تصریح کر دی ہے کہ جس دعوتِ صلح کی یہاں ممانعت ہے وہ وہی ہے جو ضعف ہمت کی بنا پر کی جائے، ورنہ نفس دعوتِ صلح جب کہ وہ کسی مصلحت امت پر مبنی ہو، ہرگز ممنوع نہیں۔

۳۸ (اپنے نفع کے لیے)

إنما......لهو۔ یعنی ایسی دنیا جو خیال آخرت سے الگ ہو، اور اس سے وابستہ نہ ہو، اُس کی عمر ہی کیا، اور اس کی بساط ہی کیا؟ جو تم آخرت کے مقابلے میں اسے عزیز رکھے ہوئے ہو!۔۔۔ قرآن مجید نے دنیوی زندگی کو لہو ولعب جہاں بھی قرار دیا ہے، ہمیشہ آخرت ہی کے مقابلے میں رکھا ہے۔۔۔

تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ

تو تم بخل کرنے لگو اور (اللہ) تمھاری ناگواری ظاہر کردے ۳۹ ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تمھیں بلایا جاتا ہے اللہ کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ

خرچ کرنے کے لیے، سو تم میں سے بعض وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو کوئی بخل کرتا ہے وہ (درحقیقت) خود اپنے سے بخل کرتا ہے

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ

اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں بلکہ تم سب (اس کے) محتاج ہو ۴۰ اور اگر تم روگرانی کرو گے تو (اللہ) تمھاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا

نا متناہی اور متناہی کا مقابلہ ہی کیا!

وإن تؤمنوا و تتقوا۔ اسی ایمان وتقویٰ کا ایک جز جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے۔

یؤتکم أجورکم۔ حق تعالیٰ تمھیں اجر عطا کرے گا، نہ یہ کہ الٹا تم سے اپنے نفع کا طالب ہو۔

ولا یسئلکم أموالکم۔ مراد یہ ہے کہ مال جو جان سے کہیں ہلکی چیز ہے، وہ تک بھی حق تعالیٰ تم سے اپنے نفع کے لیے طلب نہیں کرتا۔

یہ دونوں باتیں اہل جاہلیت کی تردید میں کہی گئی ہیں، جو اپنے دیوتاؤں کو بھی انسانوں ہی کی طرح مال و دولت کا محتاج سمجھتے تھے۔

۳۹ یعنی تمھارے نہ خرچ کرنے سے جو ایک عمل ظاہری ہے، تمھاری گرانی طبع وناگواری کا پتا چلتا ہے۔

إن یسئلکموھا۔ یعنی اگر وہ تم سے مال تمھارے ہی نفع واجر کے لیے بطور امتحان طلب کرے۔

فیحفکم۔ یعنی سارے کا سارا مال طلب کرے۔

۴۰ (اور اس نے تمھاری حاجتمندی ہی کی رعایت سے، اس کے رفع کرنے کے لیے احکام تمھارے حق میں نازل فرمائے ہیں)

لتنفقوا فی سبیل اللہ۔ یہ انفاق فی سبیل اللہ ہمیشہ بندوں ہی کے نفع کے لیے، اور انھیں کی مصلحتوں کی رعایت سے ہوتا ہے۔ اور لفظ ''انفاق فی سبیل اللہ'' کی وسعت وتعمیم بھی ملحوظ رہے، ہر

ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے ۱۴۱

نیک عمل کی مالی امداد اس کے تحت میں آجاتی ہے۔

فإنما يبخل عن نفسه۔ اور ایسا شخص خرچ نہ کرکے اپنے ہی کو نفع دائمی سے محروم کردیتا ہے۔

واللّٰه الغني۔ وہ ہر طرح بے نیاز و غیر محتاج ہے، اس کا احتمال ہی نہیں کہ تمھارے بخل سے نقصان کچھ اس کا ہو۔

دنیا میں بہت سی مشرک جاہلی قوموں نے خود خدا تعالیٰ کی ذات کو محتاج اور محتاج تکمیل مانا ہے ـــــ اس قسم کی آیتیں برابر ان خرافات کی بھی تردید کر رہی ہیں۔

۱۴۱ (عدم تعمیل احکام میں۔ بلکہ نہایت فرماں بردار ہوں گے)

اس میں تعلیم ہے اس کی کہ انسان کبھی کسی خدمتِ دین کو اپنی ذات پر موقوف نہ سمجھے، اور عُجب و پندار میں مبتلا ہوکر اپنے کو ہرگز مدارِ دین نہ سمجھنے لگے۔

وإن تتولوا۔ یعنی تعمیل احکام سے روگردانی کرتے رہو گے۔

يستبدل قوماً غيركم۔ وہ کسی دوسری قوم کو لا کھڑا کرے گا، اور اپنی تکوینی حکمتوں کی تکمیل کا کام انھیں سے لے گا۔

(۴۸)

آیاتہا ۲۹ — ۲۹ آیتیں

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ

سورۂ فتح مدنی

رکوعاتہا ۴ — ۴ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝١ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ

بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ آپ کی (سب) اگلی پچھلی خطائیں

وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝٢

معاف کردے اور آپ پر احسانات کی (اور زیادہ) تکمیل کردے، اور آپ کو سیدھے راستے پر لے چلے

وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝٣ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ

اور اللہ آپ کو باعزت غلبہ دے ^ل^ وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے اہل ایمان کے دلوں میں تحمل

ل (جس سے آپ کو آیندہ پھر نہ دبنا پڑے)

إنا فتحنا۔ قرآن مجید جہاں انسانی سعی وتدبیر کی اہمیت اور اس کی تاکید سے لبریز ہے، وہیں اس کا بھی التزام ہے کہ کائنات کا ہر واقعہ فاعل حقیقی ہی کی جانب منسوب ہوتا رہے۔ إنا فتحنا کے زور وتاکید سے اشارہ اس طرف ہوگیا کہ یہ فتح مبین اللہ ہی کا عطیہ اور اللہ ہی کی عنایت کی ہوئی تھی، اسے کوئی بشری سعی وتدبیر کا نتیجہ نہ سمجھ لے۔

فتحاً مبیناً۔ مراد صلح حدیبیہ ہے، جس کے بعد اہل عرب کثرت سے اور جوق جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

نزلت هذه السورة الكريمة لما رجع رسول الله صلى الله عليه وسلم من الحديبية.

(ابن كثير، ج ٤/ص: ١٦٤)

والأكثرون على أنه صلح الحديبية . (معالم، ج٤/ص:٢٢٢)

٦ھ ہجری کا ماہ رجب (مطابق مارچ ۶۲۸ء) اور حکومت مکہ پر ابھی بدستور مشرکین قریش کا قبضہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خواب کی بنا پر کعبہ کی زیارت وعمرہ کا خیال پیدا ہوا۔ وقت کی سیاسی مصلحتیں بھی اس کی متقاضی تھیں کہ مکہ والوں سے مسالمانہ ومصالحانہ برتاؤ کر کے انھیں اسلام کے حق میں مفید بنایا جائے۔

آپؐ تقریباً چودہ سو احرام پوش صحابیوں کی جماعت کے ساتھ طواف کعبہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ احرام پوشی خود دلیل صلح جوئی وامن کوشی تھی، اور اس کو مزید وموکد ونمایاں کرنے کے لیے قربانی کے جانور بھی ساتھ تھے۔ شہر مکہ جانب سے شمال ۱۰-۱۲ میل کے فاصلے پر ایک مقام حدیبیہ ہے، جہاں سے حدود حرم شروع ہو جاتے ہیں، اور جس کا نام موجودہ جغرافیہ میں شمیسی ہے۔ ابھی یہ قافلہ وہیں پہنچا تھا کہ ادھر سے حکومت مکہ کی طرف سے مزاحمت کی اطلاع ملی، آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے مشورے سے آگے بڑھنے کے بجائے وہیں قیام فرما دیا، اور ایک قاصد کے ہاتھ اہل مکہ کے ہاں پیام کہلا بھیجا کہ ہم لڑنے کو نہیں، بلکہ صرف صلح وآشتی کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کو آئے ہیں۔ جواب نہ آیا تو آپؐ نے اپنے داماد حضرت عثمانؓ کو اپنا سفیر بلکہ مختار کل بنا کر روانہ کیا۔ سفارت کے لیے آپؐ کے انتخاب کی ایک مصلحت عجب نہیں جو یہ بھی ہو کہ آپؓ اموی تھے اور مکہ کا سب سے بڑا لیڈر اس وقت آپؓ ہی کا ہم خاندان ابوسفیان صخر بن حرب اموی تھا۔ ان کی واپسی میں بھی تاخیر ہوئی اور یہ بات مشہور ہو گئی کہ یہ سفیرِ رسول شہید کر دیے گئے، اس پر آپؐ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سب صحابہ سے جہاد کی بیعت لی، مشرکوں نے یہ سن کر حضرت عثمانؓ کو واپس بھیج دیا۔ اب مکہ کے چند سردار بھی آپؐ کی خدمت میں آئے اور گفتگو کے بعد ایک صلح نامہ مرتب ہوا، جس کی اکثر دفعات سے بظاہر مسلمانوں کی سبکی ہوتی تھی۔ اور اس لیے بعض صحابہ کو درمیان میں بہت جوش بھی آ گیا، مگر آپؐ نے سب کو روکا، اور بالآخر مشرکوں ہی کے شرائط پر صلح نامہ مرتب ہو گیا اور آپؐ مع صحابہ جاں نثار احرام اتار کر بغیر مکہ معظمہ تک پہنچے مدینہ واپس آ گئے ــــــ اس ظاہری شکست کو ''فتح'' ہی سے نہیں ''فتح مبین'' سے تعبیر کرنا حق تعالیٰ ہی کا کام تھا، کوئی بندہ تو ایسی خلافِ ظاہر پیش گوئی کی جرأت کر ہی نہیں سکتا۔

یہ معاہدۂ صلح مسلمانوں کی طرف سے بظاہر دبا ہوا تھا۔ سیر کبیر وصغیر میں امام سرخسیؒ نے اس کی توجیہ خوب کی ہے۔

كـان بيـن أهـل مـكة وأهل خيبر من المواخاة على أن رسول الله صلى الله عليه وآلـه وسـلـم إذا تـوجه إلى أحد الفريقين أغار الفريق الآخر على المدينة، فوادا ع أهل مكة حتى يأمن جانبهم إذا توجه إلى الخيبر (شرح السير الكبير، ج ١/ ص: ٢٠١)

"(مدینہ، مکہ وخیبر کے بیچ میں واقع ہے) اور اس وقت ان دونوں کے درمیان معاہدہ یہ تھا کہ پیمبرؐ اگر ایک فریق پر حملہ کریں، تو دوسرا فریق مدینہ پر دھاوا بولے، آپؐ نے مکہ والوں سے اس لیے نرم شرائط پر صلح کرلی کہ خیبر پر حملہ کرتے وقت مکہ والوں کی طرف سے بےفکری رہے۔"

بہرحال مورخین متفق ہیں کہ فتح مکہ، فتح خیبر، بلکہ آیندہ کی ساری اسلامی فتوحات کا سنگِ بنیاد یہی صلح حدیبیہ ہے۔

قـال الـزهـرى لـم يـكـن فتـح أعـظـم من صلح الحديبية، وذلك أن المشركين اختـلـطوا بالمسلمين فسمعوا كلامهم فتمكن الإسلام في قلوبهم أسلم في ثلاث سنين خلق كثير، وكثر بهم سواد الإسلام. (معالم، ج ٤/ص: ٢٢٢)

والـمراد به صلح الحديبية فإنه حصل بسببه خيرجزيل وآمن الناس واجتمع بعضهم ببعض، وتكلم المؤمن مع الكافر وانتشر العلم النافع والإيمان. (ابن كثير، ج ٤/ ص: ١٦٥)

ليـغـفـر لك ۔ یعنی اس کثرتِ اجر وقرب کی برکت سے، جو آپؐ کو اس واقعہ سے حاصل ہوا ہے، آپؐ کے مراتب اور بڑھا دیے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ ل تعلیل کَی کے مرادف ہے، اور علت غائیہ کے معنی میں ہے۔

مـعـنـاه إنـا فتحنا لك فتحاً مبيناً لكَي يجتمع لك المغفرة تمام النعمة في الفتح (معالم، ج ٤/ص: ٢٢٢)

واللام للعلة الغائية . (جلالين، ص: ٦٧٨)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا تعلق اس آیت سے ہے: واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنت۔

قال الحسين بن الفضل، هو مردود إلى قوله (واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنٰت)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ فتح سبب مغفرت نہیں بلکہ ليغفرلك سے متصل قبل فاستغفر محذوف ہے۔

الفتح ليس بسبب للمغفرة، والتقدير: إنا فتحنا لك فتحاً مبيناً فاستغفر ليغفرلك

اللہ . (مدارك، ص: ١١٤٠)

ما تقدم وما تأخر۔ یعنی سارے ہی ذنب۔ محاورے میں مراد کل سے ہوتی ہے۔

والمتقدم والمتأخر للاحاطة كناية عن الكل . (روح، ج:٢٦/ص:٩١)

من ذنبك۔ رسول معصومؑ کے سلسلے میں جہاں کہیں بھی ذنب یا اس کا کوئی مرادف آتا ہے، مراد اس سے ہمیشہ صرف صوری غلطیاں یا اجتہادی لغزشیں ہوتی ہیں، جیسا کہ پیشتر حاشیوں میں گزر چکا۔

والمراد بالذنب ما فرط من خلاف الأولىٰ بالنسبة إلى مقامه عليه الصلاة والسلام . (روح، ج٢٦/ص:٩١)

يتم نعمته عليك۔ یعنی آپؐ کے ہاتھ پر بکثرت لوگوں کو مسلمان کر کے، اور اس طرح آپ کے اجر و مراتب قرب میں بدرجہا اضافہ کر کے آپؐ پر اپنے انعام و افضال کی تکمیل کر دے ــــ آپ کی اجتہادی لغزشوں ہی سے درگزر نہ ہو، بلکہ جو سلسلہ آپؐ پر انعام و افضال الٰہی کا چل رہا ہے، اس کی بھی تکمیل ہو جائے۔

نعمته۔ آپؐ کو نبوت ملی، قرآن ملا، معجزات ملے، علوم و معارف ملے، یہ سب اسی افضال و نعامِ الٰہی کی فردیں ہیں۔

يهديك صراطاً مستقيمًا۔ یعنی آئندہ بلا کسی روک ٹوک، بلا حکومتِ مکہ کی طرف سے کسی مزاحمت کے آپ کے قدم آگے بڑھتے رہیں۔

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ اس واقعے کے بعد سے پھر سردارانِ مکہ میں آپ سے مقابلے کا دم خم باقی نہ رہا ــــ عین اس صلح و معاہدے کے وقت مدینہ کی اسلامی اسٹیٹ (ریاست) کا پس منظر کیا تھا؟ اپنے وقت کے ایک فاضل ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں سنئے:۔

"بنو قریظہ کے خاتمے پر خیبر کے بنو النضیر وغیرہ کی آتشِ غضب اور بھی بھڑک اٹھی۔ سرخسی شرح سیر کبیر (ا/ص:۲۰۱) کے مطابق ان میں اور مکہ والوں میں یہ معاہدہ ہو گیا کہ اگر اب مسلمان انسدادی مہم کے لیے مکہ کی طرف جائیں تو خیبری اور خیبر کی طرف جائیں تو مکی لوگ مدینے پر (جو فوجوں سے خالی رہے گا) چڑھ دوڑیں، اور شہر کو لوٹ لیں۔ اور اگر کسی طرف بھی نہ جا کر مدینے میں رہیں تو وسیع تر تیاریوں سے خندق ثانی کا انتظام ہو رہا تھا۔" (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص:۲۶۵)

الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ

پیدا کیا تا کہ (اپنے) پہلے ایمان کے ساتھ (ان کا) ایمان اور زیادہ ہو جائے، اور اللہ ہی کی مِلک آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۴﴾ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ بڑا جاننے والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ﴿۴﴾ (اور یہ اس لیے) تا کہ وہ ایمان والوں اور ایمان والیوں کو

يهديك۔ ينصرك۔ نکتہ سنجوں نے کہا ہے کہ يهديك سے مراد نفی مغلوبیت یا دفع مضرت ہے اور ينصرك کا حاصل اثباتِ قابلیت یا حصولِ منفعت ہے۔

۴ چنانچہ جب مصلحت قتال کی ہوگی، حکم قتال کا دے گا، جب مصلحت ترکِ قتال کی ہوگی، حکم ترکِ قتال کا دے گا۔ ہر حکم بہر صورت اس علیم کے علم کامل اور حکیم کی حکمت کامل کے ماتحت ہی ہوگا۔

أنزل السكينة۔ سکینة کے معنی تسلی اور اطمینانِ قلب کے ہیں، اور یہی شے استقامت اور صبر و ثبات کی بنیاد ہے، اور یہ لفظ اہل لغت کی تحقیق میں نور اور قوت اور روح کا جامع ہے۔

السكينة السكون والطمانينة. (كشاف، ج٤/ص:٣٢٥)

فسروها بشيئ يجمع نوراً وقوةً وروحاً بحيث يسكن إليه ويتسلى به الحزين.

(روح، ج٢٦/ص:١٢٩)

اس موقع خاص پر سکینتِ الٰہی کا ظہور دو طرح پر ہوا ہے: ایک تو یوں کہ بیعت جہاد کے وقت صحابہ باوجود اس کے کہ گھر سے نکلتے وقت کوئی خیال بھی قتال کا نہ تھا، عزمِ جہاد پر ثابت و مستعد رہے۔ دوسرے اس طرح کہ مسلمانوں نے مشرکینِ مکہ کی سرتاسر بیجا ضد دیکھی، لیکن نہ قابو سے باہر ہوئے، نہ جوش سے بے خود ہوگئے۔

ليزدادوا إيماناً مع إيمانهم۔ یعنی اس خاص سکینت قلب کے پیدا ہو جانے سے اہل ایمان کے قلب میں اور زیادہ انشراح اور اُن کے نورِ باطنی میں اور زیادہ نورانیت پیدا ہوگئی، اور ایمان استدلالی و برہانی کے ساتھ ساتھ ایمان عیانی بھی نصیب ہوگیا۔

فيحصل لهم الإيمان العياني والإيمان الاستدلالي البرهاني. (روح، ج٢٦/ص:١٣٠)

جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا وَیُکَفِّرَ عَنۡهُمۡ

ایسے باغوں میں داخل کردے جن کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں، ان میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ ان کے گناہ ان سے

سَیِّاٰتِهِمۡ ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ عِنۡدَ اللّٰهِ فَوۡزًا عَظِیۡمًا ۙ﴿۵﴾ وَّیُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ

دور کرے اور یہی اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے ۳ اور تاکہ وہ نفاق والوں

طاعت میں یہ خاصہ بھی ہے کہ ہر نئے امر طاعت سے نورِ ایمان میں اور ترقی ہوتی رہتی ہے۔

''اور یہ جو ہمارے امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ الإیمان لایزداد ولاینقص (ایمان میں نہ کمی ہوتی ہے نہ بیشی) سو اس سے اُن کی مراد ذات ایمان یا نفس ایمان سے ہے جو قابل تجزی نہیں، باقی اس کے اوصاف و آثار میں کمی بیشی تو روزمرہ کا مشاہدہ ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔''

وللّٰه......الأرض۔ تم تو اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی پر نظر نہ کرو، خدا اپنے خدائی لشکروں سے تمھاری امداد و تائید ہر طرح کرسکتا ہے۔

جنود السمٰوات و الأرض۔ ان آسمانی اور زمینی لشکروں کے عموم کے تحت میں فرشتے اور ساری مخلوقات ہر نوع اور ہر طبقے کی آ گئی۔

۳ یہاں یہ تعلیم ہے کہ فوری، ظاہری، مادّی فتح نہیں، بلکہ جنت کے امتحان میں کامیابی ہی اعلیٰ کامیابی ہے۔

ویکفر عنهم سیاتهم۔ ایک بار پھر اس کا اظہار فرمادیا گیا کہ مومنین اہل جنت معصوم اور بے قصور نہ ہوں گے، لغزشیں اور خطائیں ان سے بھی سرزد ہوئی ہوں گی، البتہ ان کے گناہوں کا کفارہ کرادیا جائے گا۔

لیدخل......سیئاتهم۔ یعنی یہ ادخالِ جنت اور کفارۂ سیئات جو کچھ بھی ہوگا، سب اطاعت امر ہی کی بدولت ہوگا ــــــ گویا اس کلیہ کا اثبات کہ فضیلت و مقبولیت کا مدار اطاعت ہی ہے۔

المؤمنین و المؤمنات۔ اس تصریح نے یہ بتادیا کہ وجوب اطاعت احکام اور پھر اس کے ثمرے میں حصول قرب و فضیلت کے لحاظ سے مرد و عورت ہر دو جنس یکساں ہیں۔

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ

اور نفاق والیوں اور شرک والوں اور شرک والیوں کو عذاب دے جو اللہ کے ساتھ بُرے بُرے گمان رکھتے ہیں ۴

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ

ان پر بُرا وقت پڑنے والا ہے، اور اللہ ان پر غضبناک ہوگا، اور انھیں رحمت سے دور کر دے گا، اور ان کے لیے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے ۵ اور اللہ ہی کی مِلک آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ

عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا

بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ۶ بے شک ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا

۴ (اور اللہ سے بدگمانی کے تحت میں تکذیب رسول اور جملہ عقائد کفر و شرک داخل ہیں)

ویعذب...... المشرکت۔ عذاب منافق و مشرک دونوں کو کفر مشترک کے پاداش میں ہوگا ــــــ مشرکین، مشرکات کا جرم تو ظاہر ہی ہے کہ وہ رسول اور صحابۂ رسول کی مزاحمت کر رہے تھے اور منافقین اس جرم میں شریک اس حیثیت سے تھے کہ وہ بھی اسلام سے اپنے بغض و عناد کی بنا پر آرزومند اُسی کے تھے کہ مسلمان جنگ سے زندہ بچ کر واپس نہ آئیں۔

ظآنین...... السوء۔ غلبۂ اسلام و مسلمین کے جتنے بھی وعدے تھے، مشرکین و منافقین انھیں سب جھوٹ سمجھ رہے تھے، اور یہی اُن کی بڑی بدگمانی ذات حق تعالیٰ سے تھی۔

۵ وہ بُرا وقت تو دنیا ہی میں پڑا تھا، لیکن ذکر اب اس سے کہیں بڑھ کر عذاب آخرت کا ہے۔

علیھم دائرۃ السوء۔ بُرا وقت دنیا میں مشرکینِ مکہ پر یوں پڑا کہ چند ہی روز میں قتل و گرفتاری سے ہر طرح مغلوب و مقہور ہوکر رہے اور منافقین کی باقی ساری عمر مسلمانوں کی ترقی و غلبہ سے جَل جَل کر اور کُڑھ کُڑھ کر کٹی۔

۶ (اس لیے مصلحتوں اور حکمتوں ہی کے تقاضے سے نزول عذاب میں توقف کر رہا ہے، حالانکہ وہ بربادیٔ کفار پر ہروقت ہر طرح قادر ہے، جب چاہے دم بھر میں صفایا کر دے)

وَنَذِيرًا ﴿٨﴾ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۚ وَتُسَبِّحُوهُ

اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۷ (اس لیے) تاکہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو، اور اس کی تعظیم کرو اور صبح و شام

بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ

اس کی تسبیح میں لگے رہو ۸ بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ

للّٰہ جنود السمٰوٰت والأرض۔ یہ الفاظ ابھی پہلے بھی گزر چکے ہیں، مگر وہاں اس سے مقصود تھا مومنین کے غالب کرنے پر قادر ہونا جس کا حاصل تسلیہ ہے، اور اب مقصود ہے کفار کے مقہور کرنے پر قادر ہونا جس کا حاصل تہدید ہے، اسی لیے یہاں حکیماً کے ساتھ عزیزاً فرمایا۔ (تھانوی، ج۲/ص:۵۴۶)

۷ چنانچہ بشارت اور انذار کا ظہور تو اسی دنیا میں ہوا، اور آپ مومنین کے حق میں مُبَشِّر ثابت ہوئے اور کافروں کے حق میں نذیر۔ لیکن آپ کے شاھد ہونے کا ظہور آخرت میں ہوگا، جب آپ قیامت کے دن اعمال امت پر گواہی دیں گے۔

تشهد على أمتك يوم القيامة. (مدارك، ص:١١٤١)

۸ اس تسبیح و تقدیس کی تفسیر نماز سے بھی کی گئی ہے۔ اس صورت میں مراد اس سے فرض نمازیں ہوں گی۔

يريد تصلوا له. (معالم، ج٤/ص:٢٢٤)

اور مطلق ذکر بھی اس کے معنی کیے گئے ہیں، اس صورت میں مراد ذکر مندوب ہوگا۔

بکرۃ و اصیلاً۔ بعض نے صبح و شام سے مراد عموم اوقات یعنی دوام لی ہے۔

يحتمل أن يكون إشارة إلى المداومة. (كبير، ج٢٨/ص:٧٥)

يكنى عن جميع الشيئ بطرفيه كما يقال شرقاً وغرباً لجميع الدنيا . (روح ٢٦/ص:٩٦)

تعزّروہ۔ اس کی مدد کرو، یعنی اللہ کے دین کی مدد کرو۔

توقروہ۔ یعنی اللہ کی تعظیم عقیدے میں بھی کرو اور عمل سے بھی۔ عقیدۃً یوں کہ اسے جامع کمالات و اوصاف حسنہ سمجھو، ہر عیب، ہر نقص سے پاک و بالاتر۔ اور عملاً یوں کہ اس کی اطاعت کرو ـــــ آیت میں ضمیر واحد چاروں جگہ حق تعالیٰ ہی کی جانب ہے۔

فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنۡكُثُ

ان کے ہاتھوں پر ہے ۹ سو جو کوئی عہد توڑے گا تو اس کے عہد توڑنے کا وبال

الضمائر لله عزوجل، والمراد بتعزير الله تعزير دينه ورسوله صلى الله عليه وسلم، ومن فرق الضمائر فقد أبعد (مدارك، ص:١١٤١، كشاف، ج٤/ص:٣٢٦)

والظاهر أن الضمائر عائدة على الله تعالىٰ. (بحر، ج٨/ص:٩١)

بعض نے تعزروہ اور توقروہ کی ضمیریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب پھیری ہیں۔

هذه الكنايات راجعة إلى النبى صلى الله عليه وسلم. (معالم، ج٤/ص:٢٢٤)

اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ آپ کی سنت کے اتباع واجرا میں جان ومال سے شریک رہو۔ آپ کی اعانت وتعظیم کا تارک، عاصی ہوگا۔

۹ (اور آپؐ سے بحیثیت رسول ان کی بیعت گویا حق تعالیٰ سے ہی ان کی بیعت ہوئی)

إن الذين يبايعونك۔ یہ بیعت صحابہ نے حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر عزمِ جہاد اور آخر تک ثابت قدم رہنے پر کی تھی، جب یہ خبر اڑی تھی کہ حضرت عثمانؓ جو بحیثیت سفیرِ رسول مکہ میں گئے ہوئے تھے، انھیں مشرکوں نے شہید کرڈالا، اور اس پر یہ رائے ٹھہری تھی کہ اب مشرکوں سے جنگ ناگزیر ہوگئی ہے۔ ان بیعت کرنے والے صحابیوں کی تعداد بروایت اصح ۱۴۰۰ تھی۔

لفظ ''بیعت'' ہمارے عوام کی زبان پر بطور ایک اصطلاح تصوف کے جاری ہے، اور بیعت لینے کا حق صرف مرشدِ طریقت کا سمجھا جاتا ہے، قرآن مجید میں یہ حق حوارِیِ رسول کا بتایا گیا ہے، اور عہد اطاعت کے لفظی معنی میں آیا ہے۔

إنما يبايعون الله۔ یہ اس لیے کہ حقیقۃً ان کا مقصود طاعتِ الٰہی ہی پر بیعت کرنا تھا ——— اللہ کے رسول کی اطاعت کا عہد عملاً ومعناً اللہ ہی کی اطاعت کا عہد ہوتا ہے، اور قرآن مجید میں یہی مضمون دوسری طرح بھی آیا ہے: ومن يطع الرسول فقد أطاع الله۔

لأن المقصود من بيعة الرسول عليه الصلاة والسلام واطاعته إطاعة الله تعالى وامتثال أوامره. (روح، ج٢٦/ص:٩٦)

عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ

اسی پر پڑے گا ۱۰ اور جو کوئی اس چیز کو پورا کرے گا جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے تو اللہ اسے عنقریب

وهو نحو (من يطع الرسول فقد أطاع الله) . (جلالين، ص:٦٧٩)

يد الله فوق أيديهم یہ بھی بیعت ہی سے کنایہ ہے، اس لیے یہ گویا ماقبل کی اور تاکید ہوگئی۔

أكّده تأكيداً على طريق التخييل. (كشاف، ج٤/ص:٣٢٦)

مؤكد له على سبيل التخييل. (بيضاوى، ج٥/ص:٨٢)

اور یوں گویا اس حقیقت کا اظہار کرادیا گیا کہ اللہ ہر طرح حاضر وناظر، ان کے اقوال کا سننے والا اور ان کی نیتوں کی خبر رکھنے والا ہے۔

أى هو حاضر معهم يسمع أقوالهم ويرى مكانهم ويعلم ضمائرهم وظواهرهم فهو تعالىٰ هو المبايع بواسطة رسول الله صلى الله عليه وسلم . (ابن كثير، ج٤/ص:١٦٧)

ید کے معنی محاورے میں غلبہ ونصرت کے بھی آتے ہیں۔

يقال اليد لفلان أى الغلبة والنصرة والقهر. (كبير، ج٢٨/ص:٧٥)

روى الواحدى عن ابن كيسان اليد القوة أى قوة الله تعالىٰ ونصرته فوق قوتهم ونصرتهم . (روح، ج٢٦/ص:٩٧)

اور یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ جب پیمبر کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے تو خدا کا ہاتھ بھی اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہوا۔

ويقال لأولياء الله هم أيدى الله وعلىٰ هذا الوجه قال عزّ وجلّ : إن الذين يبايعونك الخ.. فإذا يده عليه الصلاة والسلام يد الله، وإذا كان يده فوق أيديهم فيد الله فوق أيديهم . (راغب، ص:٦١٢)

اور یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے ہاتھ کہاں؟ یا کوئی سا بھی وصف جسمانی ومادی کہاں؟

الله منزه عن الجوارح وعن صفات الأجسام. (مدارك، ص:١١٤٢)

ف ۱۰ یعنی جو کوئی بجائے طاعت کے مخالفت کرے گا، وہ خود ہی اپنی سزا کو پہنچے گا،

ع۱۰/۹

اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۱۰﴾ سَیَقُوۡلُ لَکَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ شَغَلَتۡنَاۤ

بڑا اجر دے گا ۱۱ جو دیہاتی (اس سفر میں) پیچھے رہ گئے وہ عنقریب آپ سے (آ کر) کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال

اسے اس کے نتائج کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

فقہاء نے کہا ہے کہ چونکہ الفاظ عام ہیں، اس لیے وعید کچھ اسی بیعت رضوان کے ساتھ مخصوص نہیں، جو کوئی جس عہد واجب الایفاء کو توڑے گا، اسی حکم میں داخل ہے۔

فمن نکث۔ وعید کے تحقق کے لیے ضروری ہے کہ نقض عہد عمداً ہوا ہو یا دانستہ بے اعتنائی سے، باقی اگر کسی نے مجبوری سے یا محض سہو سے ایسا کیا اور اب نادم وخائف ہے تو وہ ناکث نہیں، شریعت کی نگاہ میں محض خاطی ٹھہرے گا۔

۱۱ آیت کا سبب نزول گو ایک متعین واقعۂ بیعت ہے، لیکن بشارت ہر اُس عہد کے لیے عام ہے، جو بندۂ مومن اپنے مالک ومولا سے کرے۔

علیہُ۔ اس کا اعراب عام دستور کے خلاف یہاں ہُ کے ضمہ کے ساتھ ہے، گو دوسری قرأت ہِ کے کسرے کے ساتھ بھی منقول اور تواتر کے ساتھ منقول ہے، بلکہ قرأت بالضم تو صرف حفص کی قرأت میں ہے، باقی جمہور کے نزدیک تو یہاں بھی بالکسر ہی ہے۔

وقرأ الجمهور (عليه) بكسر الهاء كما هو الشائع وضمها حفص هنا. (روح، ج٢٦/ص:٩٧)

وقرأ الجمهور (عليهَ الله) بنصب الهاء. (بحر، ج٨/ص:٩٢)

اور یہ دونوں اعراب بالکل جائز ہیں، صاحب روح نے اس پر ذرا تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

قرطبی، جلد۲/آیت ۷۵، سورۃ البقرہ، أفتطمعون أن يؤمنوا لكم وقد كان فريق منهم الخ کے تحت میں امام نحو سیبویہ کے حوالے سے ہے کہ قبیلہ ربیعہ کے لوگ مِنهُم کو کسرۂ میم کی رعایت سے مِنهِم (کسرۂ "ہ" کے ساتھ) پڑھتے ہیں۔

قال سيبويه: وأعلم أن ناساً من ربيعة يقولون "مِنهِم" بكسر الهاء اتباعاً لكسرة

اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ

اور ہمارے عیال نے فرصت نہ لینے دی تو آپ ہمارے حق میں معافی کی دعا کردیجیے ۱۲ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان

قُلُوْبِهِمْ ۗ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا

کے دلوں میں نہیں ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ وہ کون ہے جو اللہ کے سامنے تمہارے لیے کسی چیز کا بھی اختیار رکھتا ہو، اگر (اللہ) تمھیں کوئی نقصان

اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۗ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ

یا کوئی نفع پہنچانا چاہے، نہیں، بلکہ اللہ ہی تمھارے سب اعمال سے (خوب) باخبر ہے ۱۳ اصل یہ ہے کہ تم نے یہ سمجھ لیا تھا

المیم. (قرطبی، ج ۲/ص: ۱)

۱۲ یعنی اللہ تعالیٰ سے سفارش کر دیجیے کہ ہمارے اس عذر کی بنا پر ہم سے مواخذہ ترک جہاد کا نہ کیا جائے۔

استغفار کی درخواست باوجود عذر صحیح کے اگر غیر مخلص کی طرف سے ہو تو ریا فی الاخلاص پر محمول ہوگی، اور اگر مخلص کی طرف سے ہو تو اس کی بنا یہ ہے کہ عذر کا عذر ہونا اکثر امر اجتہادی ہوتا ہے اور اجتہاد کا مدار تحرّی پر ہوتا ہے، اس میں بعض اوقات تسویل نفسانی وشیطانی سے تامّل یا عمل بمقتضائے تامل میں کوتاہی ہو جاتی ہے، لہٰذا استغفار کی حاجت ہوتی ہے۔'' (تھانوی، ج ۲/ص: ۵۴۷)

سیقول لك۔ یعنی آپؐ کے مدینہ پہنچنے پر کہیں گے ــــــ سورۃ کا نزول دورانِ سفر ہی میں ہوا تھا۔

شغلتنا أموالنا وأهلونا۔ یعنی ہم اپنی مالی اور خانگی ضرورتوں میں ایسے الجھے رہے کہ ارادہ ونیت رکھنے کے باوجود نوبت شرکت جہاد کی نہ آسکی ــــــ یہ سب بطور سخن تراشی تھا۔

۱۳ (اور وہی تمھارے تخلف کے اصلی وجوہ سے بھی مطلع کرسکتا ہے)

یقولون ...... قلوبهم۔ یعنی ان کی یہ ساری ہی تقریر منافقانہ ہے۔ نہ ان کی یہ معذرت ہی صحیح ومطابق واقعہ ہے اور نہ وہ آپؐ کی نبوت کے معتقد اور آپؐ کے استغفار کے قائل ہیں ــــــ اس تصریح نے یہ بات صاف کردی کہ یہ لوگ کمزور قسم کے مسلمان نہ تھے، بلکہ پورے منافق تھے۔

فمن ...... نفعاً۔ تو قضائے الٰہی کے مقابلے میں تم اپنے مال وعیال کے کس نقصان کو

اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ

کہ رسول اور مومنین اپنے گھروالوں میں لوٹ کر کبھی نہ آئیں گے اور یہ بات تمھارے دلوں میں خوشنما بھی

فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا ۢ بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ

معلوم ہوئی تھی، اور تم نے بُرے بُرے گمان قائم کیے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے ۱۴ اور جو کوئی

يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے گا سو ہم نے کافروں کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے، اور اللہ ہی کی

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

مِلک ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت، وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے

روک سکتے تھے؟

۱۴ یعنی اپنے عقائد اور ان خیالات کی بنا پر جو تمام تر مخالفتِ اسلام کے مرادف تھے، ہر طرح مستحق عذاب وہلاکت ہو گئے۔

بل......قلوبکم۔ یعنی تم اس خیال میں مگن تھے کہ اب کی سردارانِ مکہ ان بے سروسامان مسلمانوں کا بالکل قلع وقمع ہی کر دیں گے اور انھیں زندہ سلامت واپس ہی نہ آنے دیں گے۔

ظننتم......قلوبکم۔ ظننتم، کنتم۔ خطاب سارے موقعوں پر منافقین سے ہے، جن کے دل ایمان سے خالی تھے، اور جو مسلمانوں کے دل سے بدخواہ تھے۔

وظننتم ظنّ السوء۔ بدگمانیاں یہی کہ دین جاہلیت کو از سرِ نو فروغ ہوگا، اور اسلام کی جدید اصلاحی تحریک کا جھنڈا سرنگوں ہو جائے گا ـــــــ وہی جو کچھ منافقین کے دلوں میں تھا۔

وکنتم میں اگر معنی ماضی کے لیے جائیں، یعنی ''تم تھے ایک ہلاک ہونے والی قوم''، تو مراد ہوگی کہ علمِ الٰہی ازلی میں۔

في علم الله تعالیٰ الأزلي. (روح، ج۲۶/ص:۱۰۰)

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ

اور اللہ تو بڑا بخشنے والا ہے، بڑا رحمت کرنے والا ہے ۱۵؎ یہ پیچھے رہ جانے والے عنقریب جب تم غنیمتیں لینے

اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ

چلو گے تو کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو ہم تمھارے ساتھ ہو لیں ۱۶؎ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل

۱۵؎ (چنانچہ مشرک بھی جو ہر طرح مستحق عذاب ہو چکتا ہے، اگر ایمان لے آئے تو بخش دیا جاتا ہے)

وللّٰه ......الأرض۔ عالمِ ناسوت یا عالمِ آخرت، ہر عالم میں سکۂ حکومت بس اسی خالق یکتا و بے ہمتا کا چلتا ہے، وہی ایک مطلق الاختیار ہے، قوتِ مدبّرہ سارے کائنات میں اسی ایک کی ہے۔

يغفر لمن يشاء و يعذب من يشاء۔ یعنی مغفور ہونے اور معذب ہونے دونوں کے اسباب اسی کے قوانین تکوینی کے ماتحت ہیں، ساری کائنات اور اسی کے حوادث اسی کی مشیت کے مسخر ہیں۔

۱۶؎ صلح حدیبیہ کے کچھ ہی روز بعد یعنی محرم ۷ھ میں معرکۂ خیبر پیش آیا، جس میں مسلمانوں نے دولتمند و پُرقوت یہودیوں پر فتح عظیم پائی۔ خیبر مدینہ سے شمال و مغرب میں چار منزلوں پر واقع تھا، خیبر میں سات مضبوط قلعے تھے، جو پہاڑیوں پر واقع تھے، اور خیبر والوں کو ان قلعوں پر ناز تھا، ان میں سے ایک قلعہ نامور پہلوان مرحب کے نام سے منسوب حصن مرحب کہلاتا تھا، میجر جنرل محمد اکبر خان کی کتاب ''حدیث دفاع'' میں ہے:۔

''یہودیوں نے درۂ خیبر میں مختلف مقامات پر چھوٹے بڑے آطام اور قلعے بنا رکھے تھے، یہ قلعے ایسے ہی تھے جیسے پشاور اور کوہاٹ کے درمیان یا پاکستان کے درۂ خیبر میں مختلف مقامات پر گڑھیوں، بُرجوں اور قلعوں کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ یہ ساری گڑھیاں اور قلعے وہاں کے رہنے والوں کی اور علاقے کے ایک خاص حصے کی حفاظت کرتے ہیں، اور بیرونی حملہ آور کے مقابلے میں ایک زبردست سلسلہ وار حفاظتی مورچے کا حکم رکھتے ہیں۔'' (ص: ۲۶۰-۲۶۱)

آیت میں اسی پیش آنے والے واقعہ کا ذکر بطور پیش خبری ہے۔

سيقول المخلفون۔ اخلاص منافقین کے اس قول میں بھی نہ ہوگا۔ اب یہ جو ساتھ چلنے کو

اللّٰهِ ؕ قُلۡ لَّنۡ تَتَّبِعُوۡنَا كَذٰلِكُمۡ قَالَ اللّٰهُ مِنۡ قَبۡلُ ۚ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ بَلۡ

ڈالیں آپ کہہ دیجیے تم ہرگز ہم لوگوں کے ساتھ نہیں چل سکتے، اللہ نے پہلے سے یوں ہی فرما دیا ہے ۱۷؎ اس پر یہ لوگ کہیں گے کہ نہیں بلکہ

کہیں گے تو محض مال غنیمت کی حرص وطمع میں ـــــــ خیبر کی دولت کا ذکر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی زبانی:۔

''خیبر کی دولتمندی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں شادیوں کے موقع پر انھیں سے زیورات کرایے پر لیا کرتے تھے، اور ایک مرتبہ ضائع شدہ زیور کا ہرجانہ دس ہزار دینار ادا کیا تھا۔'' (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، ص:۲۶۶)

إذا......لتأخذوها۔ ان آیات کے نزول کا وقت خوب خیال میں رکھ لیا جائے! جنگ ابھی نہ ہوئی ہے۔ یہ اسباب وقرائن ظاہرا ابھی شروع ہونے کو ہے۔ قرآن مجید دعویٰ وتحدی کے ساتھ نہ صرف وقوع جنگ کی پیش گوئی کر دیتا ہے، بلکہ نتیجۂ جنگ یعنی مسلمانوں کی فتح اور یہود کی مغلوبیت وہزیمت کا بھی اتنے قبل سے اعلان کیے جا رہا ہے! ـــــــ بجز عالم الغیب والشہادۃ کے کوئی بھی ایسی پیش گوئیوں کی جرأت کر سکتا ہے؟

إذا انطلقتم۔ واقعۂ مستقبل کا ذکر صیغۂ ماضی سے عربی میں اُسی وقت آتا ہے، جب اس واقعۂ آیندہ کا وقوع یا پیش گوئی کا تحقق بالکل قطعی اور یقینی ہو۔

إلی مغانم لتأخذوها۔ اس میں اشارہ منافقین کی حرص وطمع کی طرف بھی آگیا ـــــــ تاریخ میں نام فزارہ وغطفان کے قبیلوں کا آتا ہے کہ یہی اپنا حصہ لگوانے کے مطالبے میں آگے آگے تھے۔

ذرونا نتبعکم۔ منافقین کو اب شرکتِ جہاد سے ممانعت کر دی گئی تھی۔ یہ درخواست اسی حکم امتناعی کی منسوخی کے لیے ہو رہی ہے۔

انطلقتم نتبعکم۔ تم اور کم کی ضمیریں (جمع مخاطب کی) مسلمانوں کے لیے ہیں۔

۱۷؎ یہ جواب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کرایا جا رہا ہے ـــــــ طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہادِ خیبر کی تیاریاں فرمانے لگے تو آپؐ نے یہ صاف فرما دیا کہ میرے ساتھ بس وہی چل سکتے ہیں جو واقعی جہاد کا شوق رکھتے ہیں: فقال لا یخرجن معنا إلا راغب في الجهاد. (ج۲/ص:۱۰۶)

تَحۡسُدُوۡنَنَا ؕ بَلۡ کَانُوۡا لَا یَفۡقَهُوۡنَ اِلَّا قَلِیۡلًا ⑮ قُلۡ لِّلۡمُخَلَّفِیۡنَ

تم ہم سے حسد کرتے ہو، اصل یہ ہے کہ یہ لوگ بہت ہی کم بات سمجھتے ہیں ۱۸ آپ ان پیچھے رہ جانے والے

کلام اللہ۔ یعنی حق تعالیٰ کا یہ حکم کہ خیبر بجز اہل حدیبیہ کے اور کوئی نہ جائے۔

قال مقاتل یعنی أمر اللہ نبیه صلی اللہ علیه وسلم أن لا یسیر منهم أحدٌ.
(معالم، ج ٤/ص:٢٢٦)

کلام کی دوسری تفسیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسے حق تعالیٰ کے وعدۂ تکوین کے معنی میں لیا جائے۔

قال مجاهد وقتادة وجویبر وهو الوعد الذی وعد به أهل حدیبیة واختاره ابن جریر. (ابن کثیر، ج ٤/ص:١٧١)

اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ اللہ نے مومنین مخلصین سے یہ جو وعدہ کر رکھا ہے کہ خیبر کی غنیمت صرف تمھیں کو ملے گی، اسے یہ منافقین اپنی شرکت سے جھٹلا دینا چاہتے ہیں۔

لن تتبعونا۔ لن یہاں مطلق تابید کے لیے نہیں، بلکہ صرف غزوۂ خیبر تک کے لیے محدود ہے اور کلام میں زور وتاکید پیدا کرنے کے لیے ہے۔

إلی خیبر. (معالم، ج ٤/ص:٢٢٦)

وهو الانطلاق إلی خیبر. (روح، ج ٢٦/ص:١٠٢)

وهی للمبالغة فی النفی. (بحر، ج ٨/ص:٩٤)

أن یبدلوا کلام اللہ اور قال اللہ من قبل۔ دونوں جگہ مراد رسولؐ ہی کی زبان سے مواعید الٰہی ہیں، ورنہ خود قرآن میں تو یہ وعدے کہیں مذکور نہیں، جن نافہموں نے ہمارے زمانے میں قول رسول کی حجیت دینی سے انکار شروع کیا ہے، ان کی تردید کے لیے ایسے نصوص قرآنی کیسے قاطع ہیں!

کذلکم......قبل۔ یعنی ہم تمھاری درخواست ہرگز منظور نہیں کرسکتے، ہم کو پہلے ہی سے یہ حکم الٰہی مل چکا ہے کہ اوروں کو مت ساتھ لے جانا۔ دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ تم زبان سے کچھ بھی کہو، تم بہرحال ہمارے ساتھ جانے پر قادر نہ ہوسکو گے، وعدۂ الٰہی یہی ہے اور وہ غلط نہیں ہوسکتا۔

۱۸ منافقوں کی کم فہمی بلکہ نافہمی اسی سے ظاہر ہے کہ مومنین صادقین ومخلصین جن کے ہاں حسد ونفسانیت کا گزر نہیں، اُن کے صحیح اور واقعی جواب کو حسد ونفسانیت پر محمول کر رہے ہیں۔

مِنَ الۡاَعۡرَابِ سَتُدۡعَوۡنَ اِلٰی قَوۡمٍ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ تُقَاتِلُوۡنَهُمۡ

دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تم ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے یا تو ان سے لڑتے رہو

اَوۡ یُسۡلِمُوۡنَ ۚ فَاِنۡ تُطِیۡعُوۡا یُؤۡتِکُمُ اللّٰهُ اَجۡرًا حَسَنًا ۚ وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا

یا وہ مطیع (اسلام) ہو جائیں ۱۹ سو اگر تم (اس وقت) اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں نیک عوض دے گا اور اگر روگردانی کرو گے

فسیقولون بل تحسدوننا۔ یعنی یہ منافقین کہیں گے کہ یہ کوئی حکم خداوندی نہیں، بلکہ تم ہی یہ نہیں چاہتے ہو کہ ہم اس نفع میں شریک ہوں، اس لیے ہم سے یہ بہانے تراش رہے ہو——— انسان اپنے ہی پیمانے سے دوسروں کو ناپتا ہے۔ منافقین نے اپنے ہی نفس پر قیاس کر کے یہ بات مسلمانوں کے حق میں کہہ دی۔

بل......قلیلا۔ منافقین اور وہ بھی دیہاتی، سمجھ ہی کیا سکتے تھے کہ مجاہد کا ظرف کتنا بلند ہوتا ہے۔

۱۹ (خواہ مسلمان ہو کر خواہ ذمی بن کر)

من الأعراب۔ دوبارہ اس کی تصریح ہے کہ یہ منافقین شہری نہیں، دیہاتی تھے۔ اور دیہاتیوں کا درجۂ کفر و نفاق شہریوں سے بڑھا ہوا تھا۔ الأعراب أشد كفراً و نفاقاً.

قوم......شدید۔ اس پیش گوئی میں صاف اشارہ رومہ اور ایران کی مسیحی و مجوسی باقاعدہ اور آلات جدیدہ سے مسلح فوجوں اور لشکروں کی جانب ہے۔

وأخرج سعيد بن منصور وابن جرير وابن المنذر عن الحسن قال: هم فارس والروم. (روح، ج۲۶/ص:۱۰۲)

وقال كعب هم الروم. (روح، ج۲۶/ص:۱۰۲)

وعن عطاء بن أبي رباح ومجاهد في رواية، وعطاء الخراساني وابن أبي ليلى هم الفرس. (روح، ج۲۶/ص:۱۰۲)

بعض نے لشکر بنی حنیفہ بھی مراد لی ہے، جن کے خلاف حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جہاد کیا تھا۔ اور فقہائے مفسرین نے اس سے خلیفۂ اول و دوم کے خلیفۂ راشد ہونے پر استدلال کیا ہے۔

كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى

جیسا کہ اس کے قبل رُوگردانی کر چکے ہوتو وہ تمھیں عذاب دردناک کی سزا دے گا ۲۰ کوئی گناہ نہ اندھے

فهو دليل على صحه إمامة أبي بكر وعمر وعثمان رضى الله عنهم لأن أبا بكر الصديق دعاهم إلى قتال بني حنيفة ودعاهم عمر إلى قتال فارس والروم وقد ألزمهم الله اتباع طاعة من يدعوهم إليه. (جصاص، ج۳/ص:۳۹۳)

وفي الآية دلالة صحة خلافة الشيخين حيث وعدهم الثواب على طاعة الداعي عند دعوته. (مدارك، ص:۱۱۳۳)

ستدعون......شديد۔ یعنی اگر اجر حاصل کرنا مقصود ہے تو اس کی تخصیص کچھ اسی موقع کے ساتھ نہیں، خیبر کے بعد بھی شدید معرکے ہوں گے، ان میں شریک ہو جانا۔

يسلمون۔ اسلام یہاں لغوی معنی میں ہے۔ یہ لازمی نہیں کہ فریق محارب اپنا دین بدل کر اسلام اصطلاحی ہی قبول کرلے، بلکہ جزیہ دے کر رعایائے اسلام بن جانا اور حکومت اسلام کی اطاعت قبول کرلینا بھی يسلمون ہی کے مفہوم میں داخل ہے۔

ومعنى يسلمون ينقادون ليتناول تقبلهم الجزية . (بيضاوى، ج٥/ص:٨٣)

فينبغي أن يراد بقوله يسلمون ينقادون، لأن وضع الجزية عليهم مشروع . (أحمدى، ص:٦٦٣)

على معنى يكون أحد الأمرين إما المقاتلة أو الإسلام . (روح، ج٢٦/ص:١٠٤)

''مطیع (اسلام)'' یہ ترجمہ تھانویؒ کا ہے، سابق کے ترجموں سے اسے ممتاز کرنے والا۔ قدیم ترجموں میں ترجمہ ''مسلمان شوند'' یا ''مسلمان ہو جائیں'' ہے۔

أو۔ کلمۂ أو یہاں اظہار شک وتردد کے لیے نہیں، بلکہ دوشقوں کو متعین کردینے کے لیے ہے۔

فأو للتنويع والحصر لا للشك وهو كثير . (روح، ج٢٦/ص:١٠٤)

۲۰ یہ منافقین کو ایک موقع اور دیا جا رہا ہے۔ اب بھی ان کے لیے مہلت وگنجایش ہے کہ چاہیں تو اپنے اسلام کو مستند ومصدق کرالیں۔

فإن تطيعوا۔ دینی اگر اب بھی تم لوگ حکم خداوندی کی اطاعت کروگے، شریک جہاد ہو جاؤگے۔

حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ

پر ہے اور نہ کوئی گناہ لنگڑے پر ہے اور نہ کوئی گناہ بیمار پر اور جو کوئی کہنا

يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ

مانے گا اللہ اور اس کے رسول کا، اسے ان ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی

وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٧﴾ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور جو کوئی روگردانی کرے گا اسے وہ عذاب دردناک کی سزا دے گا ۲۱ بے شک اللہ خوش ہوا ان مسلمانوں سے

اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ

جب کہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے، اور اللہ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا، سو اللہ نے ان میں اطمینان

عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا

پیدا کردیا اور ان کو ایک لگے ہاتھ فتح بھی

یؤتکم...... حسناً ۔ پچھلی غلطیاں اب بھی معاف ہوسکتی ہیں، یہ نہ ہوگا کہ ان کے انتقام میں تم اپنی فی الوقت طاعت وعبادت کے اجر سے محروم رکھے جاؤ۔

وإن...... أليماً ۔ آیت کے اس جز سے مزید روشنی خلافت اول ودوم کی حقانیت پر پڑ گئی۔

فدل على صحة إمامتهما إذ كان المتولي عن طاعتهما مستحقاً للعقاب.

(جصاص، ج۳/ص: ۳۹٤)

فوجب أن يكون الداعي مفترض الطاعة. (مدارك، ص: ١١٤٤)

۲۱ اطاعت واعراض دونوں راہیں کھلی ہوئی ہیں ـــــــ اور دونوں کے ثمرات، نجات وعذاب بھی بالکل واضح ہیں۔

لیس...... المریض حَرَجٌ ۔ یعنی یہ شرکت جہاد کا حکم علی الاطلاق ہر فرد کے لیے نہیں۔ جو معذور یا بیمار ہیں، وہ اس حکم سے شروع ہی سے مستثنیٰ ہیں۔ عتاب تو صرف ان پر ہے جو بلا کسی عذر قوی کے خواہ مخواہ غیر حاضر رہے۔

قَرِيبًا ﴿١٨﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَّأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا

دے دی ۲۲؎ اور بہت سی غنیمتیں بھی جنھیں یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ بڑا زبردست ہے

۲۲؎ اشارہ فتح خیبر کی جانب ہے ــــ خیبر پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔

إذ يبايعونك۔ اسی بیعت کا ذکر ہے جو آپؐ نے مقام حدیبیہ میں مسلمانوں سے عزمِ جہاد پر حضرت عثمانؓ کی خبر شہادت سن کر لی تھی، اسی بیعت کا مشہور نام بیعت الرضوان ہے۔

لقد......المؤمنين۔ یہ ان خوش نصیب مومنین کے لیے مستقل پروانۂ رحمت ہے ــــ اللہ اللہ! محض عزمِ جہاد پر اصل جہاد کا اجر دے دیا!

آیت ان اصحاب بیعت کی صحت ایمان پر ایک شہادت نصّی ہے۔

فيه الدلالة على صحة إيمان الذين بايعوا النبى صلى الله عليه وسلم بيعة الرضوان بالحديبية. (جصاص، ج۳/ص:۳۹۴)

فدل على أنهم كانوا مؤمنين على الحقيقة أولياء الله إذ غير جائز أن يخبر الله برضاه عن قوم بأعيانهم إلا وباطنهم كظاهرهم فى صحة البصيرة وصدق الإيمان. (جصاص، ج۳/ص:۳۹۴)

تحت الشجرة۔ یہ درخت کیکر (سمرہ) کا تھا ــــ بعض روایتوں میں (اور یہ روایتیں کچھ زیادہ قوی نہیں) آیا ہے کہ یہ درخت حضرت عمرؓ کے زمانے تک قائم وسلامت رہا، مگر آپؓ نے جب دیکھا کہ لوگوں کا حسن اعتقاد اس درخت کے ساتھ حدود سے متجاوز ہو کر ضعیف الاعتقادی اور وہم پرستی تک پہنچا جاتا ہے تو آپؓ نے اسے کٹوا ڈالا۔

ما فى قلوبهم۔ ان مومنین صادقین کے دلوں کا جذباتِ اخلاص و وفاداری سے لبریز ہونا تو ظاہر ہی ہے، ممکن ہے اپنی بے سروسامانی پر نظر کر کے خوف طبعی میں بھی کسی درجہ میں ہو۔

فأنزل السكينة عليهم ۔اور اس نزول سکینت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کو حکم الٰہی کے ماننے میں ذرا پس وپیش نہ رہا۔

فقہاء نے اس سے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ نیت اگر صادق ہے تو توفیق الٰہی ضرور دستگیری کرے گی۔

وهذا يدل على أن التوفيق يصحب صدق النية. (جصاص، ج۳/ص:۳۹۴)

حَكِيمًا ﴿١٩﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ

بڑا حکمت والا ہے ۲۳؎ اللہ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے کہ تم انھیں لوگے سو (ان میں سے) یہ (فتح) تمھیں سر دست

هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُونَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ

دے دی ہے اور (غیر) لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے، اور تاکہ یہ اہل ایمان کے لیے ایک نمونہ ہوجائے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی راہ پر

صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢٠﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ

ڈال دے ۲۴؎ اور ایک اور (فتح) بھی ہے جو (ابھی) تمھارے قابو میں نہیں آئی ہے اللہ اسے احاطۂ قدرت میں لیے ہوئے ہے

فعلم ما فی قلوبھم۔ اس سے ان اصحاب بیعت کے صدق ایمان و صدق نیت کی اور زیادہ تاکید اور تقویت ہوگئی۔

أخبر أنه علم من قلوبهم صحة البصيرة وصدق النية وأن ما أبطنوه مثل ما أظهروه. (جصاص، ج۳/ص:۳۹٤)

۲۳؎ وہ اپنی قدرت سے جس کو بھی چاہے، اور اپنی حکمت سے جب بھی چاہے فتح وغلبہ دے دیتا ہے۔

مغانم کثیرۃ تأخذونھا۔ مشہور مسیحی سیرت نگار سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ اتنا مال غنیمت اس سے قبل کبھی مسلمانوں کو نہیں ملا تھا۔ کھجور، تیل، شہد، جو کے عظیم الشان ذخیرے، بھیڑوں کے گلے، اونٹوں کی قطاریں، اور ان سب کے علاوہ بکثرت نقدی اور زیورات یہ سب ہاتھ لگے۔ ابن ہشام نے بھی اس تقسیم غنیمت کی تفصیل لکھی ہے۔

۲۴؎ (اور وہ سیدھی راہ اللہ کے وعدوں پر وثوق و اعتماد کی ہے)

وعدکم......تأخذونھا۔ یہ غنائم کثیر کے وعدے پہلے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور پھر خلافت راشدہ کے دور میں بار بار اور کثرت سے پورے ہوتے رہے ـــــ خطاب یہاں عام امت سے ہے۔

هی علی ما قال ابن عباس ومجاهد وجمهور المفسرين، وعد الله تعالى إلى المؤمنين من الغنائم إلى يوم القيامة. (روح، ج۲۶/ص:۲۲۹)

وهی الفتوح التی تفتح لهم إلى يوم القيامة. (معالم، ج٤/ص:۲۲۹)

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢١﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور اللہ تو ہر شے پر قادر ہے ۲۵ اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے

لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٢٢﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ

تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے اور پھر انھیں نہ کوئی یار ملتا نہ مددگار ۲۶ اللہ نے (بھی) دستور کر رکھا ہے جو

فعجل ...... عنکم ۔ یعنی اُن اغیار و اشرار پر تمھارا رعب بیٹھ گیا اور انھیں ہمت ہی تم سے زیادہ مقابلے کی نہ پڑی۔

الناس کا اشارہ خصوصی یہود خیبر اور اُن کے حلیفوں کی جانب ہے۔

يعنى أيدى أهل خيبر و حلفائهم. (مدارك، ص:١١٤٤)

مشرکین عرب کے کئی کئی قبیلے یہودِ خیبر کے حلیف تھے: بنی اسد، غطفان وغیرہما۔

ھذہ یعنی اسی فتح خیبر اور اس کی غنیمتیں۔

يعنى مغانم خيبر . (مدارك، ص:١١٤٤)

لتكون آية للمؤمنين۔ یعنی مومنین کا ایمان اور مضبوط ہو گیا ــــــ یہ ایک خالص علمی و اعتقادی نفع ہوا۔

ويهديكم صراطاً مستقيماً۔ یعنی اللہ کے وعدوں پر اعتماد اور قوی ہو گیا ــــــ یہ ایک خالص عملی و اخلاقی نفع ہوا۔

گویا علاوہ مادی و مالی نفع کے یہ دینی نفع بھی دو دو حاصل ہو کر رہے۔

۲۵ (اور ایک اسی واقعہ کی کیا تخصیص ہے)

قدرتِ کاملہ کا استحضار رفع استبعاد و استعجاب کے لیے ہے۔ فتح مکہ مخاطبین کو بہت سی مستبعد، دور از قیاس نظر آ رہی تھی۔

لم تقدروا عليها۔ وہ فتح ابھی تک تمھارے بس میں نہیں آئی ہے، لیکن اس کا اشتیاق درجۂ کمال میں رکھتے ہو۔

قد أحاط الله بها۔ اور اللہ جب چاہے گا اُسے واقع کر دکھائے گا۔

۲۶ (جو انھیں قہر الٰہی کی اس گرفت سے بچا سکتا)

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

پہلے سے چلا آرہا ہے، اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی ردوبدل نہ پائیں گے ۲۷ وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے

كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ

ان کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے بطن مکہ میں روک دیئے، بعد اس کے کہ

اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِيْنَ

تم کو ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تمھارے کاموں کو خوب دیکھ رہا تھا ۲۸ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے

الذین کفروا ۔ اشارہ خصوصی یہود خیبر کی طرف ہے۔ انھیں کو مدد کی بڑی توقعات مشرکین عرب کے قبائل بنوغطفان وغیرہ سے تھیں، انھوں نے عین وقت پر صاف جواب دے دیا ــــــ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں :۔

''فزارہ وغطفان خیبر کے حلیف تھے۔ راستے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ناطرفدار رہنے کا حکم دیا، مدینے کی کھجور کا لالچ بھی دیا جو بے سود رہا، اور جب انھوں نے نہ مانا تو فوجی نقل وحرکت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تبدیلی کی کہ ان عرب قبائل کو اپنی بستیوں اور بیوی بچوں کی حفاظت ہی ضروری ہوگئی، اور خیبر کی پوری معرکہ آرائی میں پھر انھوں نے کوئی حرکت نہیں کی۔'' (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، ص: ۲۶۵-۲۶۶)

۲۷ یعنی اللہ نے جو ضابطے قاعدے مقرر کر رکھے ہیں، مجال نہیں کہ کوئی مخلوق اس میں کچھ دخل دے سکے۔

سنۃ......قبل۔ یہی اہلِ حق کے غلبہ اور اہل باطل کی مغلوبیت کا (بشرطیکہ کوئی وقتی حکمت ومصلحت اس کے معارض نہ ہو) دستور آج سے نہیں، شروع سے چلا آرہا ہے۔

۲۸ (چنانچہ ایسا کام اس نے تمھارے ہاتھ سے نہ ہونے دیا جس کا نتیجہ قتال ہوتا)

وھو......عنھم۔ یعنی تم مسلمانوں اور مشرکوں کو باہمی قتل وقتال سے روک دیا۔ کُم صیغۂ جمع مخاطب مسلمانوں کے لیے ہے اور ھم صیغۂ جمع غائب مشرکین مکہ کے لیے ــــ اشارہ صلح حدیبیہ کی جانب ہے۔

أيديكم عنهم۔ حدیبیہ میں ابھی نامہ و پیام جاری تھا کہ ایک روز فجر کے وقت کوہِ تنعیم سے نکل کر اسّی آدمیوں کے ایک دستے نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، مگر اُلٹے خود ہی گرفتار ہو گئے۔ جرم سنگین، بالکل کُھلا ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو سب کو قتل کرا دیتے، اس کے بجائے آپ ؐ نے سرے سے معاف کر کے سب کو رہا کر دیا۔ احادیث میں اِس کا ذکر ہے، اور مفسرین نے بھی یہ پہلو اختیار کیا ہے۔

عن أنس أن ثمانين هبطوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه عن جبل التنعيم عند صلاة الصبح وهم يريدون أن يقتلوه فأُخذوا أخذاً فأعتقهم رسول الله صلى الله عليه وسلم . (ترمذی،أبواب تفسير القرآن، رقم:٣٢٦٤)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال : لما كان يوم الحديبية هبط على رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه ثمانون رجلاً من أهل مكة بالسلاح، من قبل جبل التنعيم، يريدون غرّة رسول الله صلى الله عليه وسلم فدعا عليهم فأخذوا، قال عفان: فغفا عنهم . (ابن كثير، ج٤/ص:١٧٣)

ببطن مكة۔ بطن مکہ سے مراد حدیبیہ ہے، جسے کمال قرب واتصال کی بنا پر بطن مکہ ہی قرار دے دیا گیا۔

حدودِ حرم حدیبیہ ہی سے شروع ہو جاتے ہیں، اور فقہائے حنفیہ کے ہاں حرم کے اندر حدیبیہ کا ایک جز بھی شامل ہے۔

أي بالحديبية لأن بعضها منسوب إلى الحرم . (مدارك،ص:١١٤٥)

من ......عليهم۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس سے اشارہ فتح مکہ کی جانب سمجھ کر استنباط یہ کیا ہے کہ مکہ صلح کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ جنگ سے مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا۔

وبه استشهد أبو حنيفة رضي الله عنه على أن مكة فتحت عنوة لا صلحاً. (مدارك،ص:١١٤٥)

مكة۔ یہ لفظ پہلی بار، اور اِسی ایک بار قرآن مجید میں آیا ہے، اگرچہ اس کے دوسرے ذاتی صفاتی ناموں سے اس کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے: بكه اور البلد الحرام، اور البلد الأمين وغيرہا۔

مکہ دنیائے اسلام کا مشہور و معروف شہر ہے۔ امت کا مقدس ترین معبد خانۂ کعبہ اسی سرزمین پر واقع ہے، یہ شہر عرب کے صوبۂ حجاز میں طول البلد مشرقی کے ۴۰ درجہ اور عرض البلد شمالی کے

۲۱ درجہ ۳۰ دقیقہ پر ہے۔ خط استوا، قریب ہی سے گزرا ہے۔ خشک پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے، جو دو سو سے لے کر چھ سو فٹ تک بلند ہیں اور یہی گویا شہر کا قدرتی شہر پناہ کا کام دیتی ہیں، شہر سطح سمندر سے ۳۲۰ میٹر بلند ہے۔ دن اور رات اکثر برابر رہتے ہیں، زیادہ سے زیادہ فرق آدھ گھنٹے کا ہو جاتا ہے۔

شہر کی قدامت پر قدیم سے قدیم شہادتیں موجود ہیں۔ خانۂ کعبہ کے گرد مکانات کی تعمیر کا سلسلہ قصی بن کلاب بن مرہ کے وقت سے منقول ہے۔ یہ قصی اجداد قریش میں سے ہوا ہے، اور قریش کے سارے فضائل اسی کی اولاد میں جمع تھے۔

كان الشرف والرياسة من قريش في الجاهلية في بني قصي، لا ينازعونه ولا يفخر عليهم فاخر فلم يزالوا ينقاد لهم ويرأسون وكانت لقريش ست مآثر كلها لبني قصي دون سائر قريش، منها الحجابة والسقاية والرفادة والندوة واللواء والرياسة.

(المحبر، ص: ١٦٤-١٦٥)

’’جاہلیت میں قریش کی بزرگی و سرداری بنی قصی کے حصے میں تھی، جس میں کسی کو نزاع نہ تھا، اور نہ کوئی فخر کرنے والا ان کے مقابلے میں فخر کرتا، بلکہ سب لوگ انھیں کی اطاعت کرتے اور انھیں کو اپنا سردار مانتے، قریش کے اختیارات چھ قسم کے تھے اور وہ سب کے سب بنی قصی ہی میں جمع ہو گئے تھے، یعنی حجابت اور سقایت اور رفادت اور ندوت اور لواء اور ریاست۔‘‘

بنی ہاشم بن عبد مناف اسی سلسلے قصی کی ایک شاخ کا نام ہے۔

مکہ کی حیثیت علاوہ مذہبی زیارت گاہ ہونے کے، ایک مرکز تجارت اور بڑی منڈی ہونے کی بھی شروع سے چلی آ رہی ہے۔ یہ عین اسی شاہراہ پر تھا جو زمانۂ قدیم میں جنوب کو شمال سے اور مشرق کو مغرب سے ملاتی تھی، یعنی ایک طرف یمن و بحر ہند، ایران و ہند، بلکہ چین تک کا مال اسی راستے سے جاتا تھا، اور دوسری طرف افریقہ، فلسطین، شام، روم اور بحر روم کے تجارتی قافلے اسی راستے سے گزرتے تھے۔ یہ عظیم الشان تجارت قریش مکہ ہی کے ہاتھ میں تھی، ان کے قافلوں میں کوئی دس بیس نہیں، دو دو تین تین ہزار کی تعداد میں ہوتے تھے، حفاظت کے لیے مسلح سپاہ دو دو تین تین سو کی تعداد میں ہوتی تھی، اور مشترک کمپنیوں کے اصول پر مکہ کے چھوٹے بڑے سب اس تجارت میں شریک ہوتے، اور قلیل سرمایہ لگا کر کئی گنا نفع حاصل کرتے۔

كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا

کفر کیا اورتم کو مسجدحرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو جو رُکا ہوا رہ گیا تھا

اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ

اس کو موقع پر پہنچنے سے روک دیا ۲۹ اور اگر (بہت سے) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تمھیں خبر بھی نہ تھی یعنی

اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ

ان کے کچل جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کے باعث تمھیں بھی نادانستگی میں ضرر پہنچتا (تو) ابھی سب قضیہ طے کر دیا جاتا ۳۰ (لیکن ایسا نہیں ہوا) تا کہ اللہ اپنی رحمت میں

۲۹ (اور اس طرح جرم در جرم کے مرتکب ہو چکے تھے)

المسجد الحرام۔ اس کے تحت میں خانۂ کعبہ اور اس کے ملحقات و توابع سب داخل ہیں۔

والهدی...... محلہ۔ یعنی قربانی کے جانور کو منیٰ کی قربان گاہ میں پہنچنے سے روک دیا۔ مسلمان عمرے کی نیت سے گئے تھے اور قربانی کے جانور ساتھ لے گئے تھے، یہی خیال تھا کہ منیٰ پہنچ کر جانور بھی قربان کریں گے۔

والمراد المحل المعهود وهو منى. (مدارك، ص:١١٤٥)

والمراد مكانه المعهود وهو منى . (روح، ج٢٦/ص:١١٣)

فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ قربانی کی جگہ حدودِ حرم کے اندر ہی ہے۔

وفي الآية دلالة على أن المحل هو الحرم فلو كان محله غير الحرم لما كان معكوفاً عن بلوغه. (جصاص، ج٣/ص:٣٩٤)

۳۰ یعنی ابھی تمھیں قتال کا حکم دے کر سب کا کام تمام کرا دیا جاتا، لیکن اس حکم نہ دینے کی ایک مصلحت یہ تھی کہ تمھاری بے خبری و لاعلمی میں مکہ کے مسلمانوں کا بھی خون ہو جاتا، اور تمھیں اس سے جو غم و صدمہ یا گناہ ہوتا وہ الگ۔

”اگر یہ شبہ ہو کہ بے خبری میں گناہ بھی کیوں ہوگا تو جواب یہ ہے کہ جہاں بے خبری کا رفع قدرت میں ہو اور رفع میں کوشش نہ کی جائے، اس کا گناہ ہوگا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ میں اس کا احتمال کب ہے کہ وہ کوشش میں کوتاہی کرتے۔ جواب یہ ہے کہ بعض اوقات اس طرف التفات نہیں ہوتا کہ ہم

مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾

داخل کرے جس کو چاہے ۳۱؎ اگر یہ (مسلمان) کہیں ٹل گئے ہوتے تو ان میں سے جو کافر تھے انھیں ہم دردناک عذاب دیتے ۳۲؎

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ

(اور وہ وقت یاد کرو) جب (ان) کافروں نے اپنے دلوں میں عصبیت، عصبیت جاہلی کو جگہ دی، لیکن اللہ نے

اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى

اپنی طرف سے تحمل اپنے رسول اور مومنین کو عطا کیا ۳۳؎ اور (اللہ نے) انھیں تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا

سے کوتاہی ہوئی اور صحابہ سے بے التفاتی کا صدور محلِ اشکال نہیں‘‘ (تھانوی، ج ۲/ص: ۵۵۲)

ولو......تعلموھم۔ بہت سے کلمہ گو، مرد اور عورتیں دونوں، مکہ معظمہ میں مشرک حکومت کے درمیان محبوس ومظلوم موجود تھے۔

۳۱؎ (چنانچہ یہاں یہی ہوا، اور اندرونِ مکہ اور بیرون دونوں کے مسلمانوں پر اللہ کا فضل خاص رہا)

۳۲؎ یعنی مسلمانوں ہی کے ہاتھوں انھیں قتل کرا دیتے۔

لو تزیّلوا۔ یعنی مسلمان اگر مکہ سے باہر چلے گئے ہوتے اور شہر میں موجود نہ ہوتے۔

منھم۔ یعنی اہل مکہ میں سے۔

۳۳؎ (اور اسی سکینتِ الٰہی کا اثر یہ ہوا کہ مسلمان جوش میں آ کر لڑ نہیں بیٹھے)

مشرکین کی بے جا ضد اور مسلسل اشتعال انگیزی کا طبعی تقاضا تو بالکل یہی تھا کہ مسلمان بھی لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے، لیکن اللہ کے نزولِ سکینت (اطمینانِ قلب وسکونِ خاطر، ضبط نفس، شانتی) کا اثر پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا، اور پھر آپؐ کے واسطے سے عام مومنین پر۔

إذ......الجاھلیۃ۔ یعنی جب مشرکوں کی طرف سے بے دینی والی عصبیت کا اظہار ہونے لگا تھا ــــ جب صلح نامہ مرتب ہونے لگا اور مسلمانوں کی طرف سے حضرت علیؓ اس کی کتابت کرنے لگے تو مکہ کی مشرک حکومت کے نمایندوں نے مطالبہ اس قسم کے اشتعال انگیز شروع کیے:۔

(۱) معاہدے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھی جائے۔

(۲) معاہدے پر صرف محمد بن عبداللہ لکھا جائے، محمد رسول اللہ نہ لکھا جائے۔ وقس علیٰ ہٰذا۔

ع ۹ ۲

وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۲۶ لَقَدْ

اور وہ اس کے مستحق بھی ہیں اور اہل بھی اور اللہ تو ہر شے کا (پورا) علم رکھتا ہے ۳۴ بے شک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے سارے مطالبات کو منظور فرماتے چلے گئے۔

حمية الجاهلية۔ الجاهلية پر حاشیہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا۔ حمية یعنی ضد، نفسانیت، تعصب۔ جاہلیت اسلام کی ضد ہے، اور مشرکانہ تہذیب وتمدن (کلچر) کے پورے مفہوم کو شامل۔ مراد یہ ہے کہ جب ان مشرکوں کی رگِ تعصب بھڑک اٹھی۔

۳۴ (چنانچہ اس معاہدے کے بھی نتائج قریب وبعید دونوں کا۔ اور اسی نے وحی خفی سے اپنے رسولؐ کو بھی ان اسرار ودقائق سے مطلع کردیا)

كلمة التقوىٰ۔ یہاں تقوے کی بات رسول کی اطاعت تھی، اور یہ اسی کا مقتضا تھا، جس سے پُرجوش مسلمانوں نے اپنے کو قابو میں رکھا ــــــ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں:۔

''اسے جب مسلمانوں نے منظور کرلیا اور معاہدے کے متن میں بجائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے خالص اسلامی فارمولے کے، قریشی فارمولا "باسمك اللّٰهم" لکھا جانا، اور ''محمد رسول اللہ'' کی جگہ ''محمد بن عبداللہ'' لکھا جانا طے ہوا، تو گویا فتح قریش ہی کی ہوئی اور انھیں دبنا پڑا، اور بظاہر یہ صحیح بھی تھا، اور مسلمان سپاہیوں میں عام طور پر رنج کی لہر دوڑ گئی، حتی کہ حضرت عمرؓ جیسے دقیقہ رس مدبر بھی اپنی بے چینی کو چھپا نہ سکے، لیکن مسلمانوں میں نظم وضبط اتنا کچھ آچکا تھا کہ جب حضورؐ نے فرمایا کہ یہ طے ہوچکا ہے اور آپؐ اس کو پسند کرتے ہیں، تو پھر کسی کی مجال نہ تھی کہ سوائے خاموشی اور اطاعت شعاری کے کچھ اور کریں۔'' (رسول اکرم صلی اللہ کی سیاسی زندگی، ص: ۱۰۶)

كانوا أحق بها۔ اس استحقاق تقویٰ کا تعلق اسی دنیا سے ہے، یعنی مسلمانوں کے قلوب میں طلب حق ہے، اور یہی انھیں اطاعت رسول پر جمائے ہوئے ہے۔

وأهلها ۔ اس اہلیت تقویٰ کا تعلق عالم آخرت سے ہے، یعنی اس کا اجر وثواب انھیں آخرت میں ملے گا۔

قيل أريد أنهم أحق بها في الدنيا وأهلها بالثواب في الآخرة ۔ (روح، ج۲۶/ ص:۱۱۹)

صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا مطابق واقع کے تم لوگ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ

انشاء اللہ، امن وامان کے ساتھ سر منڈاتے ہوئے اور بال کتراتے ہوئے اور تمہیں اندیشہ (کسی کا بھی) نہ ہوگا ۳۵

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْ

سو اللہ کو وہ (سب کچھ معلوم) ہے جو تمہیں معلوم نہیں پھر اس نے اس سے پہلے ہی ایک لگتے ہاتھ فتح دے دی ۳۶ وہ (اللہ) وہی

اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ

تو ہے جس نے اپنے پیمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ ؕ

اور اللہ کافی گواہ ہے ۳۷

۳۵ یعنی بالکل امن وامان کے ساتھ، بلاکسی خطرے کے۔

المسجد الحرام۔ یہاں بھی مراد خانۂ کعبہ اور اس کے ملحقات وتوابع سے ہے۔

محلّقین رء وسکم ومقصرین۔ حلق۔(سر کے بال منڈانا) اور قصر (سر کے بال کترانا) شعائر حج وعمرہ میں سے ہیں۔

لقد...... بالحق۔ مطلب یہ ہے کہ نفس مشاہدہ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کرایا گیا، وہ بالکل سچا تھا، یعنی یہی کہ آپ مع مومنین یقیناً زیارت وطواف کریں گے، لیکن خواب میں یہ تو نہ تھا کہ یہ اسی سال واقع ہوگا ـــــ آخر آپؐ نے ایک سال بعد ذی قعدہ ۷ھ میں عمرہ ادا فرمایا۔

۳۶ (اس خواب کی تعبیر فوراً نہ پوری ہونے کی تلافی کے طور پر)

فتحاً قریبا۔ مراد اسی فتح خیبر سے ہے، جیسا کہ اوپر بھی ذکر آچکا ہے۔

فعلم مالم تعلموا۔ اس یک سالہ مدت کی تاخیر میں جو جو حکمتیں اور مصلحتیں تھیں، ان کا بندوں کو کیا علم!

۳۷ (آپؐ کی رسالت کا)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ

محمدؐ اللہ کے پیمبر ہیں ۳۸ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ تیز ہیں کافروں کے مقابلے میں (اور) مہربان ہیں

اور اللہ کی گواہی کا ظہور دنیا میں یوں ہوا کہ اللہ نے آپ کی رسالت پر دلائل قوی قائم کردیے ــــــ بلحاظ اعجازِ قرآنی بھی اور بلحاظ آپؐ کے دوسرے کمالاتِ اعجازی بھی۔

رسوله۔ کھلی ہوئی مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

بالھدیٰ۔ سامانِ ہدایت یا قرآن۔

دین الحق۔ یعنی دین اسلام۔

لیظھره علی الدین کلّه۔ یہ غلبہ معنوی حیثیت سے، یعنی بلحاظ قوتِ دلائل تو ہمیشہ ہی قائم رہا ہے، باقی مادی وصوری حیثیت سے بھی جب تک اہل دین میں صلاح ہے، برابر قائم رہے گا۔

الدین کله میں الدین بطور اسم جنس ہے، یعنی دنیا کے سارے مذاہب وادیان پر۔

أى على أهل جميع الأديان من سائر أهل الأرض من عرب وعجم ومشركين. (ابن كثير، ج٤/ص:١٨٣)

ليعليه على جنس الدين بجميع أفراده . . (روح، ج٢٦/ص:١٢٢)

أى جنس الدين، فينسخ الأديان دون دينه . (كبير، ج٢٨/ص:٩٢)

لیظھره۔ ضمیرہ رسول کی طرف بھی سمجھی گئی ہے اور دین حق کی طرف بھی، اور حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔

وأكثر المفسرين على أن الهاء راجعة إلى الرسول، والأظهر أنه راجع إلى دين الحق . (كبير، ج٢٨/ص:٩٢)

۳۸ (سچے اور برحق)

اس میں یہ اشارہ کردیا کہ آپؐ کا نام قیامت تک اس طرح پر چلانے کے ہم ضامن وذمہ دار ہیں، اس ایک صلح نامہ پر اس کے درج ہونے نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے!

لفظ محمدؐ پر حاشیے پہلے گزر چکے، سورۂ آل عمران (آیت:۱۴۴) رکوع:۱۵، اور سورۂ محمد (آیت:۲) رکوع اول میں۔

بَيۡنَهُمۡ تَرٰىهُمۡ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ

آپس میں ۳۹ تو انھیں دیکھے گا (اے مخاطب) کہ (کہیں) رکوع کررہے ہیں (کہیں) سجدہ کررہے ہیں، اللہ کے فضل

وَرِضۡوَانًا سِيۡمَاهُمۡ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ

اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں، ان کے سجدے کی تاثیر سے ان کے چہروں پر

اسلام کا پورا کلمہ لا إلٰہ إلا اللہ، محمد رسول اللہ ہے۔ یہ جزء ثانی قرآن میں یہیں آیا ہے، جزء اول متعدد مقامات پر ملتا ہے۔

۳۹ اس خدائی صداقت نامے کے اندر سارے صحابۂ رسول داخل ہیں، خصوصاً وہ جو حدیبیہ میں آپؐ کے ہمراہ تھے۔

قال الجمهور جميع أصحابه. (روح، ج٢٦/ص:١٢٣)

معہ۔ معیت کا اطلاق کثیر وقلیل ہر مدت صحبت پر ہوتا ہے۔

أشداء على الكفار۔ یعنی کافروں کے مقابلے میں ان کے کفر ہی کی بنا پر مضبوط وثابت قدم ہیں۔ اُن کے مقابلے میں ڈھیلے نہیں پڑتے، کسی طرح پر ان سے مرعوب نہیں ہوتے ــــــ بغض فی اللہ کے یہی معنی ہیں۔

رحماء بينهم۔ یعنی اُن کا برتاؤ اپنے دینی بھائیوں یعنی مسلمانوں کے ساتھ شفقت، محبت وہمدردی کا رہتا ہے ــــــ حب فی اللہ کے یہی معنی ہیں۔

یہ عام حکم ہر مسلمان کے لیے ہے، ہر مسلمان میں یہ دونوں خصوصیات ہونی چاہیے۔ اب آج مسلمان اس آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر اپنے حال پر غور کرلیں کہ کفر کے مقابلے میں سختی اور ایمان کے معاملے میں نرمی کتنی باقی رہ گئی ہے!

فقہائے مفسرین نے یہ تصریح کردی ہے کہ کسی مخصوص حالت میں اگر مومن کے ساتھ سختی کا اور کافر کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا پڑ جائے تو وہ اس عام حکم کے منافی نہیں۔

صوفیہ کی اصطلاح میں یہ کہا جائے گا کہ مومنین أشداء على الكفار کے اقتضا سے صفات

أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ ۚ كَزَرْعٍ

نمایاں ہیں ۴۰ یہ ان کا وصف توریت میں ہے ۴۱ اور انجیل میں ان کا وصف یہ ہے کہ وہ جیسے کھیتی ہیں

أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ

کہ اس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اپنی سوئی کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوگئی

جلال کے اور رحماء بینہم کے اقتضا سے صفاتِ جمال کے جامع ہوتے ہیں۔

۴۰ یہ آثارِ خشوع وخضوع کے انوار ہوتے ہیں جو ہر مومن متقی کے چہرے میں مشاہدہ کیے جاسکتے ہیں۔

تراھم رکعاً سجداً۔ یعنی ہر وقت عبادت الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔

یبتغون فضلاً من اللہ۔ یعنی ہر وقت اجر کی فکر وجستجو میں لگے رہتے ہیں۔

ورضواناً۔ یعنی ہر وقت قربِ الٰہی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔

۴۱ توریت موجودہ میں اتنے تحریفات وتصرفات کے بعد بھی یہ الفاظ باقی رہ گئے ہیں:

''فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا''۔ (استثنا ۲:۳۳)______ فاران، مکہ معظمہ ہی کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔ اور فتح مکہ کے وقت دس ہی ہزار صحابی آپؐ کے جلو میں تھے۔

''اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی'' (ایضاً)______ قرآن کا بیان ابھی گزر چکا ہے: أشداء علی الکفار۔

''ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے۔'' (ایضاً)______ قرآن کے الفاظ ابھی ابھی گزر چکے ہیں: رحماء بینہم

''اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے''______ قرآن کی عبارت ابھی ابھی گزر چکی ہے: رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ ورضواناً۔

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا

کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی ۴۲ (یہ نشو ونما صحابہ کو اس لیے دیا) تا کہ کافروں کو ان سے جلائے اور اللہ نے ان سے جو ایمان لائے ہیں

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾

اور (جنھوں نے) نیک کام کیے، مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے ۴۳

۴۲ موجودہ محرّف ومسخ شدہ انجیل میں بھی یہ عبارتیں مل جاتی ہیں:۔

''آسمان کی بادشاہت اس رائی کے دانے کے مانند ہے، جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بودیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے، مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا لیتے ہیں۔'' (متی۔۱۳: ۳۱-۳۲)

''پھر اُس نے کہا کہ ہم خدا کی بادشاہت کو کس سے تشبیہ دیں اور کس تمثیل میں اسے بیان کریں؟ وہ رائی کے دانے کے مانند ہے کہ جب زمین میں بویا جاتا ہے تو زمین کے سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے، مگر جب بودیا گیا تو اُگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے، اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سائے میں بسیرا کر سکتے ہیں۔ (مرقس۔۴: ۳۰-۳۲، نیز لوقا۔۱۳: ۱۸و۱۹)

قرآنی الفاظ نے آغازِ اسلام کے ضعف اور پھر اس کے تدریجی قوت وتقویت کی کتنی صحیح تصویر کھینچ دی ہے!

یعجب الزراع۔ کسانوں کی تخصیص اس لیے کہ کھیتی باڑی کے معاملے میں وہی صاحب بصیرت ہوتے ہیں۔ جب کھیتی انھیں بھلی لگنے لگی تو ضرور ہے کہ واقع میں بھی بھلی ہو۔

۴۳ یہ ایک بڑی جامع وبلیغ مدح صحابہ ہے جو خود قرآن مجید نے بیان کردی ہے اور شاتمین صحابہ کے خلاف ایک حجت قوی ودلیل قطعی ہے۔

لیغیظ بهم الکفار۔ کافر عہد صحابہ کی فتوحات اور ترقیوں سے آج تک جلتے چلے آرہے ہیں۔ بعض نے اس آیت کے اس جزء سے فرقۂ ''شاتم صحابہ'' کے کفر پر استدلال کیا ہے۔

قال مالك بن أنس: من أصبح وفي قلبه غيظ على أصحاب رسول الله فقد أصابته هذه الآية. (معالم، ج٤/ص:٢٤٩)

لیکن جیسا کہ مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہ استدلال کمزور ہے۔ صحابہ پر کافروں کے ذی غیظ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو بھی صحابہ پر ذی غیظ ہو وہ کافر ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۵۵۵)

منھم ۔ من یہاں بیان کے لیے ہے، تبعیض کے لیے نہیں۔

لبیان الجنس لا للتبعیض. (کبیر، ج۲۸/ص:۹٤)

من هذه لبیان الجنس. (ابن کثیر، ج٤/ص:١٨٤)

منهم للبیان . (بیضاوی، ج٥/ص:٨٦)

اس لیے مراد سارے ہی صحابہ ہیں۔

(۴۹)

آیاتہا ۱۸ — ۱۸ آیتیں

سُورَۃُ الحُجُرَاتِ مَدَنِیَّۃٌ

رکوعاتہا ۲ — ۲ رکوع

سورۂ حجرات مدنی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ

اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول سے (کسی کام میں) سبقت مت کیا کرو

وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ۱ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے [1] اے ایمان والو!

لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجۡہَرُوۡا

اپنی آوازوں کو پیمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر

لَہٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَہۡرِ بَعۡضِکُمۡ

بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر

[1] خوب سننے والا سارے الفاظ و اقوال کا، خوب جاننے والا سارے احوال و اعمال کا۔ ظاہر و باطن کی بڑی چھوٹی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

لا ...... رسولہ۔ یعنی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذن صریح نہ دے دیں، یا قرینہ سے اذن صریح نہ معلوم ہو جائے، اپنی طرف سے کسی قول یا فعل میں مبادرت نہ کرو۔

یہ حکم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھا، اب حضورؐ کے بعد اس حکم پر عمل یوں ہوگا کہ پہلے تو ہر مسئلے میں آپؐ کے قول یا فعل کی صراحت تلاش کی جائے گی، اور جب صراحت نہ ملے گی تو نصوص منقول میں فکر و تامل کر کے انھیں سے استنباط کیا جائے گا۔ مذہب اہل سنت کی پوری تشکیل

لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۝ اِنَّ الَّذِيۡنَ

بولا کرتے ہو ۲ کہ کہیں تمھارے اعمال برباد نہ ہو جائیں، اور تمھیں خبر تک نہ ہو ۳ بے شک جو لوگ

يَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَهُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ امۡتَحَنَ

اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو

اس حکم کی تعمیل سے نکل آئے گی۔

۲ (جس وقت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کر رہے ہو)

لا ...... النبی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اپنی آواز کے پست رکھنے کا حکم اس وقت کے لیے جب کہ گفتگو آپس میں ہو رہی ہو۔

لا ترفعوا کی نہی کو فقہاء نے اپنی اصطلاح میں نہی تحریمی قرار دیا ہے۔

اور بعض فقہاء نے اس ایک لفظ سے نتائج ذیل برآمد کیے ہیں:۔

(۱) آپؐ کے حضور میں گفتگو زور سے نہ کی جائے، نہ اپنی بات کو اس طرح بالا کیا جائے، جس سے ارشاد والا کی تردید نکل رہی ہو ـــــ یہ تو صاف عبارۃ النص ہے۔

(۲) درشت کلامی، لڑائی جھگڑا اور ہر قسم کی بے ادبی آپؐ کے مواجہہ میں ناجائز ہے ـــــ یہ دلالۃ النص ہوئی۔

(۳) زیادہ بک بک آپؐ کے مواجہہ میں ممنوع ہے ـــــ یہ بہ قاعدۂ اشارۃ النص نکلا۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں گستاخ، بیباک بن جانا، یا خائف و باادب نہ رہنا ناجائز ہے ـــــ یہ اقتضاء النص سے ثابت ہوا۔

۳ مطلب یہ ہوا کہ مسلمان تو اتباع رسولؐ اور آپؐ کی تعظیم و احترام کا مدعی رہتا ہے، اس التزام کا ترک آپؐ کے لیے طبعاً ناگواری و انقباض کا باعث ہو سکتا ہے اور یہ تأذی رسول ممکن ہے کہ بعض حالات میں حبط اعمال کا سبب بن جائے، اس لیے قاعدہ یہی ہے کہ عملاً ہر حال میں ادب ملحوظ رکھو۔

کوئی مسلمان دانستہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہؐ کے حضور میں بے ادبی کر ہی نہیں سکتا تھا، اس سے تو جب کوئی بے ادبی سرزد ہوگی، نادانستہ ہی ہوگی، یعنی صرف صورۃً نہ کہ حقیقۃً ـ تو مسلمان کو حکم

اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی ؕ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ

اللہ نے تقویٰ کے لیے خالص کردیا ہے ان لوگوں کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے ۴ بے شک جو لوگ

یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾

آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر عقل سے کام نہیں لیتے ۵

وَ لَوۡ اَنَّہُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡہِمۡ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ

اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس باہر آجاتے تو ان کے حق میں تب بہتر ہوتا، اور اللہ

اہتمام مزید وتوجہ خاص کامل رہا ہے کہ بے خیالی میں بھی کبھی یہ نوبت نہ آنے پائے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ حبط اعمال عام و مطلق صورت میں مراد نہ ہو، بلکہ مسلمانوں سے صرف یہ کہنا مقصود ہو کہ تم جو اپنے نزدیک رسولؐ کی اتنی تعظیم وتکریم کررہے ہو، اس میں اگر یہ بے اعتدالی کر بیٹھے تو اپنا سارا اجر ضائع کرکے رہو گے۔

إن كانت الآية للمؤمن الذي يفعل ذلك غفلة و جرياً علىٰ عادته فإنما يحبط عمله البر في توقير النبي صلى الله عليه وسلم . (بحر،ج۸/ص:۱۰۶)

۴ (تو تم جو اجر و مغفرت کے حریص ہو، کیوں نہ اس امتحان میں پورے اُترو گے)

احادیث صحیح میں آتا ہے کہ آیۃ لاترفعوا أصواتكم...... الخ کے نزول کے بعد سے فلاں اور فلاں، مثلاً فلاں صحابی اس باب میں بڑے خائف اور محتاط ہوگئے تھے، اور غایت احتیاط سے کام لینے لگے تھے۔

الذین...... للتقوی۔ یعنی اس باب میں وہ صفت کمال تقویٰ کے ساتھ موصوف ہیں۔

قيل أخلصها للتقوى من قولهم امتحن الذهب وفتنته . (بحر،ج۸/ص:۱۰۶)

أي أنهم مرّن الله تعالىٰ قلوبهم للتقوى . (روح،ج۲۶/ص:۱۳۷)

امتحن أي أخلص يقال للذهب ممتحن، أي مخلص في النار . (كبير،ج۲۸/ص:۹۹)

۵ (ورنہ ایسی جسارت نہ کرتے)

شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ بنی تمیم کا ایک وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ

غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ

اور اللہ بڑا مغفرت والا، بڑا رحم والا ہے ٦ اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق آدمی تمھارے پاس کوئی خبر لائے

مکان کے اندر تشریف رکھتے تھے، ان لوگوں نے باہر ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا شروع کر دیا، وہ بھی محض نام لے کر کہ "یا محمد اخرج إلینا" اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور امت کو ہمیشہ کے لیے ادب کی تعلیم عملی مل گئی ـــــ عرب میں مہذب وشہری اور وحشی وبدوی سب ہی طرح کے لوگ تھے، کبھی کبھی ایسے لوگ آ جاتے جو نہ وقت دیکھتے، نہ ناوقت، نہ آپ کی فرصت کا لحاظ کرتے، نہ آرام واستراحت کا، بس باہر ہی سے نام لے کر پکار مچانے لگتے۔ یہ صورت معمولی بزرگ ومحترم کے لیے بھی ایک بے تمیزی کی ہے، چہ جائے کہ رسول جیسی محترم ترین ہستی کے لیے!

من وراء الحجرات۔ حجرۃ وہ ہے جسے اردو میں کمرہ یا کوٹھری کہیں گے، یعنی زمین کا وہ قطعہ جو دیواروں سے گھیر لیا گیا ہو، تا کہ اس میں عام داخلہ نہ ہو سکے۔

وھی القطعة من الأرض المحجورة أی الممنوعة عن الدخول فیها بحائط .
(روح، ج۲۶/ص:۱۳۹)

٦ (اس لیے وہ لوگ اب بھی توبہ کر لیں تو معاف ہو جائیں گے)

لکان خیراً لھم اس لیے ہے کہ یہ ان کے ادب واحترام کا ثبوت ہوتا، اور اس سے خود ان کے درجات میں ترقی ہوتی۔

إلیھم ۔ یہ لفظ زائد نہیں، بلکہ اس سے اظہار یہ مقصود ہے کہ آپ جب انھیں سے ملنے کو باہر تشریف لائیں، یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی ضرورت سے باہر تشریف لے آئیں، اور یہ لوگ آپ پر ہجوم کرنے لگیں۔

اشعار بأنه علیه الصلاة والسلام لو خرج لا لأجلهم ینبغی أن یصبروا حتی یفاتحهم بالکلام أو یتوجه إلیهم فلیس زائداً بل قید لابد منه . (روح، ج۲۶/ص:۱۴۳)

رسول کے ادب واحترام کے علاوہ عام افراد امت کو انضباط اوقات کی تعلیم بھی آیت سے ملتی ہے ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے لیے باایں خوش اخلاقی یہ ممکن نہ تھا کہ خلقت سے چوبیسوں گھنٹہ گھرے ہوئے رہیں اور اپنے لیے کوئی فارغ وقت سرے سے رکھیں ہی نہیں۔

فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝

تو تم تحقیق کرلیا کرو کہ کہیں تم نادانی سے کسی قوم کو ضرر نہ پہنچادو (اور) پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ ے

ے بلا تحقیق کسی اہم خبر پر اعتبار کر بیٹھنے اور اس پر عملی کارروائی کر گزرنے سے انجام کار عموماً پشیمانی ہی اٹھانی پڑتی ہے ـــــ اور ایسے امکانات جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں تھے، تو اب تو ظاہر ہے کہ احتیاط و تحقیق کی ضرورت کتنی زیادہ بڑھ گئی ہے!

نبأ ہر معمولی و عام خبر کو نہیں کہتے، اہم خبر کو کہتے ہیں، جس سے علم یا غلبۂ ظن حاصل ہو۔

النبأ خبرٌ ذو فائدةٍ عظيمةٍ يحصل به علم أو غلبة ظن، ولا يقال للخبر في الأصل نبأٌ حتى يتضمّن هذه الأشياء الثلاثة . (راغب، ص:٥٣٤)

اور سیاق میں مراد ایسی خبر ہے جس میں کسی کی شکایت نکلتی ہو اور اس سے کسی کا ضرر لازم آتا ہو۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۵۵۹)

فاسق۔ مراد غیر معتبر، غیر محتاط شخص ہے، جو بلا تحقیق روایت کر دیتا ہے۔

آیت کی تفسیر میں ایک حدیث اس مضمون کی نقل ہوئی ہے کہ تحقیق اللہ کی طرف سے ہے اور تعجیل شیطان کی طرف سے۔

أن النبي صلى الله عليه وسلم قال يوم نزلت الآية: التثبت من الله تعالىٰ والعجلة من الشيطان . روح عن ابن جرير عن قتادة، ج٢٦/ص:١٤٥)

فتبيّنوا۔ یعنی بلا تحقیق عمل نہ کر بیٹھو، بلکہ عمل سے قبل خوب چھان بین کرلو۔

فتنبيه أنه إذا كان الخبر شيئاً عظيماً، له قدرٌ فحقّه أن يتوقّف فيه وإن علم وغلب صحّته على الظن حتى يُعاد النظر فيه . (راغب، ص:٥٣٤)

فقہائے مفسرین نے لکھا ہے کہ اس اجمالی حکم تحقیق کے اندر چند تفصیلات ہیں:۔

(۱) تحقیق واجب ـــــ مثلاً خلیفہ جب یہ سنے کہ فلاں شخص مرتد ہو رہا ہے، یا فلاں شخص قتل و غارت کا اقدام کر رہا ہے وقس علی ہٰذا۔ ایسے موقع پر تحقیق نہ کرنے سے کسی واجب کا فوت لازم آتا ہے۔

(۲) تحقیق جائز ـــــ مثلاً کسی نے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھے مالی یا جسمانی ضرر پہنچانا چاہتا ہے۔ دفع مضرت کے لیے ایسے موقع پر تحقیق بالکل جائز ہے۔

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِیۡكُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ‌ؕ لَوۡ يُطِيۡعُكُمۡ فِىۡ كَثِيۡرٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ لَعَنِتُّمۡ

اور جانے رہو کہ تم میں رسول اللہ (موجود) ہیں بہت سی باتیں ہیں کہ ان میں اگر وہ تمھارا کہنا مان لیں تو تم کو تکلیف پہنچے ۸

وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيۡكُمُ الۡاِيۡمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَكَرَّهَ

لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اسے تمھارے دلوں میں مرغوب کر دیا، اور

اِلَيۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡيَانَ‌ؕ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَۙ ۝۷ فَضۡلًا

کفر اور فسق اور عصیان سے تمھیں نفرت دے دی، ایسے ہی لوگ تو راہِ راست پر ہیں اللہ کے فضل

مِّنَ اللّٰهِ وَنِعۡمَةً‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ

اور انعام سے ۹ اور اللہ خوب جاننے والا ہے

(۳) تحقیق حرام ــــــ مثلاً کسی کے لیے یہ سنا کہ وہ خفیہ شراب پیتا ہے۔ ایسے موقع پر تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی ضرر نہیں اور تحقیق کرنے سے اس شخص کی رسوائی و فضیحت ہوتی ہے۔

۸ (اور اُس وقت الٹے خود تم ہی کو ندامت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے اپنی رائے مبارک پر عمل کے، ناحق ہم لوگوں کے مشورے سے موافقت کی)

واعلموا......اللّٰہ۔ رسولؐ کا تمھارے درمیان میں موجود ہونا ایک انتہائی نعمت ہے، جس کے ادائے حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی معاملے میں آپ کی رائے کے خلاف عمل نہ کیا جائے، بلکہ ہر عمل آپ کی رائے وارشاد پر موقوف رکھا جائے۔

واعلموا۔ علم ظاہر ہے کہ یہاں استحضار کے مفہوم میں ہے۔

لو......الأمر۔ ظاہر ہے کہ یہ احتمال صرف امور دنیوی و تجربی ہی سے متعلق ہو سکتا ہے، ورنہ احکام شریعت میں تو اس کی گنجایش سرے سے تھی ہی نہیں۔

۹ (اور ایسے ہی خلفاء، خلفائے راشدین کہلانے کے مستحق ہیں)

ولکن......نعمۃ۔ یعنی تم میں تو یہ ساری خوبیاں موجود ہیں، اور انھیں کے تقاضے سے تمھیں ہر وقت رسولؐ کی رضاجوئی رہتی ہے، اور یہی تمھیں بڑی مصیبتوں سے بچائے رکھتی ہے ــــــ اور یہ سرتاسر اللہ ہی کے فضل و کرم کا نتیجہ تو ہے ــــــ ساری آیت ایک قرآنی مدح صحابہ ہے۔

حَكِيمٌ ﴿٨﴾ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ

بڑا حکمت والا ہے ﴿۱۰﴾ اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں، تو ان کے درمیان اصلاح کردو ﴿۱۱﴾

فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى

پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ

تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ

کہ وہ رجوع کرلے اللہ کے حکم کی طرف ﴿۱۲﴾ پھر اگر وہ رجوع کرلے تو ان کے درمیان اصلاح کرو عدل کے ساتھ

حبب......قلوبکم۔ ایمان سے سیاق میں مراد ایمان کامل ہے۔

کرہ......العصیان۔ مخاطبین کو عقلی و ایمانی بیزاری صرف کفر ہی سے نہیں، بلکہ فسوق وعصیان سے بھی ہے۔

الفسوق۔ یعنی بڑے گناہ، وھو الکبیرۃ اور بعض نے کہا ہے کہ اعتقادی گناہ۔

العصیان۔ یعنی چھوٹے گناہ، وھو الصغیرۃ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عملی گناہ۔

دونوں کی اور تفسیریں بھی منقول ہیں۔

الفسوق یعنی الکذب والعصیان یعنی رکوب ما نھی اللّٰہ عنه فی خلاف أمر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وتضییع ما أمر اللّٰہ به. (ابن جریر، ج۲۲/ص:۲۹۰)

۱۰ چنانچہ اپنے اس علم کامل و محیط کی بنا پر وہی ہر ہر حکم کی حکمتوں اور مصلحتوں کو بھی خوب جانتا ہے اور اپنی صفت حکمت کاملہ ہی کے تقاضے سے اس نے یہ احکام صادر کیے ہیں اور ان کی تعمیل واجب کی ہے۔

۱۱ یعنی امر مابہ النزاع رفع کرا کے لڑائی موقوف کرادو۔

خوب خیال کرلیا جائے کہ باہمی جنگ کی حالت میں بھی قرآن دونوں فریقوں کو مسلمان ہی تسلیم کرتا ہے، مجرد جنگ کسی کو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کردیتی۔

۱۲ (اور وہ حکم الٰہی یہاں صلح و ترک قتال کا ہے)

یہ حکم اصالۃً امام مسلمین کے لیے ہے، وہ نہ ہو تو عامۂ مسلمین کو ہے بشرط قدرت و استطاعت۔

بعض حنابلہ نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ باغیوں سے قتال، جہاد کفار سے اہم تر و افضل

ہے، اور سند میں حضرت علیؓ کے عمل کو پیش کیا ہے کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں بجائے جہاد کے قتال اہل بغاوت ہی کو جاری رکھا۔

وصرح بعض الحنابلة بأن قتال الباغين أفضل من الجهاد احتجاجاً بأن علياً كرم الله تعالىٰ وجهه اشتغل فی زمان خلافته بقتالهم دون الجهاد. (روح،ج۲۶/ص:۱۵۱)

لیکن محققین حنفیہ کی تحقیق میں یہ مطلق صورت میں درست نہیں، بلکہ صرف اس صورت میں صحیح ہے، جب باغیوں کی وجہ سے اتنا بڑا فساد پیدا ہو جائے کہ ان سے قتال کرنا کافروں کے جہاد سے بڑھ کر ضروری ہو جائے۔

والحق أن ذلك ليس على اطلاقه بل إذا خشى من ترك قتالهم مفسدة عظيمة دفعها أعظم من مصلحة الجهاد. (روح،ج۲۲/ص:۱۵۱)

فإن......الأخرىٰ۔ یعنی سعی اصلاح و مصالحت کے باوجود بھی وہ صلح نہ کرے اور جنگ برابر جاری رکھے۔

فإن......تبغی۔ فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ قتال فساد عقائد کی بنا پر نہ کیا جائے گا، بلکہ جرم بغاوت کی بنا پر کیا جائے گا۔

وفی هذه الآية دلالة على أن اعتقاد مذاهب أهل البغی لا يوجب قتالهم مالم يقاتلوا. (جصاص،ج۳/ص:۴۰۱)

فإنما أمر بقتالهم إذا بغوا على غيرهم بالقتال. (جصاص،ج۳/ص:۴۰۱)

من المؤمنين اقتتلوا۔ یہ امر بہت زیادہ قابل لحاظ ہے کہ ان دو جنگ و جدل کرنے والے گروہوں کو ایک کے ناحق پر ہونے کے باوجود قرآن مجید ''مومن'' ہی کہتا ہے۔ قتال اور پھر بغاوت سے بڑھ کر شدید جرم اور کون ہو سکتا ہے؟ اس کے باوجود بھی باغی بہر حال مومن ہی رہتا ہے، دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ اکابر اہل سنت نے یہیں سے یہ مسئلہ (خوارج و معتزلہ کے برعکس) نکالا ہے کہ بڑے سے بڑے گناہ سے بھی مومن دائرۂ اسلام و ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا۔

سماهم مؤمنين مع الاقتتال، وبهذا استدل البخاری وغيره على أنه لا يخرج عن الايمان بالمعصية وإن عظمت، لا كما يقوله الخوارج ومن تابعهم من المعتزلة

وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

اور انصاف کا خیال رکھو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۱۲(الف) بے شک مسلمان ہی (آپس میں) بھائی ہی ہیں ۱۳

ونحوهم . (ابن كثير، ج٤/ص:١٨٩)

۱۲ (الف) جب کوئی فریق معقول فیصلہ نہ سن رہا ہو تو ثالث کو غصہ آ جانا امر طبعی ہے، اسی کی روک تھام کے لیے مزید ترغیب توازن قائم رکھنے کی دی ہے۔

فاصلحوا بينهما بالعدل۔ یعنی محض ترک قتال کو کافی نہ سمجھو، بلکہ نفس معاملہ قانونِ شریعت کے ماتحت طے کرادو۔

فقہاء نے کہا ہے کہ جو مسلمان فریق شکست کھائے، نہ اس کا مال مالِ غنیمت سمجھا جائے گا اور نہ اس کے قیدی لونڈی غلام بنائے جائیں گے، البتہ توبہ کے وقت تک وہ قید رہیں گے اور ان کا مال قرق۔ بعد توبہ انھیں بھی رہائی مل جائے گی اور ان کا مال بھی انھیں واپس دے دیا جائے گا——— مزید تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔

وأقسطوا ۔ یہ تاکید ہے اس کی کہ اپنے فیصلے کو تمام تر عدل پر مبنی رکھو، کسی فریق سے انتقام یا غصہ کا جذبہ اپنے اُوپر نہ غالب آنے دو۔

باہمی صلح و مصالحت اسلام کو جتنی عزیز ہے، آیت سے ظاہر ہی ہے، لیکن مصالحت کی بنا عدل پر ہونا چاہیے، یہ اسلام کو اس سے بھی عزیز تر ہے، چنانچہ پہلے فاصلحوا کے ساتھ قید بالعدل کی لگائی، پھر اضافہ وأقسطوا کا کیا، تاکید مزید إن الله يحب المقسطين سے کی۔

۱۳ (اور جب بھائی ہی ہیں تو بھائیوں بھائیوں میں لڑائی ہی کیسی! ان کے درمیان رشتہ تو انتہائی خلوص، یگانگت و محبت کا قائم رہنا چاہیے)

اسلام یعنی دین فطرت نے ایک طرف تو غربت، امارت وغیرہ کے مختلف طبقات قائم رکھے، اور ان کے مٹاڈالنے کی خلافِ فطرت کوشش میں قوت اور وقت کو ضائع نہیں کیا، لیکن دوسری طرف یہ بھی بتادیا کہ دین کا اشتراک ہر مادّی، مالی، نسبی، نسلی تفریق و امتیاز پر بالاتر ہے اور بڑے

چھوٹے، امیر غریب، شریف غیر شریف، سب کو اخوت کے رشتہ میں پرو کر صحیح اور سچی سوشلزم (اشتراکیت) کی بنیاد قائم کردی۔

یہیں سے یہ بھی نکل آیا کہ مسلم قومیت کی بنیاد نسلی، وطنی، لسانی وغیرہ نہیں، صرف اعتقادی ہے، اور اشتراک واخوت کا سنگِ بنیاد صرف وحدت کلمہ ہے۔ اور یہیں سے یہ بھی نکل آیا کہ بڑی سی بڑی معصیت بھی، یہاں تک کہ مسلمین کی خون ریزی، مسلمان کو دائرۂ اسلام سے نہیں خارج کراتی، اور مسلمان اس کے بعد بھی مسلمان باقی رہتا ہے۔

فی هذه الآية والتی قبلها دليل أن البغی لايزيل اسم الإيمان، لأن الله تعالىٰ سماهم إخوة مؤمنين مع كونهم باغين، قال الحارث الأعور: سئل علی بن أبی طالب رضی الله عنه وهو القدوة من قتال أهل النبی من أهل الجَمَل وصِفِّين، أمشركون هم؟ قال: لا، من الشرك فرّوا، فقيل: أمنافقون؟ قال: لا، لأن المنافقين لا يذكرون الله إلا قليلاً، قيل له: فما حالهم؟ قال: إخواننا بغوا علينا. (قرطبی، ج۱۶/ص:۳۲۳-۳۲۴)

اخوۃ۔ اخوت کا رشتہ تو انتہائی محبت کا مظہر ہے، اس کے استحضار کے بعد پھر کیسا جدال، کیسا قتال؟

اخوۃ۔ اخ کی جمع، اخوۃ تو حقیقی بھائیوں کے لیے ہے، رشتے ناتے کے بھائیوں کے لیے اخوان آتی ہے۔ قرآن نے یہاں اخوۃ لا کر گویا بتا دیا کہ مسلمانوں کا ایک دوسرے سے تعلق ورشتہ بالکل بھائیوں کا ہے۔

قال بعض أهل اللغة الاخوة جمع الأخ من النسب والاخوان جمع الأخ من الصداقة، فالله تعالىٰ قال إنما المؤمنون اخوة تأكيداً للأمر وإشارة إلى أن ما بينهم مابين الإخوة من النسب والإسلام كالأب. (كبير، ج۲۸/ص:۱۱۱)

إنما کے کلمۂ حصر نے اسے صاف کر دیا کہ یہ رشتۂ اخوت صرف مومن ہی مومن کے درمیان ہے، مومن وکافر کے درمیان نہیں ہو سکتا۔

إنما للحصر أی لااخوة إلابين المؤمنين، وأما بين المؤمن والكافر فلا، لأن الإسلام هو الجامع. (كبير، ج۲۸/ص:۱۱۱)

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٠﴾

سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے ۱۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا

اے ایمان والو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے، کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں

مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا

اور نہ عورتوں کو عورتوں پر (ہنسنا چاہیے) کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں ۱۵ اور نہ ایک دوسرے کو

۱۴ اس میں کمال ترغیب ہے اصلاح بین المسلمین کی کہ یہ عمل بندے کو مستحق رحمت بنا دیتا ہے۔

فأصلحوا بين أخويكم۔ یہ اصلاحِ حال محض رسماً اور ضابطے کی نہ ہو، ایسی ہو جیسی بھائیوں بھائیوں کے درمیان ہوتی ہے۔

واتقوا اللہ۔ رحمت الٰہی کا ترتب اسی اصلاح بین المسلمین پر ہوگا، جو خود تقوے پر مبنی ہو۔

۱۵ یعنی کسی کو کیا خبر کہ اللہ کے نزدیک بہتر اور قابل عزت کون ہے؟ ہنسنے والا ہے یا وہ جس پر ہنسا جا رہا ہے ـــــــ اس احساس کو بیدار کر کے قرآن نے گویا معاشرۂ اسلامی کے اندر تمسخر و تفضیح کی جڑ ہی کاٹ دی ہے ـــــــ تعلیم ہمارے ہاں کی یہ تھی اور عمل یہ ہے کہ دوسرے کو ہنسنا، بنانا، علانیہ اُس کی رسوائی کرنا، عیب نہیں رہا، بلکہ داخل ہنر ہو گیا ہے!

لایسخر۔ تمسخر وہ ہنسی ہے جس سے دوسروں کی تحقیر، دل شکنی و دل آزاری ہو، اور وہ حرام ہے، باقی ایسی ہنسی جس سے دوسرے کا دل خوش ہو، وہ مزاح اور خوش طبعی کہلاتی ہے۔ وہ جائز ہی نہیں، بلکہ بہت سے حالات میں مستحب ہے۔

قومٌ من قومٍ۔ مراد جنس رجال ہے، خواہ مرد ایک ہو یا بہت سے ہوں۔

نساءٌ من نساءٍ۔ مراد جنس نساء ہیں، خواہ عورت ایک ہو یا بہت سی ہوں۔

حاصل کلام یہ کہ امت کا کوئی سا بھی طبقہ ایک دوسرے کی ہنسی نہ اڑائے۔

اَنۡفُسَکُمۡ وَلَاتَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ ؕ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِیۡمَانِ ۚ

طعنہ دو، اور نہ ایک دوسرے کو (بُرے) لقب سے پکارو، ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی بُرا ہے ۱۶

عسیٰ أن یکونوا خیراً منھم ۔ عسیٰ أن یکنّ خیراً منھن۔ دوسرے پر ہنسی، تمسخر، طنز واعتراض کی بنیاد عموماً کیا ہوا کرتی ہے؟ یہی نہ کہ دوسرے میں فلاں فلاں عیب ہیں، اور ہم ان عیوب سے کہیں بالاتر ہیں۔قرآن مجید نے انتہائی حکیمانہ ژرف نگاہی کے ساتھ اسی بنیاد پر ضرب لگادی، اوراس طرح اس عمارت ہی کو منہدم کردیا ـــــــ انسان کو اگر اپنا عیب دار، داغدار ہونا یاد پڑ جائے تو دوسرے پر زبان کھولنے کی کبھی ہمت ہی نہ پڑے۔دوسروں کو حقیر اور اپنے کو معزز سمجھنا، یہی تو جڑ ہوتی ہے ۹۰، ۹۵ فی صدی، رنجشوں اور عداوتوں کی۔

۱۶ (اور یہ سب باتیں گناہ کی ہیں)

مطلب یہ ہے کہ گناہ کا نام لگنا ہی برا اور قابل نفرت ہے اور ان حرکتوں کے بعد یہی کہا جائے گا کہ فلاں مسلمان، مسلمان ہوکر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔

فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ کسی کو عیب دار نام سے یاد کرنا صرف اس صورت میں حرام ہے، جب وہ بلا غرض صحیح ہو، لیکن اگر کوئی شخص پُکارا اور پہچانا ہی ایسے نام سے جاتا ہے اور اس میں وہ اپنی توہین محسوس نہیں کرتا تو اسے اس کے ظاہری عیب دار نام سے یاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، مثلاً ''حکیم نابینا''، ''لنگڑے حافظ''، ''گنجے وکیل'' وغیرہا۔

ولا تلمزوا أنفسکم۔ انفسکم یہاں ''ایک دوسرے کو'' کے معنی میں ہے، جیسا کہ بعض اور مقامات پر بھی قرآن ہی میں آیا ہے۔

عن ابن عباس وقتادۃ أی لایطعن بعضکم علیٰ بعض. (جصاص، ج۳/ص:۴۰۴)

یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ جب تم دوسرے پر طعن کروگے تو الٹ کر وہ بھی طعن کرے گا، اس طرح اپنے اوپر طعن کے باعث بھی خود تم ہی ہوئے۔

بالألقاب۔ لقب کے معنی یہاں برے نام کے ہیں، یعنی کسی شخص کو ایسے نام سے پکارنا جو اسے ناگوار ہو۔

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝١١ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا

اور جو (اب بھی) توبہ نہ کریں گے وہی ظالم ٹھہریں گے ۱۷ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے

كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

بچو، کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں ۱۸

واللقب هنا اسم مكروه عند السامع. (ابن العربی، ج٤/ص:١٥٥)

واللقب ضربان: ضرب على سبيل التشريف......وضرب على سبيل النّبز وإياه قصد بقوله . (راغب، ص:٥٠٧)

قال بعضهم عنى بها الألقاب التى يكره النبز بها الملقّب . (ابن جرير، ج٢٢/ص:٢٩٩)

اور اسی میں یہ عادت بد بھی داخل ہے کہ کسی تائب یا تائبہ کو اس کے زمانہ فسق کے نام یا پیشے سے پکار کر اس کی تذلیل کی جائے۔

عن ابن عباس أنه قال التنابز بالألقاب أن يكون الرجل عمل السيئات ثم تاب منها وراجع الحق فنهى الله تعالىٰ أن يعير بما سلف من عمله . (ابن جرير، ج٢٢/ص:٣٠١)

ذلك قول الرجل المسلم للرجل المسلم : يا فاسق، يا زان (ابن جرير، ج٢٢/ص:٣٣٠)

۱۷ (اپنے حق میں اور اللہ کے یہاں)

یعنی حقوق العباد کے تلف کرنے والے۔ اور جو سزا ظالموں کے لیے ہے اس کے مستحق ٹھہریں گے ــــ ان تمام احکام سے واضح ہو رہا ہے کہ شریعت کو مجلسی اور معاشری اصلاح کے باب میں بھی کس درجہ اہتمام ہے۔ اور جو معاشرہ ان ہدایات وقوانین پر عامل ہو جائے، اس میں کبھی باہمی رنجشیں رخنہ انداز ہو سکتی ہیں؟ خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے، کتنی رنجشوں اور عداوتوں کی بنیاد آخر میں جا کر کسی نہ کسی بیہودہ دل لگی، ہجو گوئی یا کسی کو ''بنانے'' کی کوشش ہی پر ٹھہرے گی!

۱۸ (اس لیے ضرور ہے کہ اقسام گمان کو سمجھ کر حدود جواز کے اندر رہو)

فقہائے مفسرین نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھنا واجب ہے، اور حق تعالیٰ اور عام مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی ممنوع و ناجائز ہے۔

وَلَا تَجَسَّسُوْا

اور ٹوہ میں مت لگے رہو ۱۹

فحسن الظن باللّٰہ فرض و سوء الظن به محظور منهی و كذلك سوء الظن بالمسلمين الذين ظاهرهم العدالة محظور مزجور عنه. (جصاص، ج۳/ص:۴۰۶)

بدگمانیوں کی عام عادت جو بطور وباء کے ہم لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے، یہ آیت اس پر کیسی ضرب لگا رہی ہے! بات بات پر اور بلاوجہ بھائی بھائی سے بدگمانی، بیوی بچوں سے بدگمانی، پڑوسیوں سے بدگمانی، نوکروں چاکروں سے بدگمانی، گویا بدگمانی کو ہم لوگوں نے اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ یہ بدگمانی کی خلش اگر دل سے دور ہو جائے تو ہم میں سے ہر ایک کی زندگی کتنی راحت سے بسر ہونے لگے!

بعض الظن۔ بعض ''جمیع'' کے مقابلے میں ہے اور کثیر بھی ''بعض'' کے اندر شامل ہے۔

اقتضت الآية النهى عن بعض الظن لا عن جميعه. (جصاص، ج۳/ص:۴۰۵)

فقیہ مفسر علامہ تھانویؒ نے ظن کی حسب ذیل قسمیں اور احکام بیان کیے ہیں:۔

(۱) ظن واجب ـــــــ مثلاً حق تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن یا غیر منصوص میں ظن فقہی۔

(۲) ظن مباح ـــــــ یعنی ایسی بدگمانیاں جن کے لیے کھلے ہوئے قرینے اور قیاس موجود ہوں، مثلاً ایسے شخص سے فسق کا گمان رکھنا جو شراب خانوں یا قحبہ خانوں میں آمد و رفت رکھتا ہو، مگر شرط یہ ہے کہ بدگمانی گمان ہی رہے، حدِ یقین تک نہ پہنچنے دیا جائے، نیز ایسی بدگمانیاں جو غیر اختیاری ہوں، یہاں بھی شرط یہ ہے کہ ان کے مقتضا پر عمل نہ کرے، بلکہ حتی الامکان انھیں دفع کرتا رہے۔

(۳) ظن حرام ـــــــ عقائد دین یا احکام و مسائلِ شریعت، بلا دلیل محض اپنے گمان سے گڑھ لینا، یا کسی شخص میں خفیف وضعیف علاماتِ فسق دیکھ کر اس کی طرف سے بدگمانی جمالینا۔ (تھانوی، ج۲/ص:۵۶۲-۵۶۳)

۱۹ یعنی اوروں کے عیبوں اور کمزوریوں کی تلاش و جستجو میں نہ پڑو، تاوقتیکہ کوئی مصلحت یا ضرورت ہی اس کی نہ آپڑے۔ ''چھپ کر باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سن لینا، یہ سب تجسس میں داخل ہے، البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے اس

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ

اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے ۲۰ کیا تم میں سے کوئی اس کو گوارا کرلے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت

کے مضرت رساں ارادوں اور تدبیروں کا تجسس کرے تو جائز ہے"۔ (تھانوی، ج۲/ص:۵۶۳)

فقہائے مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی مسلمان کے چھپے ہوئے عیب کی پردہ دری کرنا ممنوع وناجائز ہے، بلکہ اس کی پردہ پوشی کرتے رہنا واجب ہے۔

عن زيد بن وهب قال أتى ابن مسعودؓ فقيل هذا فلان تقطر لحيته خمراً فقال عبدالله إنّا قدنُهينا عن التجسس، لكن إن يظهر لنا شيئ نأخذ به. (جصاص، ج۳/ص:۴۰۷)

وعن مجاهد لا تجسسوا، خذوا بما ظهر لكم ودعوا ماستر الله فنهى الله فى هذه الآيات عن سوء الظن بالمسلم الذى ظاهره العدالة والستر ودل به على أنه يجب تكذيب من قذفه بالظن. (جصاص، ج۳/ص:۴۰۷)

فقد اقتضىٰ ذلك النهى عن تحقيق المظنون وعن إظهاره ونهى عن التجسس بل أمر بالستر على أهل المعاصى مالم يظهر منهم اصرار. (جصاص، ج۳/ص:۴۰۷)

۲۰ کسی کی عدم موجودگی میں اس کا یا اس کی کسی چیز کا ذکر اس طرح کرنا کہ اسے ناگوار ہو، عام اس سے کہ وہ صحیح ہے یا غلط، یہی غیبت ہے، اور اسی کو قرآن مجید نے اس شدومد سے روکا ہے۔

حدیث نبوی میں غیبت کی تفسیر اس طرح آئی ہے "ذكرك أخاك بمايكره" اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرنا جو اُسے ناگوار گزرے۔ غیبت کا گناہ شدید ہونا اس آیت سے ظاہر ہے۔ حدیث میں "الغيبة أشد من الزنا" تک وارد ہو چکا ہے۔ فقہاء نے بھی اس پر بہت کچھ لکھا ہے اور مشائخ وصوفیہ نے اس سے بچنے کے طریقے اور تدبیریں بتائی ہیں۔ جن جن موقعوں پر غیبت جائز ہے اُن کی تفصیل کتب فقہ میں مل جائے گی۔ اردو میں مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کا ایک مبسوط اور مفصل رسالہ اس موضوع پر "زجر الشبّان والشيبة عن ارتكاب الغيبة" کے نام سے موجود ہے۔

قرآن مجید کی ان اخلاقی اور معاشری ہدایتوں پر عمل کرنا اگر ہم لوگ سیکھ جائیں تو آج دنیا ہی میں ایک حد تک جنت کا مزہ آنے لگے!

مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

کھائے؟ اس سے ضرور ہی تمھیں کراہت آتی ہے ۲۱ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ۲۲ اے لوگو!

اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ

ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے ۲۳ اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنادیا ہے

۲۱ ایسی گھناؤنی چیز سے تشبیہ دے کر قرآن نے ہر مسلمان کا دل ہی غیبت کی طرف سے متنفر و بیزار کردیا ہے۔

وجہ شبہ بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ جس طرح گوشت کے نوچے جانے سے جسم کو جسمانی اذیت ہوتی ہے، آبرو ریزی سے بھی قلبی تألم ہوتا ہے، اور چونکہ وہ شخص سامنے موجود نہیں ہوتا، اس لیے عدم حس میں مشابہ مُردہ کے ہوتا ہے۔

۲۲ تو چاہیے کہ اب ساری پچھلی غلطیوں اور بدکرداریوں پر نادم ہوکر اوراس کا تدارک کرکے حق تعالیٰ کے فضل وکرم کے مستحق بن جاؤ۔

واتقوا اللہ۔ بڑی چھوٹی ہر برائی سے بچنے کے لیے آسان ترین نسخہ یہی ''تقوائے الٰہی'' کا ہے، جتنی زیادہ کسی کے دل میں خشیت الٰہی موجود ہوگی، اسی قدر اس کے لیے ہر ترغیب شیطانی ونفسانی کے مقابلے میں صبر وضبط سے کام لینا اور ثابت قدم رہنا آسان رہے گا۔

۲۳ یعنی آدم وحوا سے ــــــ اور اس لحاظ سے سارے انسان یکساں وہم سطح ہوئے۔

أی انکم متساوون فی النسب. (معالم، ج ٤/ص: ٢٦٥)

قال تعالیٰ مشبها علی تساویهم فی البشریة. (ابن کثیر، ج ٤/ص: ١٩٤)

فجمیع الناس فی الشرف بالنسبة الطینیة إلی آدم وحواء علیهما السلام سواء.

(ابن کثیر، ج ٤/ص: ١٩٤)

وحدت نوع انسانی، اسلام میں ایک نظریہ نہیں، ایک مؤکد حقیقت ہے۔ اس نے ان تمام جاہلی نظریات کی جڑ کاٹ دی، جو انسان کی مختلف نسلوں کو مختلف مورثوں کی اولاد سمجھتے ہیں اور ہندوستان کی ذات پات والی پیدائشی تفریق کے حق میں اس آیت کا سم قاتل ہونا تو ظاہر ہی ہے۔

لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ

کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو ۲۴ بے شک تم میں سے پرہیزگارتر اللہ کے نزدیک معززتر ہے ۲۵ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے

دل بذلك على أنه لافضل لبعضهم على بعض من جهة النسب إذ كانوا جميعاً من أب و أم واحدة. (جصاص، ج۳/ص:۴۰۹)

ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی، نیز سورۃ النساء (آیت:۱) اور سورۃ الزمر (آیت:۶) کے حاشیے اسی مضمون سے متعلق۔

۲۴ (اس لیے مختلف قوموں میں اور پھر خاندانوں میں تقسیم بنیاد تفاخر کی نہیں ہو سکتی، بنیاد باہمی امتیاز و تعارف کی البتہ ہے)

نسل پرستی، قوم پرستی، لسان پرستی، رنگ پرستی جس میں جاہلیت قدیم سے لے کر جاہلیت جدید تک ساری قومیں مبتلا رہی ہیں، ان پر پوری ضرب اس آیت نے لگا دی ہے۔

خلقناکم۔ جعلناکم۔ دونوں لفظوں سے صاف طور پر اشارہ اس طرف کر دیا کہ یہ تو جو کچھ کیا، ہم نے کیا ہے، تمھارے امتیاز و افتخار کا اس میں کون سا پہلو ہے؟

شعوباً۔ نوع انسانی کی پہلی اور بڑی تقسیم یعنی قومیں یا نسلیں۔

قبائل۔ قدیم انسان کی دوسری اور ضمنی تقسیم، یعنی کنبے اور قبیلے۔

بڑی اور چھوٹی ہر طرح کی تقسیم اور ذات بندی اس وحدتِ انسانی کی تعلیم کے آگے گرد!

۲۵ یعنی اللہ کے ہاں شرف، فضیلت و مقبولیت تمام تر ذاتی پرہیزگاری پر ہے، نہ کہ فخر نسلی و وطنی و قومی و آبائی۔ نہ کسی کے برہمن اور چھتری ہونے میں اس کی عزت، نہ کسی کے چمار پاسی، ہریجن ہونے میں ذلت۔

اسلام نے انسانی آبادی کی تقسیم صرف دو ہی طبقوں میں رکھی ہے: متقی وغیر متقی، بس اس کے علاوہ اس کے ہاں حقیقی تقسیم نہ امیر و غریب کی ہے، نہ اعلیٰ و ادنیٰ کی، نہ (نسلی) شریف و (نسلی) رذیل کی، نہ گورے اور کالے کی، بلکہ صرف متقی وغیر متقی کی۔

فأبان أن الفضيلة والرفعة إنما تستحق بتقوى الله وطاعته. (جصاص، ج۳/ص:۴۰۹)

خَبِيرٌ ﴿١٣﴾ قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِنْ قُولُوا

پورا خبر دار ہے ۲۶ (یہ بعض) گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ۲۷ آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے ہو، ہاں یہ کہو

أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ

کہ ہم مطیع (اسلام) ہو گئے ہیں ۲۸ اور ایمان تو ابھی تمھارے دلوں میں داخل ہوا نہیں ہے اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول

آیت نے موروثی عزت اور پیدائشی جات پات کے عقیدے ہی کو پاش پاش کر دیا۔ عزت تو وہ ہے جو اپنے ہاتھوں تقوے کے ذریعے حاصل کی جائے، اور ذلت صرف عقیدۂ شرک اور اعمال فسق میں ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۲۶ (اور اُسی پر روشن ہے کہ کون واقعی کس حد تک پرہیز گار ہے)

علیم۔ علم رکھنے والا ظاہر کا۔ خبیر۔ خبر رکھنے والا باطن کا۔

سو یہ تقویٰ بھی دنیا میں کسی کی شیخی، تعلّی و تفاخر کی بنیاد نہیں بن سکتا۔

۲۷ (اور ہمارا بھی شمار اب گروہ مومنین میں ہے)

قالت الأعراب۔ یہ بنی اسد وغیرہ بعض بدوی قبائل تھے۔ حکومت کا مذہب اب اسلام ہو چکا تھا، اور زمانہ قحط کا تھا، یہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اگر مدینہ پہنچ کر یہ اپنے کو حکومت کا ہم مذہب بنا دیں گے، تو ان کو حکومت سے حصول امداد میں بڑی سہولت ہو جائے گی۔

عن مجاهد قال أعراب بنی أسد بن خزيمة . (ابن جرير، ج ۲۲/ص: ۳۱۴)

۲۸ (اور ہم نے مزاحمت و مخالفت ترک کر دی ہے)

قل لم تؤمنوا۔ اس سے ظاہر ہو گیا ہے کہ ایمان کا اصل تعلق تصدیق قلب سے ہے، جو ان بدویوں کو ابھی حاصل نہ تھی۔

أسلمنا۔ اسلام یہاں اصطلاحی مفہوم میں نہیں، محض لغوی معنی میں ہے، یعنی ہم نے قتل و گرفتاری کے ڈر سے قانونِ اطاعت اسلام قبول کر لیا ہے۔

عن سعيد بن جبير قال استسلمنا لخوف السباء والقتل . (ابن جرير، ج ۲۲/ص: ۳۱۹)

وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

مان لو تو وہ تمھارے اعمال میں سے ذرا بھی کم نہ کرے گا بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحم والا ہے ۲۹

أی استسلمنا خوف القتل و السبی (ابن کثیر، ج ۴/ص:۱۹۶)

۲۹ (تو اس کی مغفرت بے نہایت ورحمت بے پایاں سے فائدہ اٹھانے کے مواقع اب بھی حاصل ہیں)

وإن......رسولہ۔ یعنی اگر واقعی ایمان لے آؤ، اور دل سے اللہ اور رسول کے احکام کی تصدیق کرنے لگو۔

لا......شیئاً۔ حق تعالیٰ تو سارے اعمال ایمانی کا پورا پورا اجر دے گا۔

ولمّا......قلوبکم۔ محققین اہلِ سنت نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ اسلام عام ہے اور ایمان اس سے خاص تر ہے۔

وقد استفید من هذه الآية الكريمة إن الإيمان أخص من الإسلام كما هو مذهب أهل السنة والجماعة. (ابن کثیر، ج ۴/ص:۱۹۶)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابراہیم نخعی اور قتادہ اور ابن جریر نے بخلاف امام بخاری کے آیت سے یہی استدلال کیا ہے کہ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے، وہ منافق نہ تھے، تھے مسلمان ہی، اگرچہ ان کا ایمان کمزور تھا۔

دلّ هذا على أن هؤلاء الأعراب المذكورين فى هذه الآية ليسوا بمنافقين، وإنما هم مسلمون لم يستحكم الإيمان فى قلوبهم، فادعوا لأنفسهم مقاماً أعلىٰ مما وصلوا إليه فأدبوا فى ذلك، وهذا معنى قول ابن عباس رضى الله عنه وابراهيم النخعى وقتادة واختاره ابن جرير، وإنما قلنا هذا لأن البخارى رحمه الله ذهب إلى أن هؤلاء كانوا منافقين يظهرون الإيمان وليسوا كذلك. (ابن کثیر، ج ۴/ص:۱۹۶)

کوئی شخص اسلام کا دعویٰ کر رہا ہو تو جزم کے ساتھ اس کی تکذیب (جیسی کہ یہاں وارد ہوئی ہے) کا حق صرف حق تعالیٰ عالم الغیب ہی کو پہنچتا ہے، ورنہ بندوں کا کام تو عام طور پر اس مدعی کے

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا

(پورے) مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے پھر (اس میں بھی) شک نہیں کیا

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۱۵

اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو یہی لوگ راست باز ہیں ۳۰

بیان کو تسلیم ہی کر لینا ہے۔

إشارة إلى أن عمل القلب غير معلوم واجتناب الظن واجب، وإنما يحكم بالظاهر فلايقال لمن يفعل فعلاً هو مرائي، ولالمن أسلم هو منافق، ولكن الله خبير بما في الصدور، إذا قال فلان ليس بمؤمن حصل الجزم. (کبیر، ج۲۸/ص:۱۲۰-۱۲۱)

آیت سے ظاہر ہو گیا کہ اسلام اور ایمان کے دو الگ الگ مفہوم ہیں، اسلام صرف ایک ضابطے کی چیز ہے، جس کا تعلق قول سے اور ظاہر سے ہے۔ ایمان اس کے برعکس ایک باطنی حقیقت ہے، جس کا تعلق قلب کی تصدیق سے ہے۔

إن حقيقة الإيمان التصديق بالقلب، وأن الإقرار باللسان وإظهار شرائعه بالأبدان لايكون إيماناً دون التصديق بالقلب والإخلاص. (معالم، ج٤/ص:٢٦٨)

عن الزهري قال إن الإسلام الكلمة والإيمان العمل . (ابن جرير، ج٢٢/ص:٣١٤)

۳۰ (اپنے دعوائے ایمان و تصدیق میں)

المؤمنون۔ یعنی دین کی پوری طرح اور درجۂ کمال میں تصدیق کرنے والے۔ مومنین حقیقی، مومنین کامل۔

فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اگر کمال تصدیق نہ ہو، نفس تصدیق حاصل ہو جب بھی ایمان ثابت ہو جائے گا۔

الذین......سبیل اللہ۔ یعنی ہر طرح دین کی خدمت کی، اور اسی راہ میں سختیاں جھیلیں۔

ثم لم یرتابوا۔ زندگی کی کسی منزل اور ماحول کی کسی کشاکش میں بھی ایمان و تصدیق کی شاہراہ سے ڈانوا ڈول نہ ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو اپنا دین جتلا رہے ہو؟ ۳۱ درآں حالیکہ اللہ کو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کی (پوری)

الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ

خبر ہے اور اللہ (اور بھی) ہر شے کا علم رکھتا ہے ۳۲ یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ مطیع اسلام ہو گئے ہیں ۳۳ آپ کہہ دیجیے

لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ

کہ مجھ پر اپنے مطیع اسلام ہو جانے کا احسان نہ رکھو، البتہ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

بشرطیکہ تم (دعوائے ایمان میں) سچے ہو ۳۴ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی مخفی باتوں کو جانتا ہے

۳۱ (درآں حالیکہ اس کو خبر نہیں)

خطاب جھوٹے مدعیانِ دین ومنافقین اعراب سے ہے کہ اللہ کو تو تمھارے دین کی خبر ہے نہیں، اور تم اُسے خبر دینا چاہتے ہو؟ مطلب صاف ظاہر ہے کہ تم ایسی جھوٹی اور بے اصل بات زبان سے نکال رہے ہو۔

۳۲ (تو ایسے کامل و جامع علم رکھنے والے کو بھلا کوئی کیا بتلائے گا)

مشرک جاہلی قوموں کو ٹھوکر اللہ کے صفت علم ہی میں کثرت سے لگی ہے، قرآن اسی لیے بار بار اُس کی توضیح کرتا جاتا ہے۔

واللہ......الأرض۔ یعنی کوئی بھی شے اور کہیں ہو، اللہ کے احاطۂ علم سے باہر نہیں۔

واللہ......علیم۔ یعنی جو بھی چیز ہے اللہ کے احاطۂ علم کے اندر ہے۔

۳۳ (بے لڑے بھڑے بخلاف دوسرے قبائل کے)

اشارہ انھیں بدوی قبائل بنی اسد وغیرہ کی جانب ہے، جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ بعض نے جہینہ، مزینہ، اسلم، غفار وغیرہ قبائل کے نام بھی لیے ہیں، انھیں نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہا تھا کہ ہم خاص مراعات کے مستحق ہیں۔ دوسرے کتنے مقابلے ومقاتلے کے بعد کہیں ہتھیار رکھتے ہیں، اور ہم کو دیکھیے کہ ہم بغیر کسی جدوجہد کے آپ کی مخالفت سے باز آگئے۔

۳۴ یعنی اگر تم واقعی مسلمان ہو بھی گئے ہو (جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے) تو یہ میرے اوپر

۲۶
۸
۱۴

وَاللّٰهُ بَصِيرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸﴾

اور اللہ تمھارے اعمال کو بھی خوب دیکھ رہا ہے ۳۵ے

احسان کیا ہوا، یہ تو خود تمھارے اوپر اللہ کا احسان ہوا کہ اُس نے تمھیں دائمی نجات کی راہ دکھادی، اور دنیا میں بھی تمھیں قتل، قید وغیرہ سے بچالیا۔

۳۵ے (سو اُس کے سامنے بھلا کوئی مکر وفریب چل سکتا ہے؟)

اور ایک اسی مسئلے پر کیا موقوف ہے، اللہ کو تو چھوٹی بڑی ہر ہی حقیقت کا علم حاصل ہے۔ بندے کو حق تعالیٰ کے علم کے کامل ومحیط کل ہونے کا جس درجہ میں استحضار رہے گا، اسی نسبت سے اس کا درجۂ اخلاص بھی بڑھا ہوا رہے گا۔

إن......الأرض۔ موجوداتِ عالم کی کوئی پوشیدہ سے بھی پوشیدہ چیز علم الٰہی سے پوشیدہ نہیں ـــــ غیب کا مفہوم اضافی ہے، یعنی وہ شے جو انسان کے حواس وادراک سے باہر ہو۔ باقی حق تعالیٰ سے تو کوئی شے غائب ہو ہی نہیں سکتی، اس کے نزدیک حاضر وغائب، شہود وغیب سب یکساں ہیں۔

واللّٰہ بصیر بما تعملون۔ بندے کا براہِ راست تعلق تو اللہ کے اسی علم سے ہے، جو وہ بندوں کے اعمال وجزئیاتِ اعمال سے متعلق رکھتا ہے، اس لیے اسی پہلو کی تصریح اور تاکید قرآن مجید میں بار بار آئی ہے۔

فہرست مراجع

تفاسیر

١- تفسير أبى السعود أو إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم، أبوالسعود محمد بن محمد بن مصطفى العمادى الحنفى، تحقيق عبداللطيف عبدالرحمن، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولىٰ ١٤١٩هـ - ١٩٩٩م

٢- أحكام القرآن، أبوبكر أحمد بن على الجصاص الرازى، دارالفكر بيروت، لبنان

٣- أحكام القرآن، أبوبكر محمدبن عبدالله المعروف بابن العربى، تحقيق: محمد عبدالقادر عطا، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولىٰ ١٤٠٨هـ - ١٩٨٨م

٤- أنوارالتنزيل وأسرارالتاويل (تفسيرالبيضاوى)، أبوسعيد عبدالله بن عمر الشيرازى البغدادى، دارصادر، بيروت

٥- التبيان فى اعراب القرآن، أبوالبقاء عبدالله بن الحسين بن عبدالله العكبرى، تحقيق: على محمد البجاوى، عيسى البابى الحلبى وشركاه

٦- تفسير البحرالمحيط، محمد بن يوسف الشهيربأبى حيان الأندلسى، دارالفكر، بيروت- الطبعة الثانية ١٤٠٣هـ -١٩٨٣م

٧- بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی

٨- التفسيرات الأحمدية فى بيان الآيات الشرعية، أحمد ملاجيون جونپورى، مطبع كريمى، ممبئى

٩- تفسير القرآن العظيم، لابن كثيرالدمشقى، المكتبة العصرية، صيدا، بيروت،

الطبعة الاولیٰ ، ١٤١٨هـ-١٩٩٨م
١٠-التفسير القيم،للإمام ابن القيم،جمعه محمد أويس الندوی،تحقيق حمد حامد الفقي،مطبعة السنة المحمدية، ١٣٦٨هـ-١٩٤٩م
١١-التفسير الكبير أومفاتيح الغيب،فخرالدين محمدبن عمرالرازی۔دارالكتب العلمية، بيروت۔ الطبعة الاولیٰ،١٤٢١هـ-٢٠٠٠م
١٢-الجامع لأحكام القرآن (تفسيرالقرطبی)، دارإحياء التراث العربی، بيروت، ١٤٠٥هـ-١٩٨٥م
١٣-جامع البيان فی تاويل القرآن (تفسير الطبری)، أبوجعفر محمد بن جرير الطبری۔تحقيق أحمد محمد شاكر، محمود محمد شاكر، مؤسسة الرسالة، الطبعة الاولیٰ ١٤٢٠هـ-٢٠٠٠م
١٤-تفسيرالجلالين،جلال الدين محمدبن أحمد المحلی و جلال الدين أبوبكر عبد الرحمن السيوطی، دارالمعرفة ،بيروت، لبنان
١٥-روح المعانی فی تفسيرالقرآن العظيم والسبع المثانی،محمد الآلوسی البغدادی، دارإحياء التراث العربی، بيروت، لبنان
١٦-تفسير غريب القرآن، أبوبكر محمد بن عزيز السجستانی، تحقيق:محمد مصطفى أبوالعلاء، مكتبة الجندی، مصر
١٧-تفسيرغريب القرآن،أبومحمد عبدالله بن مسلم بن قتيبة، تحقيق: الشيخ ابراهيم محمد رمضان، دارومكتبة الهلال، بيروت، الطبعة الاولیٰ ١٤١١هـ-١٩٩١م
١٨-تفسيرالكشاف،أبوالقاسم محمود بن عمرالزمخشری،دارالكتب العلمية، بيروت،الطبعة الاولیٰ١٤١٥هـ-١٩٩٥م
١٩-التفسير المظهری،قاضی محمد ثناء الله العثمانی، دارالمصنفين، دهلی
٢٠-غرائب القرآن ورغائب الفرقان، نظام الدين حسن بن محمد النيشاپوری، تحقيق: زكريا عميران،دارالكتب العلمية، بيروت،لبنان،١٤١٦هـ-١٩٩٦م

٢١-لباب التأويل في معاني التنزيل (تفسير الخازن)، التقدم العلمية، مصر، ١٣٢٢هـ
٢٢-مدارك التنزيل وحقائق التاويل (تفسير النسفى)، عبدالله بن أحمد النسفى، دارالمعرفة، بيروت، الطبعة الاولىٰ ١٤٢١هـ-٢٠٠٠م
٢٣-معالم التنزيل (تفسير البغوى) حسين بن مسعود البغوى، تحقيق: عبدالرزاق المهدى- دارإحياء التراث العربى، بيروت، لبنان، الطبعة الثانية: ١٤٢٣هـ-٢٠٠٢م
٢٤-معجم مفردات القرآن، أبوالقاسم حسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهانى، تحقيق ابراهيم شمس الدين، دارالكتب العلمية، بيروت ١٤٢٥هـ-٢٠٠٤م

متفرقات

٢٥-إحياء علوم الدين- أبو حامد الغزالى، تحقيق: سيد عمران، دارالحديث القاهرة- ١٤٢٥هـ-١٩٨٥م
٢٦-كتاب الأصنام، أبوالمنذرهشام بن محمد السائب الكلبى، تحقيق: أحمد زكى باشا، دارالكتب المصرية- الطبعة الثالثة- ١٩٩٥م
٢٧-أقرب الموارد فى فصح العربية والشوارد، سعيدالخورى الشرتوى، مكتبة آية الله العظمىٰ المرعشى، قم، ايران-١٤٠٣هـ
۲۸-بیان اللسان، قاری زین العابدین سجاد میرٹھی، ادارہ علمیہ قاضی واڑہ، میرٹھ
٢٩-تاج العروس من جواهر القاموس، محب الدين محمد مرتضىٰ الحسينى الزبيدى، تحقيق على شيرى، دار الفكر، بيروت، ١٤١٤هـ-١٩٩٤م
٣٠-الروض الأنف فى تفسير السيرة النبوية لابن هشام، أبو القاسم عبدالرحمن بن عبدالله الخثعمى السهيلى، دارالكتب العلمية-الطبعة الاولىٰ

٣١-السيرة النبوية،عبدالملك بن هشام المعافرى،دارالحديث،القاهرة، ١٤٢٤هـ-٢٠٠٤م

٣٢-شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور، جلال الدين عبدالرحمن السيوطى، مطابع الرشيد۔ المدينة المنورة، ١٤٠٣هـ-١٩٨٣م

٣٣-الصحاح (تاج اللغة وصحاح العربية)، اسماعيل بن حماد الجوهرى،تحقيق أحمد عبدالغفور عطار،الطبعة الاولىٰ:١٤٠٢هـ-١٩٨٢م

٣٤-صحيح مسلم،مسلم بن الحجاج النيشاپورى،مكتبة الرشد ناشرون، بيروت،١٤٢٦هـ-٢٠٠٥م

٣٥-صحيح البخارى، محمد بن اسمٰعيل البخارى، مكتبة الرشد ناشرون، بيروت، ١٤٢٦هـ- ٢٠٠٥م.

٣٦-الطبقات الكبير ، محمد بن سعد بن منيع الزهرى، تحقيق: الدكتور على محمد عمر، مكتبة الخانجى القاهرة، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ - ٢٠٠١م

٣٧-الفصل فى الملل والنحل،على بن أحمد بن حزم، دارالمعرفة، بيروت، ١٣٩٥هـ-١٩٧٥م

٣٨-القاموس المحيط،مجد الدين فيروزآبادى،دار إحياء التراث العربى۔الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م

٣٩-كتاب الكليات (معجم فى المصطلحات اللغوية)، أبوالبقاء أيوب بن موسىٰ الحسينى الكوفى، تحقيق عدنان درويش،محمدالمصرى۔ موسسة الرسالة، بيروت،١٤١٩هـ-١٩٩٨م

٤٠-لسان العرب، جمال الدين محمدبن مكرم بن منظورالافريقى،دار إحياء العربى، بيروت،الطبعة الثالثة

٤١-المبسوط، أبوبكر محمد بن أحمد السرخسى الحنفى، تحقيق: أبوعبدالله

محمد حسن محمد حسن إسماعيل الشافعي، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ-٢٠٠١م

٤٢-كتاب المحبر، محمد بن حبيب البغدادي- مطبعة جمعية العثمانية، حيدرآباد دكن، ١٣٦١هـ-١٩٤٢م

٤٣-مغني اللبيب عن كتب الأعاريب- ابن هشام الأنصاري، دارالفكر، بيروت، الطبعة السادسة ١٩٨٥م

٤٤-منتهى الأرب في لغات العرب،مطبع اسلاميه لاهور، ١٣٢٥هـ

٤٥- المنجد في اللغة والأعلام، دارالمشرق، بيروت، الطبعة الثامنة والعشرون ١٩٨٦م

٤٦-النهاية في غريب الحديث والأثر، مجد الدين أبي السعادات المبارك بن محمد ابن الأثير الجزري، دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولىٰ ١٤١٨هـ - ١٩٩٧م.

اشاریہ INDEX

مرتب: محمد مستقیم محتشم ندوی

شخصیات

کتابیات

مقامات

اقوام وقبائل

متفرقات

عقائد فرق ونظریات

علوم وفنون

جانور کیڑے مکوڑے

مطعومات و مشروبات

پہاڑ و دریا

ایجادات